اے راہ حق کے شہیدو

طارق اسماعیل ساگر

طارق اسمٰعیل ساگر

ساگر پبلشرز

کوپر سٹریٹ۔ داتا دربار روڈ ○ لاہور

نام کتاب	اے راہ حق کے شہیدو
مصنف	طارق شکیل ساگر
ناشر	ساگر پبلشرز۔ 9 گول مارکیٹ
	داتا دربار روڈ، لاہور۔54000
طابع	ایل جی پرنٹرز، لاہور
تاریخ اشاعت	فروری 1999ء
قیمت	180/روپے

اسٹاکسٹ۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، داتا گنج بخش روڈ، لاہور

فون۔ 042-7220479

دہلی کے صفدر جنگ روڈ پر واقع پرائم منسٹر ہاؤس کے گرد آج معمول سے زیادہ کی سیکورٹی کے بندوبست کیے گئے تھے۔

تبت کمانڈوز اور سی آر پی کے خصوصی تربیت یافتہ دستے اپنے اپنے ہیڈ کوارٹر سے بطور خاص آج صبح ہی یہاں پہنچے تھے۔ ان لوگوں کو صرف حکم کی تعمیل کرنی تھی لیکن ان کے افسران کو بھی اس بات کا علم نہیں تھا کہ دہلی پر کیا قیامت ٹوٹ پڑی ہے۔

مشرقی پنجاب میں سکھوں کی علیحدگی پسند تحریک بڑے زوروں پر تھی۔ چند روز پہلے ہی جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ اپنے مسلح ساتھیوں سمیت دربار صاحب امرتسر میں مورچہ بند ہو چکا تھا۔

بھارتی انٹیلی جنس ایجنسیوں کی طرف سے ہر روز حالات بد سے بدتر ہونے کی اطلاعات آ رہی تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ جب تبت پولیس کمانڈوز اور "سی آر پی ایس" کے کمانڈنٹس کو دو گھنٹوں کے نوٹس پر دو خصوصی تربیت یافتہ کمپنیاں دہلی روانہ کرنے کے احکامات ملے تو وہ فوراً سمجھ گئے کہ شاید بھارتی دارالحکومت پر حریت پسندوں کے حملے کا خطرہ بڑھ گیا ہے کیونکہ کچھ سکھ لیڈر اپنے بیانات میں آئے روز دہلی کو نشانہ بنانے کی "چیتاونی"

دیتے رہتے تھے۔

اور ----

آخری دنوں میں تو سنت جرنیل سنگھ بھنڈرانوالہ نے بھی یہی دھمکی دے دی تھی۔

دونوں فورسز کے کمانڈنٹ نے اپنے اپنے جوانوں کو خصوصی ہدایات کے ساتھ دہلی کی طرف روانہ کیا تھا۔

ان لوگوں نے علی الصباح دہلی پہنچتے کے فوراً بعد وزیراعظم ہاؤس کے چاروں طرف علاقے کو اس طرح اپنے گھیرے میں لے لیا تھا کہ بادی النظر میں یہاں سے اب کوئی بھی شے ان کی نظروں میں آئے بغیر گذر کر پرائم منسٹر ہاؤس تک نہیں جا سکتی تھی۔ دونوں فورسز کا ایک جائنٹ کمانڈ آفس بنا دیا گیا تھا اور انہیں ابھی تک یہ نہیں بتایا گیا کہ انہیں کتنے عرصے تک یہاں قیام کرنا ہے۔

○

رات کا پہلا پہر تھا جب بھارتی جی ایچ کیو سے آرمی چیف کی کار برآمد ہوئی کار کو آگے پیچھے آرمی کمانڈو اسکاٹ کر رہے تھے۔

جس راستے سے سفر کرتے ہوئے یہ قافلہ پرائم منسٹر ہاؤس تک پہنچا تھا وہ زیادہ تر ویران ہی دکھائی دے رہا تھا۔

آرمی ہیڈ کوارٹرز سے سکواڈ کے ساتھ کسی جیپ کی برآمدگی نے سی آر پی ایس اور تبت پولیس کمانڈوز کو مزید چوکنا کر دیا انہیں اب اندازہ ہو رہا تھا کہ صورتحال ان کی توقع سے بھی زیادہ سیریس ہے کیونکہ دیکھتے ہی دیکھتے یہاں وی آئی پی ٹریفک بڑھنے لگی تھی۔

کالے شیشوں کی بند کاروں میں کون لوگ ان کی آنکھوں کے سامنے سے گزر کر پرائم منسٹر ہاؤس کی طرف جا رہے تھے۔

انہیں اس کا تو کچھ خاص اندازہ نہیں تھا لیکن یہ بات وہ بخوبی جانتے تھے کہ یہ سب

ملک کی اہم ترین شخصیات ہیں اور ان کی یہاں موجودگی شاید ان کی آمد و رفت کو محفوظ بنانے کے لئے ہی ضروری سمجھی گئی تھی۔

ان تمام گاڑیوں کا رخ پرائم منسٹر ہاؤس کی طرف تھا جہاں ایک خصوصی میٹنگ ہال میں وہ سب بھارتی تاریخ کا ایک اہم فیصلہ کرنے کے لئے جمع ہو رہے تھے۔ بھارتی وزیراعظم کے خصوصی سیکرٹری مسٹر آر پی سنہا اور "را" کا ڈائریکٹر کاؤ ان کے استقبال کے لئے ہال کے سامنے موجود تھے۔

حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اس اہم ترین میٹنگ کے لئے پرائم منسٹر ہاؤس کے سٹاف کو بھی اطلاع دینے کا تکلف نہیں کیا گیا تھا ورنہ شاید ان حالات میں وہ معمول کی ڈیوٹی سے فارغ ہو کر اپنے گھروں کو واپس نہ جاتے۔

گاڑیوں کی آمد میں ٹائمنگ کا خاص خیال رکھا گیا تھا اور پہلے سے مقررہ وقت سے پانچ منٹ قبل ہی تمام اہم شخصیات ہال میں موجود ہیں۔

رات کے دو بج رہے تھے۔

جیسے ہی دیوار سے لٹکے گھڑیال نے دو بجے کا الارم دیا ہال کا بغلی دروازہ کھلا اور اس سے بھارتی پرائم منسٹر مسز اندرا گاندھی اکیلی اندر داخل ہوئیں۔

عام حالات میں ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا۔ عموماً ان کی پرسنل سیکرٹری ضرور ان کے ساتھ ہوتی تھیں۔

لیکن ---

آج مسز اندرا گاندھی نے یہ تکلف ہی نہیں کیا تھا—

یہاں موجود مہمانوں کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ وہ صبح آٹھ بجے کے بعد سے اب تک ایک لمحے کے لئے بھی بیڈروم تک نہیں گئیں۔

اور --- ڈنر سے فارغ ہونے کے بعد سے مسلسل سنہا اور کاؤ کے ساتھ میٹنگ

میں مصروف تھیں جنہوں نے بھارتی وزیراعظم کو تفصیل سے بتادیا تھا کہ جو "ایڈونچر" وہ کرنے جا رہی ہیں اس کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔

اصل میں میں ان دوستوں کی بلاشیری نے ہی بھارت کی مہم جو وزیراعظم کو یہ اہم ترین فیصلہ کرنے کا حوصلہ بخشا---

مسز اندرا گاندھی--- جس نے اے، میں پاکستان کو دولخت کیا تھا اب پاکستان پر پھر ایک کاری ضرب لگانے جا رہی تھیں۔

شاید وہ اتنا خطرناک فیصلہ اکیلے نہ کر پاتیں لیکن ان کے روسی دوستوں نے انہیں حوصلہ دیا۔

اپنے آخری دورہ روس میں بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کو روسی صدر نے مائل کیا تھا کہ وہ پاکستان کی مشرقی سرحد پر سیاچن کے نزدیک ایک نیا محاذ جنگ کھول دے تاکہ افغان مجاہدین کی مدد کے لئے کمربستہ پاکستانی فوج کو الجھایا جا سکے۔

اور--- ایڈونچر پسند اندرا گاندھی نے یہ تجویز مان لی تھی۔

اپنے دورہ روس سے واپسی کے بعد اس نے سیاچن سے متعلق خصوصی مطالعہ اور بریفنگ لینی شروع کی تھی۔

اس ضمن میں اس نے جنرل ایم۔ ایل چبر Chibber سے بطور خاص تین چار مرتبہ بریفنگ لی تھی۔

جنرل چبر تو 78ء سے پاکستان پر تاؤ کھائے بیٹھا تھا اس نے تو خود کو ایک عرصے سے اس مہم کے لئے تیار کیا ہوا تھا۔

لیکن--- ابھی تک وہ کھل کر بھارتی وزیراعظم سے کچھ نہیں کہہ سکا۔ آخری ملاقات پر جب اچانک کسی بات پر مسکراتے ہوئے بھارتی وزیراعظم نے یکدم سیریس ہو کر اس کی آنکھوں میں اپنی چھوٹی چھوٹی لیکن نیزے کی طرح مخاطب کے چہرے اور

دل ودماغ میں پیوست ہو جانے والی آنکھوں سے جھانکتے ہوئے کہا۔

کیا ہمارے لئے اس اہم اور سٹریٹیجک علاقے پر قبضہ کرنا ممکن ہوگا۔ تو وہ بھونچکا رہ گیا۔

"یس میڈم پرائم منسٹر--- یس۔

اچانک ہی اس نے سنبھل کر اپنا اشتیاق جتایا۔

لیکن--- شاید صرف Yes کہہ دینے سے مسز اندرا گاندھی مطمئن نہیں ہوئی تھیں ابھی تک وہ استفہامیہ نظروں سے اسی کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"سارا علاقہ خالی ہے--- یہاں سے ڈیڑھ سو میل دور پاکستانی فوج موجود ہے ہم انہیں شاندار "سرپرائز" دے سکتے ہیں"---

اس نے بڑے تیقن سے کہا۔

"تم فوجی لوگ بھی عجیب ہوتے ہو--- شاید سویلین کی طرح تم تصویر کے دونوں رخ نہیں دیکھنا چاہتے--- یا پھر کسی بھی مہم جوئی سے انکار کو اپنی توہین سمجھتے ہوئے۔

مسز اندرا گاندھی کے عجیب وغریب جواب نے جنرل چبر کو چکرا کر رکھ دیا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ پرائم منسٹر اس کا مذاق اڑا رہی ہے یا اسے داد دے رہی ہے---؟

بہرحال روانگی سے پہلے اس نے مسز اندرا گاندھی سے متعلق جو "ہوم ورک" کیا تھا اس سے اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ بھارتی وزیراعظم کی خوبی یہی ہے کہ وہ بھی دل کی بات زبان پر نہیں لاتی اور دوسرے کا عندیہ بھانپنے میں کمال کی مہارت انہیں حاصل ہے---

اس کو اندازہ ہو چلا تھا کہ بھارتی وزیراعظم نے جنرل چبر کے اندر سے ایڈونچر پسند فوجی افسر کو شناخت کر لیا تھا اور بھارتی وزیراعظم کی طرف سے کوئی اشارہ نہ ملنے کے باوجود وہ اسی نتیجے پر پہنچ گیا تھا۔ جلد یا بدیر اس کا خواب حقیقت کا روپ دھارے گا۔

جنرل چبر یہ خواب 78ء سے دیکھتا آ رہا تھا--- 70ء کے عشرے کے اواخر میں بھی

اس کی خواہش تھی کہ بھارت اس محاذ پر حملہ کر کے شاہراہ قراقرم کو اپنی گرفت میں لے لے--

اس نے اپنی اس خواہش کو صرف خود تک محدود نہیں رکھا تھا---اسے عملی روپ دینے کے لئے بطور خاص 81ء میں بھارتی فوج کے کئی افسران اور جوانوں کو دنیا کے مجند ہر اعظم انٹارکٹکا بھیجا تھا۔

ان کی روانگی بلا مقصد نہیں تھی---

بھارتی فوج کے ان افسران نے اپنے سینکڑوں جوانوں کے ساتھ مہینوں یہاں قیام کر کے بدترین حالات میں سرمائی جنگ کا تجربہ حاصل کیا تھا--جنرل چیمہ اس تجربے کو سیاچن پر آزمانا چاہتا تھا۔

○

"میڈم پرائم منسٹر"---

مسز اندرا گاندھی کے دروازے پر پہنچتے ہی سنہا نے جو پہلے سے یہاں موجود تھا اپنی سیٹ پر کھڑے ہو کر کہا۔

اور---اس کے منہ سے یہ الفاظ نکلتے ہی تمام حاضرین اپنی اپنی کرسیوں پر کھڑے ہو گئے۔ بھارتی وزیراعظم نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے نمسکار کیا اور جواب میں سب نے یک زبان ہو کر "جے ہند" کہا تھا۔

چند منٹ ایک دوسرے کی خیریت دریافت کرنے اور پنجاب میں سکھوں کی تازہ ترین صورتحال جاننے کے بعد مسز اندرا گاندھی نے آرمی چیف کی طرف دیکھ کر انہیں شاید آج کا موضوع یاد دلایا تھا۔

اور---تھوڑی دیر بعد بھارتی فوج کے آرمی چیف نے مسز اندرا گاندھی کی کرسی کے دائیں ہاتھ والی دیوار پر پہلے سے نصب نقشے کے سامنے پوزیشن سنبھال لی۔ اب وہ ایک

چھوٹی سی چھڑی کی مدد سے حاضرین کو "سیاچن" کی پوزیشن سمجھا رہا تھا۔

"پاکستانی فوج کا پہلا پڑاؤ یہاں سے 150 میل دور ہے---"

اس نے ایک مخصوص مقام پر چھڑی رکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب"---

بھارتی وزیراعظم نے قدرے حیرانگی سے پوچھا۔

"میڈم! سکردو کے فوجی ہیڈکوارٹر سے سیاچن گلیشیر تقریباً 150 میل دور ہے۔ پاکستانیوں نے سکردو کے فوجی ہیڈکوارٹر سے 65 میل دور کھپلو تک صرف چھوٹی گاڑیوں اور ٹریکٹر ٹرالیوں کے لئے سڑک بنا رکھی ہے---اور کھپلو سے ہیلسٹو ستر میل دور سلتورو پہاڑی سلسلے کے مختلف دروں تک پہنچنے کے لئے آٹھ تا نو دن لگتے ہیں۔"

اس نے اپنے سامنے دھرے کافی کے مگ سے ایک بڑا گھونٹ اپنے حلق میں انڈیلا اور اپنے ساتھ والی سیٹ پر موجود ایک نوجوان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ ہیں کرنل کمار---کرنل کمار 82ء سے اب تک چھ مرتبہ اس علاقے کی "ریکی" کر چکے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے آج سے صرف پندرہ روز پہلے اپنے چھ جوانوں کے ساتھ پاکستانی علاقے میں قریباً ساٹھ کلومیٹر دور تک "ریکی" کی ہے۔ یہاں کی صورتحال پر وہ تفصیلاً بتائیں گے کیونکہ میرے اس نوجوان ساتھی کے پاس فرسٹ ہینڈ ایکسپیرینس First Hand Experience ہے۔ اس نے بڑے رشک بھرے لہجے میں اپنے ساتھ یہاں آنے والے نوجوان کرنل کا تعارف کروایا۔

پرائم منسٹر اندرا گاندھی سمیت حاضرین کی آرام دہ کرسیاں بغیر آواز پیدا کئے گھومیں اور ان سب کی نظریں کرنل کمار کے تمتماتے چہرے پر جم گئیں۔ جو بڑے فخریہ انداز میں قدرے جھک کر کورنش بجالاتے ہوئے ریڈنگ ڈائس کی طرف جا رہا تھا۔

آرمی چیف نے دوبارہ اپنی کرسی سنبھال لی تھی۔

"حاضرین محترم!"

اس نے بڑے گمبھیر لہجے میں اپنی گفتگو کا آغاز کیا۔ سب گوش بر آواز تھے۔

"موسم سرما میں اس علاقے کا سفر موت کا سفر بن جاتا ہے۔ گلیشیر کے علاقے میں تو موسم گرما میں بھی پہاڑی چوٹیاں برف سے ڈھکی رہتی ہیں اور درجہ حرارت نقطہ انجماد سے دس تا پندرہ ڈگری سینٹی گریڈ نیچے رہتا ہے ---ان حالات میں عام فوجی وردی کے ساتھ اور ان مخصوص موسمی حالات میں تربیت حاصل کئے بغیر دنیا کی مضبوط ترین فوج کے لئے بھی یہاں چند دنوں تک قیام پذیر رہنا ناممکن ہے --- یہاں کے موسمی حالات میں زندہ رہنے کے لئے جس خصوصی لباس، رہائشی اگلو Igloo اور اعلیٰ درجے کی خوراک کی ضرورت ہے وہ پاکستانی فوج کے پاس نہیں --- پچاس تا اسی میل فی گھنٹہ کی رفتار سے یہاں برفانی ہوائیں چلتی رہتی ہیں اور سردیوں میں درجہ حرارت منفی پچاس درجے سنٹی گریڈ ہو جاتا ہے۔"

اس کے آخری فقرے سے حاضرین کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی دوڑنے کا احساس ہوا تھا اور بھارتی وزیر اعظم کو تو جھرجھری سی آگئی تھی۔

"میڈم پرائم منسٹر"---

کرنل کمار نے براہ راست مسز اندرا گاندھی کو مخاطب کیا تھا۔

"دنیا کی بہترین تربیت یافتہ فوج کے جوانوں کے پاس اگر اعلیٰ ترین اور گرم ترین وردی اور بوٹ بھی موجود ہوں تو بھی اس بات کی کوئی ضمانت نہیں کہ سردی سے ان کے ہاتھ پیر شل نہ ہو جائیں --- جسم کا کوئی ایسا عضو جسے ڈھانپا نہ جائے شدید سردی سے جھڑنے لگتا ہے --- حتیٰ کہ آنکھوں پر بھی ہر وقت گہرے رنگدار شیشوں کی عینک چڑھائے رکھنا لازم ہے --- بصورت دیگر برف کے طویل سلسلہ پر جب سورج کی روشنی پڑتی ہے تو اس کی چمک سے انسان کے اندھا ہو جانے کا خطرہ موجود رہتا

ہے---"

کرنل کمار جب سیاچن گلیشیر پر بریفنگ دے رہا تھا تو حاضرین کو پلکیں جھپکانا بھی شاید یاد نہیں رہا تھا---

اس نے سلسلہ کلام جاری رکھا۔

"عام طور پر دس ہزار فٹ کی بلندی پر آکسیجن کی کمی کے اثرات آپ کے جسم پر ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور بلندی میں اضافے کے ساتھ ساتھ ان اثرات کی شدت بھی بڑھتی چلی جاتی ہے۔20ہزار سے 22 ہزار فٹ کی بلندی پر بمشکل چند دن ہی زندہ رہنا ممکن ہے البتہ آکسیجن کی وافر مقدار موجود ہو تو قیام کی مدت بڑھائی جا سکتی ہے --- آکسیجن کی کمی، شدید ترین سردی اور سطح سمندر سے اتنی زیادہ بلندی سے سردرد High Altitude Sickness پھیپھڑوں میں پانی بھر جانے کا عارضہ Pulmonary Odema اور سانس کی شدید تکلیف یعنی Hypoxia لاحق ہونے کا خطرہ ہر وقت موجود رہتا ہے --- اگر پاکستان آرمی جسے برفانی جنگ کا تجربہ نہیں صرف جوش اور جذبے کے بل پر بھی ہمارے مقابل آگئی تو شاید ہمارے گولوں اور گولیوں سے زیادہ ان کے لئے یہاں کا موسم عذابناک ثابت ہو گا --- ایسا کوئی بھی عارضہ لاحق ہونے کے بعد مریض کو اگر چند منٹ کے اندر اندر اونچائی سے نیچے نہ اتارا جائے تو اس کی موت فوراً واقع ہو جاتی ہے"---!!

"لیکن وہ لوگ پہلے سے آزاد کشمیر کے اونچے پہاڑی علاقے اور شمالی علاقہ جات میں موجود رہے ہیں"---

وزیر خارجہ نے اچانک ہی اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"سر! ہمارے سروے کے مطابق جو انٹیلی جنس رپورٹس کے ذریعے معلوم پڑا ہے پاکستان کے آزاد کشمیر اور شمالی علاقہ جات میں بلند ترین محاذ جنگ اور ان کی کمانڈ پوسٹ

کی اونچائی سطح سمندر سے پندرہ ہزار فٹ ہے --- جبکہ سیاچن میں کوئی بھی پوسٹ اٹھارہ ہزار فٹ سے کم بلندی پر قائم کرنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہو گا --- کیونکہ اس طرح صحیح ڈھنگ سے "دیدبانی" ہی نہیں ہو سکتی۔ جبکہ خصوصی طور پر پوسٹیں 21 ہزار فٹ کی بلندی پر بھی بنائی جائیں گی --- اور جہاں تک سردی کی بات ہے تو شمالی علاقہ جات کی سردیوں کا سیاچن کی سردی سے مقابلہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے ہم شملہ میں پڑنے والی سردی کا مقابلہ سائبیریا میں پڑنے والی سردی سے کرنے لگیں ---"

کرنل کمار کی بریفنگ کا آخری فقرہ خاصا چبھتا ہوا تھا اور اس کی سب سے زیادہ چبھن بھارتی وزیر خارجہ ہی نے محسوس کی تھی ---

O

کرنل کمار اور اس سے پہلے آرمی چیف کی بریفنگ کے بعد اب اس علاقے سے متعلق کوئی انفارمیشن ایسی نہیں تھی جو ان عمائدین سلطنت تک منتقل نہ ہو گئی ہو۔

پاکستانی فوج کی پوزیشن، بھارتی فوج کی ترجیح اور اسلحی برتری پر بھارتی آرمی چیف نے کھل کر اظہار خیال کیا تھا۔

پرائم منسٹر ہاؤس کے ایک کونے میں موجود مندر میں "کیرتن" شروع ہو رہا تھا جب بھارتی خارجہ سیکرٹری اور وزیر خارجہ نے اپنی بریفنگ ختم کی انہوں نے بھارتی فوج کی جارحیت سے پیدا ہونے والی صورت حال کے ممکنہ رد عمل اور اس رد عمل کا سامنا کرنے کے لئے اپنی حکمت عملی بتادی تھی ---

یہ بات تمام بریفنگ کرنے والوں کے ذہن میں پہلے سے موجود رہی تھی کہ ان کے سامنے ایک ہٹ دھرم اور اپنی بات کو منوانے کی عادی وزیر اعظم بیٹھی ہے۔ جس نے اپنے دماغ سے کوئی فیصلہ کرنے کے بعد ہی انہیں طلب کیا ہے ---

ہر بریفنگ دینے والا جانتا تھا کہ بھارتی وزیر اعظم کی عادت تھی وہ فیصلہ کرنے کے بعد

ایسی اہم میٹنگز کا اہتمام صرف اتمام حجت کے لئے ہی کرتی تھیں --- اور اپنے کسی بھی فیصلے پر تنقید یا ناں سننے کی وہ عادی نہیں تھیں۔

یہی وجہ تھی کہ انہوں نے مسز اندرا گاندھی کے استفسارات کا جواب ان کی مرضی کے مطابق ہی دیا تھا۔

بھارتی آرمی چیف ایک تجربہ کار جرنیل تھا۔ اس کی ساری زندگی توپ و تفنگ کے سائے ہی میں گزری تھی۔ اس سے زیادہ کون اس بات کا اندازہ کر سکتا تھا کہ اس ایڈونچر کی بھارتی فوج کو کیا قیمت چکانا پڑے گی؟

وہ جانتا تھا کہ بھارتی کبھی سیاچن کے راستے شاہراہ قراقرم پر کنٹرول حاصل نہیں کر سکتے --- دنیا کی کوئی فوج ایسا نہیں کر سکتی ---

لیکن --- اسے اس بات کا بھی علم تھا کہ مسز اندرا گاندھی کے اس فیصلے کے پیچھے روسی دباؤ موجود ہے اور ان حالات میں بھارت روس کو ناراض کرنے کا خطرہ کبھی مول نہیں لے گا۔

ان سب سے بڑھ کر اہم بات یہ تھی کہ وہ خود اگلے چھ ماہ کے بعد ریٹائرڈ ہونے جا رہا تھا۔

اس نے ساری سروس متنازعہ ہوئے بغیر گزاری تھی اب آخری مرحلے پر وہ کیوں کسی کی ناراضگی کا خطرہ مول لے؟

اس لئے اس نے بھی جوابات بھارتی وزیر اعظم کی توقعات کے مطابق ہی دیئے تھے۔ ایک پیشہ ور جرنیل کی حیثیت سے گو کہ وہ ایک ہی وقت میں دو محاذ کھولنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

انٹیلی جنس رپورٹس بتا رہی تھیں کہ سکھوں کے مسئلے پر پاکستان سے جنگ کا خطرہ بڑھتا چلا جا رہا ہے --- یہ اطلاعات مل رہی تھیں کہ سکھ علیحدگی پسندوں کو پاکستان کی مکمل

پشت پناہی حاصل ہے اور جس طرح بھنڈرانوالہ نے دربار صاحب امرتسر میں مورچے قائم کر کے اسلحے کے انبار لگا لئے ہیں اس کے بعد کسی بھی لمحے بھارتی فوج کے ساتھ سکھوں کی باقاعدہ لڑائی شروع ہو سکتی تھی--

سکھ یونٹوں میں دربار صاحب کے مسئلے پر پہلے ہی بے چینی پائی جاتی تھی اور بھارتی حکومت نے بھنڈرانوالہ کے ساتھیوں کو ختم کرنے کے لئے دربار صاحب میں داخل ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا---

ان حالات میں عین ممکن تھا کہ سکھ پلٹنیں شورش کریں اور پاکستان مغربی محاذ پر اسی صورتحال کا فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔

وہ جانتا تھا کہ مسز اندرا گاندھی کے لئے "را" کے ڈائریکٹر کاؤ کا کہنا ہی آخری ہوتا ہے۔

اور----ان حالات میں کاؤ نے بھی پرائم منسٹر کے مزاج کو سمجھتے ہوئے ان کی کسی بات کا "ناں" میں جواب دینا مناسب نہیں جانا ہو گا۔

بہر حال وہ ان حالات میں دنیا کے بلند ترین برف کے جہنم میں اپنے جوانوں کو اتارنے کا خطرہ اپنی حد تک کبھی مول نہیں لے سکتا تھا لیکن اسے اپنی وزیراعظم کے احکامات کی تعمیل کرنی تھی۔

○

سب نظریں بھارتی وزیراعظم کی طرف گئی تھیں--

اب تک چائے اور کافی کے متعدد دور چل چکے تھے۔

سورج نکل آیا تھا--

اس کا احساس انہیں گہرے نیلے رنگ کے پردوں کے بدلتے شیڈ سے ہونے لگا جو بڑی بڑی ہوادار بند کھڑکیوں کے سامنے ٹنگے ہوئے تھے۔

بھارتی وزیراعظم میٹنگ سے خطاب کے لئے کھڑی ہوئیں تو ان کے چہرے سے

کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ وہ ساری رات جاگتی رہی ہیں۔

ان کی آواز کی گھن گرج قائم تھی---

"یہ بڑے مضبوط اعصاب کی عورت ہے۔"

آرمی چیف نے اپنے ساتھی کے کان میں سرگوشی کی اور چوکنا ہو کر بیٹھ رہا--

مسز اندرا گاندھی نے حسب معمول اپنی گفتگو کا آغاز بھارت کی "مہانتا" سے کیا۔

"بھارت ایک مہان دیش ہے۔ ہمیں ساری دنیا پر یہ بات ثابت کرنی ہے کہ ہم نے پاکستان سے ہمیشہ کہا ہے کہ وہ بھارت کے دوسرے ہمسایوں نیپال بھوٹان اور مالدیپ کی طرح امن سے رہے--- لیکن پاکستان کی "ملٹری جنتا" ہماری بات ماننے کے بجائے ہمارے دیش کے معاملات میں مداخلت کر رہے ہیں---اب پنجاب میں سکھوں کو ہمارے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا ہے۔ میں نے آپ سے 71ء میں بھی کہا تھا اور آج بھی کہہ رہی ہوں کہ پاکستان کو سبق سکھانا بہت ضروری ہے۔ شاید اپنے دیش کے دو ٹکڑے کروانے کے بعد بھی ان لوگوں کا دماغ درست نہیں ہوا۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم ان کا دماغ درست کریں--- آپ لوگ ہمارے عظیم دوست روس کے احسانات فراموش نہیں کر سکتے۔ ہم نے پاکستان کے خلاف تمام جنگیں اسی کی مدد سے جیتی ہیں۔ آج ہماری دوستی کا بھی تقاضا ہے کہ ہم پاکستان کو سبق سکھائیں جو افغانستان میں اس کے خلاف مسائل پیدا کر رہا ہے۔ اس علاقے کی صورتحال پر آپ کو دو روز پہلے بریفنگ مل چکی ہے--- ہمارے حملے سے پاکستانیوں کے دماغ ٹھکانے آ جائیں گے۔ ان کی توجہ بٹ جائے گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کا جو بھی ردعمل ہو گا وہ ہمارے لئے کچھ مسائل کھڑے نہیں کر سکے گا"---

مسز اندرا گاندھی نے اس کے بعد اپنے عزائم کانگریس کی عظمت اور اپنے "پتاشری" کی خواہشات کا ذکر کیا کہ وہ بھارت کو ہندوستان کی شکل میں لوٹتا دیکھنا

چاہتے تھے اور اب پاکستان کو بھارت میں ضم کر کے وہ اپنے "پتا شری" (نہرو) اور مہاتما گاندھی کی آتماؤں کو بھی خوش کر سکتے ہیں۔

O

اس محفل کے حاضرین میں سے سوائے دو شخصیات کے اور کوئی مسز اندرا گاندھی کے پاگل پن کا حمایتی نہیں تھا۔

یہ دونوں کرنل کمار اور "را" کا ڈائریکٹر مسٹر آر۔ این۔ کاؤ تھے---

ان دونوں کو بھی مسز اندرا گاندھی کی طرح "اتہاس (تاریخ) کے پنوں پر اپنے نام لکھوانے کا بہت شوق تھا۔

لیکن---

یہ دونوں بھی بھارتی وزیر اعظم کی طرح یہ بات نہیں جانتے تھے کہ سیاچن میں مداخلت کی انہیں کیا قیمت ادا کرنی پڑے گی؟

وہ اس تباہی کا اندازہ نہیں لگا سکتے تھے جو بھارتی آرمی کا مقدر بننے والی تھی۔

آر۔ این کاؤ سمجھتا تھا کہ جس طرح انہوں نے ۷۱ء میں مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنا دیا تھا اسی طرح وہ سیاچن پر قابض ہونے کے بعد پیش قدمی کر کے شاہراہ قراقرم تک پہنچ جائیں گے اور پاکستان کو دنیا کی اس عظیم شاہراہ پر قابض ہونے کے بعد چین سے کاٹ کر اپنا لوہا دنیا سے منوالیں گے جس کے بعد امریکہ یا کسی اور سپر پاور کو اس خطے میں سوائے بھارت کے اور کچھ دکھائی نہیں دے گا۔

اس خطے کے سارے وسائل ان کی دسترس میں ہوں گے---

جنوبی ایشیا کی سپر پاور وہ بن جائیں گے---

اور---اور---اور

ساری دنیا میں کسی کو اگلے سو سال تک بھارت کی طرف "اشوکا کی عظیم سلطنت" کی

طرف اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہیں ہوگی۔

"آل رائیٹ جنرل---گو آہیڈ" Go Ahead۔

مسز اندرا گاندھی نے آرمی چیف کی طرف دیکھا جس کا دل ایک مرتبہ تو دھک سے رہ گیا۔

لیکن---دوسرے ہی لمحے وہ سنبھل گیا۔

"او کے میڈم"---

اس نے اپنے دلی جذبات کا معمولی سا تاثر بھی اپنی آواز میں پیدا نہیں ہونے دیا تھا۔ دونوں کی طرف سے "او۔ کے سگنل" پر حاضرین نے تالیاں بجائیں تاکہ اپنی پرائم منسٹر کو یقین دلا سکیں کہ وہ اس فیصلے سے بہت خوش ہیں۔

"جنٹل مین---ناشتہ کرنے کے بعد آپ جا سکتے ہیں---اگلے پندرہ منٹ کے بعد ہم ناشتہ کریں گے۔"

مسز اندرا گاندھی نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اور---بڑی تمکنت سے رعونت اور مجسم فرعونیت بھارتی وزیر اعظم جس طرح بے کے قدموں سے یہاں آئی تھیں۔ اسی طرح نجلی دروازے سے واپس لوٹ گئیں---

ان کے باہر نکلتے ہی بوجھل دل اور آنکھوں والے آرمی چیف نے حاضرین سے نظریں ملائے بغیر باتھ روم کا رخ کیا۔

یہاں موجود تقریباً سب ہی لوگ اس سے پہلے بھی متعدد مرتبہ اس ہال میں آ چکے تھے۔ انہیں علم تھا کہ یہاں کے معمولات کیا ہیں!

جنرل چیمر کو بھارتی وزیر اعظم سے ملے پندرہ روز ہو رہے تھے اور ابھی تک بظاہر انہیں ہیڈ کوارٹر کی طرف سے کوئی خاص ہدایت نہیں ملی تھی۔ اصولی طور پر تو اسے مایوس ہو جانا چاہئے تھے۔

لیکن ---

جنرل چیمر پرامید تھا ---

اسے علم تھا کہ اس کے ملک کی وزیر اعظم بڑی مہم جو عورت ہے جسے تاریخ کے صفحات میں اپنا نام لکھوانے کا بھی بہت شوق تھا ضرور وہی کچھ کر گزرے گی جس کا اندازہ وہ خود بھی کبھی نہیں لگا سکتی۔

جنرل چیمر کی بھی یہی کمزوری تھی ---

وہ بھی نپولین بوناپارٹ اور جنرل ہیٹن کی طرح کا جرنیل مشہور ہونا چاہتا تھا اس روز جب انہیں ہیڈ کوارٹر کی طرف سے "سٹینڈ بائی" سگنل ملا تو بے اختیار وہ اچھل پڑا۔

"کرنل کمار --- Get Ready۔"

اس نے اپنے ہم خیال کرنل کمار سے کہا جو چند روز پہلے ہی ہیڈ کوارٹر سے واپس لوٹا تھا اور جس نے اس میٹنگ کا قطعاً کوئی ذکر بھی جنرل چیمر سے نہیں کیا تھا۔

"سر" ---

دونوں ایڑیاں بجاتے ہوئے کرنل کمار نے کہا۔

کماؤں رجمنٹ اور لداخ رجمنٹ کی دونوں بٹالین اگلے دس گھنٹوں میں یہاں جمع ہو چکی تھیں۔

ان دونوں بٹالین میں زیادہ تعداد ان جوانوں کی تھی جو ایک عرصے سے موئنٹین ڈویژن کا حصہ رہے تھے اور "نیفا" میں تعینات تھے۔

گذشتہ تین سال سے ان میں سے درجنوں باری باری "انٹارکٹکا" جا چکے تھے۔

ان میں وہ کمانڈوز بھی تھے جو روسی افواج کے کمانڈوز کے ساتھ سائبریا کے برفیلے میدانوں میں مہینوں تربیت حاصل کر چکے تھے۔ یہ سب بھارتی فوج کے مایہ ناز کمانڈوز شمار ہوتے تھے جنہیں ان کے افسران ایک عرصے سے اسی وقت کے لئے تیار کر رہے تھے ---!

اور ---

وہ وقت آ گیا تھا۔

شاید یہ آپریشن کچھ وقت کے لئے مزید ٹل جاتا لیکن بھارتی انٹیلی جنس کی طرف سے آرمی ہیڈ کوارٹرز کو ملنے والی اس انتہائی اہم رپورٹ نے بھارتی ہائی کمان کو چونکا کر رکھ دیا جس کے مطابق پاکستانی افواج کی دو کمپنیاں "سالتورو رینج" پر قبضہ کرنے کے لئے گلگت میں موجود ہیں جو جدید ہتھیاروں سے مسلح ہیں یہ لوگ سالتورو رینج پر مضبوطی سے قدم جمانے کے بعد دراصل لداخ کی طرف ایڈوانس کریں گے اور بھارتی مقبوضہ کشمیر میں اس اہم محاذ پر قابض ہو کر مقبوضہ کشمیر پر قبضے کی راہ ہموار کریں گے۔

یہ رپورٹ کہاں سے آئی تھی؟

بھارتی فوج کی ہائی کمان کو بھی اس کا "ذریعہ" بتانے سے انکار کر دیا گیا۔ انہیں بہت دیر بعد سمجھ آئی کہ اس رپورٹ کا ماخذ "را" کا شیطانی ذہن تھا جس کی طرف سے یہ خدشہ

ظاہر کیا جارہا تھا کہ عین ممکن ہے سیاچن میں مداخلت پر آرمی چیف کو اپنے ہم کاروں کی مکمل آشیر واد نہ مل سکے اور وہ لوگ "بادل نخواستہ" اس کام کو کرنے پر رضامند ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس طرح انہیں بد دلی سے کیے گئے اس حملے کے متوقع نتائج نہ مل سکیں گے۔

اسی لئے یہ "انتہائی کانفیڈنشل" لیکن جعلی رپورٹ بھارتی فوج کے ہیڈ کوارٹرز کو روانہ کی گئی تھی---

اس رپورٹ کی بنیاد پر بھارتی آرمی چیف کو اپنے ہمکاروں کو اپنی مرضی سے شامل کرنے کی آسانی میسر آ گئی---

O

بھارت کی ناردن کمانڈ کے ہیڈ آفس میں اپریل کی اس صبح آرمی ہیڈ کوارٹر کی طرف سے پیغام موصول ہوا۔

"آپریشن میگ ہوت Opration Magoot شروع کرو۔"

اس کے ساتھ ہی جی او سی لیفٹیننٹ جنرل چبر جو گذشتہ ایک ہفتہ سے بڑے جوش و خروش کے ساتھ کرنل کمار کی کمانڈ میں کماؤں رجمنٹ اور لداخ سکاؤٹس کی مختلف پلٹنوں کو حملہ کی ریہرسل کرتے دیکھا کرتے تھے کچھ دیر کے لئے گڑبڑا گیا۔

اس کے امتحان کا وقت آ گیا تھا۔

اس نے اپنے افسران کے سامنے بڑی بڑی بڑھا کی تھی، انہیں بتایا تھا کہ وہ بھارتی فوج کے ماتھے پر 1962ء میں چین کی لڑائی میں سیاچن کے مشرق میں واقعہ پہاڑی سلسلہ "اکسائی چن Aksai Chin" کو گنوانے کا داغ دھو ڈالیں گے۔

لیکن---

اب وہ اچانک سوچ میں پڑ گیا تھا کہ کہیں یہاں بھی "اکسائی چن" کی تاریخ نہ دہرائی

جائے۔ "اکسائی چن" وہ 62ء کی جنگ میں چین کے حوالے کر چکے تھے۔

اگلے ہی روز 78ء سے اب تک سیاچن میں بھارتی فوجیوں کے مختلف گروپوں کو لے کر مختلف اوقات میں "ریکی" کرنے والے لیفٹیننٹ کرنل نریندر بل کمار نے اسے کسی بات پر کہا تھا۔

"جنرل---انٹارکٹکا تو سیاچن کے مقابلے میں پکنک پوائنٹ ہے۔"

جنرل چبر کو نجانے کیوں رہ رہ کر خیال آ رہا تھا کہ اس نے کہیں گذشتہ تین چار سال سے "سیاچن" پر قبضہ کا جو تھیسس بنا رکھا ہے جس کو تحریری شکل میں اپنے ہیڈ کوارٹر کو بھیج دیا گیا ہے اس کی ساری پیشہ وارانہ زندگی کا کباڑہ ہی نہ کر کے رکھ دے۔

"Anyway"

اس نے اپنے کندھے اچکاتے ہوئے خود سے کہا۔

اور---اگلے ہی لمحے وہ کرنل کمار کے ساتھ انتظامات کا جائزہ لے رہا تھا۔ انہیں آج شام کو "آپریشن میگھوت" کا آغاز کرنا تھا۔

O

جی او سی کا حکم ملتے ہی بھارتی ایوی ایشن حرکت میں آ گئی تھی۔

62ء میں چین کے ساتھ لڑائی کے دوران "نیفا فرنٹ" پر مار کھانے سے بھارتیوں نے بڑا سبق سیکھا تھا۔ انہوں نے برفانی علاقوں اور اونچے برفیلے پہاڑوں پر بھی فوج کو لڑائی کی خصوصی تربیت دینا شروع کر دی تھی۔

بھارتی جانتے تھے پاکستانیوں کو اس نوعیت کی جنگ لڑنے کی تربیت یا تجربہ حاصل نہیں ہے اس لئے وہ ضرور میدان مار لیں گے۔

نقل و حمل کے لئے بھارتیوں کے پاس دنیا کے بہترین ہیلی کاپٹر فرانس کے "لاما" Lama ہیلی کاپٹر جنہیں بھارت "چیتا ہیلی کاپٹر" کے نام سے اپنے ملک میں بنا

رہا تھا موجود تھے۔ بھاری سامان حرب و ضرب اور زیادہ تعداد میں فوجیوں کو محاذ جنگ تک پہنچانے کے لئے بھارتی فوج کے پاس روس کے "ایم آئی۔ 17" اور "ایم آئی۔ 26" بڑی تعداد میں موجود تھے۔

"ایم آئی۔ 26" ہیلی کاپٹر بیک وقت سامان حرب و ضرب سے لیس 85 جوانوں کے ساتھ پندرہ ہزار فٹ کی بلندی پر آسانی سے پرواز کر سکتا ہے۔

اس آپریشن کے لئے "چیتا" ایم آئی 17 اور ایم آئی 26 ہیلی کاپٹروں کو بڑی تعداد میں اگلے ہی روز ناردرن کمانڈ کے ہیڈ کوارٹر میں پہنچا دیا گیا تھا جہاں سے اب کرنل کمار کی کمانڈ میں کماؤں رجمنٹ کی ایک بہترین تربیت یافتہ بٹالین اور لداخ سکاؤٹ کی ایک بہترین بٹالین ناردرن پاس پر سیاچن میں اتار دی گئی جبکہ ایک ایک پلٹن کو الگ سے "بلا فاؤنڈ لا" اور "سیالا" میں اتار دیا گیا۔

یہ دونوں سٹرٹیجک لحاظ سے اہم ترین درے "سالتورو رینج" پر سیاچن کے مغرب میں موجود ہیں۔

ان دونوں دروں تک رسائی سیاچن کے صرف مغربی سمت ہی سے ممکن ہے۔

"سیالا" سطح سمندر سے اٹھارہ ہزار تین سو فٹ کی بلندی پر واقع ہے اور اس تک "دم سم" سے براستہ کندوس گلیشیر تک پہنچا جا سکتا تھا۔

سیالا کے دونوں پہلو بائیس ہزار سے ساڑھے چوبیس ہزار فٹ اونچی چوٹیوں سے ڈھکے تھے۔ اس طرح بھارتیوں نے اپنی دانست میں یہاں ناقابل تسخیر پوسٹ قائم کر لی تھی۔

سیاچن گلیشیر کی طرف سے تولوفون گلیشیر اور مغربی جانب سے بلافون گلیشیر درہ سالتورو پر آپس میں ملتے ہیں۔ اس درے کے دونوں جانب کوہ سالتورو شمالاً جنوباً پھیلتا چلا گیا ہے جس کی اونچائی اٹھارہ ہزار دو سو فٹ ہے۔

کندوس گلیشیر کے مقابلے میں بلافون گلیشیر کی سطح زیادہ دشوار گزار ہے۔ اس درے

کے شمال مغرب میں سالتورو گنگ ری Soltoro Gangri کی اونچائی قریباً ساڑھے چوبیس ہزار فٹ اور چھوٹک چوٹی بائیس ہزار فٹ سے زیادہ بلندی پر واقع ہے۔

درے کے جنوب مغرب میں بلافون گلیشیر کے دہانے کے نزدیک چھوٹک گلیشیر مشرق کی جانب سالتورو پہاڑ سے جا ملتا ہے۔ اس درے کے مشرقی کنارے پر سالتورو پہاڑی سلسلے کی بائیس ہزار فٹ سے زیادہ بلند اونچی چوٹی موجود ہے۔

گیانگ لا میں انتہائی مشکلات کے پیش نظر بھارتیوں نے اس طرف آنا مناسب نہیں سمجھا تھا کیونکہ یہاں سے سیاچن گلیشیر کے جنوب مشرقی دہانے پر واقع "زنگ رولما" کی بھارتی فیلڈ ہیڈ کوارٹر کا فاصلہ بمشکل سات یا آٹھ کلو میٹر تھا۔

بھارتی یہاں سے ہونے والی کسی بھی پیش قدمی کو بآسانی روک سکتے تھے۔

○

گورجیت سنگھ کا بس نہیں چلتا تھا کہ اپنے ہیڈ باورچی دھن بہادر کا ٹینٹوا دبا دے گزشتہ تین ماہ سے وہ دھن بہادر کی منت سماجت کر تا آرہا تھا کہ اسے ایک ہفتہ کی چھٹی دے کر گاؤں جانے کی اجازت دے۔

لیکن ---

دھن بہادر اسے مسلسل اگلے ہفتے پر ٹرخا رہا تھا۔

گورجیت سنگھ نے زندگی کے کچھ اچھے دن ہانگ کانگ میں گزارے تھے جہاں سے اس نے کانٹی نینٹل کھانے پکانے کی عملی تربیت حاصل کرنے کے بعد ایک عرصہ وہیں ایک فائیو سٹار ہوٹل میں نوکری کی تھی۔

اس ہوٹل میں بھی اس کا شمار جلد ہی اچھے باورچیوں میں ہونے لگا تھا اور وہ ہوٹل کے کچن کی ضرورت بن چکا تھا۔

گورجیت سنگھ نے ہانگ کانگ پہنچنے کے فوراً بعد ہی اپنے لمبے لمبے گیسوؤں سے نجات

حاصل کر لی تھی۔ کافی عرصہ تک اس نے اپنی شیو بھی صاف رکھی لیکن پھر نجانے کیوں چھوٹی چھوٹی ڈاڑھی دوبارہ رکھ لی تھی۔

اگر اس کے نام کے ساتھ سنگھ کا لفظ نہ ہوتا تو کوئی اسے سکھ ماننے پر تیار نہیں تھا۔

برا ہو اس کے بہنوئی آتما سنگھ کا جس نے ایک روز دشمنی میں اپنے گاؤں میں قتل کر دیا اور گورجیت سنگھ کو واپس بھارت جانا پڑا۔

بہنوئی کے جیل جانے سے پاروندر کور اکیلی رہ گئی تھی۔ گورجیت اور گوروندر کور کی کڑمائی ہوئے دو سال ہونے کو آئے تھے اور وہ جب کبھی تین چار ماہ بعد آٹھ دس دن کے لئے گھر آتا تو والدین کو اگلے پھیرے پر شادی کا جھانسہ دے کر نکل جاتا۔

لیکن ---

اس مرتبہ وہ بری طرح پھنس گیا۔

آتما سنگھ کی ضمانت نہیں ہو رہی تھی۔ مخالف پارٹی مضبوط تھی۔ اس نے گورجیت سے ملاقات پر کہہ دیا تھا کہ اب کی بار وہ اکیلا ہانگ کانگ واپس نہ جائے اپنی بیوی کو ساتھ لے کر جائے۔

گورجیت نے بہت آئیں بائیں شائیں کی لیکن اس مرتبہ گھر والوں نے اس کی دال نہیں گلنے دی۔

اور --- اسے زبردستی بیاہ دیا۔

شادی سے تو ممکن ہے گورجیت سنگھ پہلے بھی انکار نہ کرتا لیکن اصل ڈر اسے شادی سے زیادہ "واہی بیجی" کا تھا۔

سکھ جٹ گھرانے میں جنم لینے کے باوجود اس نے کبھی دیہات کی زندگی پسند نہیں کی تھی جب کبھی کالج سے چھٹی ہونے پر اس کا باپ اسے ڈانٹ ڈپٹ کر کھیتوں میں ٹریکٹر چلانے کے لئے بھیجتا تو وہ بادل نخواستہ ہی جاتا اور ٹریکٹر پر بیٹھ کر اس نے کبھی اپنا پاؤں

زمین پر نہیں اتارا تھا۔

اس نے لڑکپن میں باپ اور بڑے بھائیوں سے کئی مرتبہ مار اور ماں سے گالیاں اسی مسئلے پر کھائی تھیں۔

لیکن --- کبھی دل سے وہ کھیتی باڑی کی طرف متوجہ نہ ہو سکا۔

خاندانی روایات کے مطابق بی اے کے سال اول ہی میں اس کی کڑمائی گاؤں ہی کے ایک اور جاٹ گھرانے میں کر دی گئی۔ اس گھرانے میں اس کے دو بھائی پہلے بھی بیاہے ہوئے تھے۔

گورجیت سنگھ کو یقین ہو چلا تھا کہ اب اس کی جان مشکل ہی سے چھوٹے گی کیونکہ بی اے کرتے ہی گھر والے اس کی شادی کر دیں گے۔ جس کے بعد اس کے پاس دو آپشن رہ جائیں گے کہ یا تو وہ اپنا آبائی پیشہ اختیار کرے یا پھر فوج اور پولیس میں نوکری کرے جہاں اس کے خاندان کے اکثر لوگ پہلے ہی سے موجود تھے اور وہ کھینچ تان کر اسے ضرور کسی نہ کسی پیرا ملٹری فورسز میں ملازمت دلا ہی دیتے۔

گورجیت سنگھ کی ان سب باتوں سے جان جاتی تھی ---

اس نے جٹ گھرانے میں جنم لینے کے باوجود براہمنوں جیسا مزاج پایا تھا۔ وہ تو غیر ممالک کے خواب دیکھ رہا تھا اور اس سے اس خواب کو بھی بہت حقیقت کا روپ مل گیا جب اس نے ہانگ کانگ کے ایک انسٹی ٹیوشن میں ہوٹل مینجمنٹ کورس میں داخلہ لے لیا ---

دراصل اس نے ہوٹل مینجمنٹ کا تو بہانہ کیا تھا اس نے داخلہ ہی "ٹھگ کورس" میں لیا تھا۔

اور --- خدا خدا کر کے بالآخر اس کے گھر والے اس شرط پر مانے تھے کہ وہ اپنے ولیتی سے باہر نوکری نہیں کرے گا۔

گورجیت سنگھ نے فوراً حامی بھر لی تھی۔ اس نے سوچا فی الوقت گھر والوں کی ہاں میں ہاں

ملنا ہی اس کے لئے بہتر تھا۔

ایک روز وہ ایئر انڈیا کے جہاز میں بیٹھ کر ہانگ کانگ پہنچ بھی گیا جہاں اس کے خواب حقیقت بنتے دکھائی دے رہے تھے۔

یہاں اس کے لئے سب کچھ موجود تھا اور اس نے یہاں زندگی کی محرومیوں کو چند مہینوں ہی میں ختم کر دیا تھا۔

ساری زندگی اس نے چولہے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔

لیکن واہے گورو کی کرپا سے نجانے کہاں اس کے ہاتھوں میں ایسی تاثیر آ گئی کہ جو کھانا وہ بناتا کھانے والے انگلیاں ہی چاٹتے رہ جاتے۔

اپنے اسی فن کے بل بوتے پر وہ بالآخر شیرٹن ہوٹل تک پہنچ گیا جہاں اب وہ اچھی خاصی تنخواہ اور مراعات کے ساتھ شاندار زندگی گذار رہا تھا کہ بیٹھے بٹھائے یہ مصیبت گلے آن پڑی۔

اس نے گھر والوں کی ضد کے سامنے ایک شرط پر ہتھیار پھینکے تھے کہ وہ گاؤں میں نہیں رہے گا۔ دہلی میں رہے گا اور وہاں اپنی مرضی کی نوکری کرے گا۔

شاید اس کا باپو تو یہ شرط نہ مانتا لیکن گورجیت سنگھ کی سسر کی منت سماجت پر اسے ہتھیار پھینکنے ہی پڑے۔

یوں بھی اس کے بیٹوں نے اب بھائی کی حمایت کرنا شروع کر دی تھی اور اس کے لئے یہی کافی تھا کہ کم از کم گورجیت سنگھ بھارت سے باہر نہیں جا رہا۔ کیونکہ اسے خطرہ پیدا ہو چلا تھا کہ ایک مرتبہ اب وہ دوبارہ ہانگ کانگ گیا تو کبھی واپس نہیں لوٹے گا۔

O

گورجیت سنگھ نے شادی کے بعد اپنی بیوی سمیت ہانگ کانگ کا چکر لگایا اور اپنے مینیجر سے دہلی کے ہوٹل شیراٹن کے لئے سفارشی رقعہ لے کر آ گیا کیونکہ اس کا شمار اچھے

باورچیوں میں ہونے لگا تھا اس لئے اس کی سفارش کرنے میں مینیجر نے کسی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔

دہلی کے ہوٹل شیراٹن --- تاج محل اور پھر تاج محل سے پرائم منسٹر ہاؤس تک اس کا سفر اگلے تین سال میں طے ہو گیا۔

دھن بہادر جو پرائم منسٹر ہاؤس کا ہیڈ باورچی تھا ایک روز کسی اچھا کھانا پکانے والے کی تلاش میں جس کی ضرورت اسے شدت سے آن پڑی تھی تاج محل میں اپنے ایک پرانے دوست کے پاس آیا تھا جس نے فوراً ہی گورجیت سنگھ کا نام لے کر اس کا تعارف بھی کروا دیا۔

وزیر اعظم ہاؤس کی نوکری سے ناں کرنا گورجیت سنگھ کے نزدیک کفران نعمت کے مترادف تھا کیونکہ یہاں اسے تنخواہ معمول سے دگنی اور بہت سی ایسی مراعات بھی حاصل ہو جاتیں جن کے بعد وہ کم از کم دہلی کی ترلوک پوری سے ضرور نجات حاصل کر سکتا تھا۔

اور ------ ایسا ہی ہوا۔

اسے پرائم منسٹر ہاؤس کے سرونٹ ایریا میں ایک شاندار لگژری فلیٹ رہنے کے لئے مل گیا۔

گورجیت سنگھ اگلے تین چار روز بعد اپنی بیوی اور ایک بچے سمیت یہاں منتقل ہو گیا۔
اس نے دہلی کی پسماندہ بستی ترلوک پوری میں اپنا مکان کرائے پر چڑھا دیا تھا اور اب یہاں خوشی کی زندگی بسر کر رہا تھا۔

اسے اپنے گاؤں سے اگر اب تک کوئی دلچسپی تھی تو اس کی وجہ سوائے اس کی ماں اور سسرال کے اور کچھ نہیں تھا۔

یہی دلچسپیاں اسے دو تین مہینے بعد ایک دو دن کے لئے امرتسر لے جایا کرتی تھیں۔

بصورت دیگر اسے اپنے آبائی مسکن سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اس نے تو بہت کوشش کی تھی کہ اس کا باپ بھی زمین اور گھربار فروخت کر کے دہلی آجائے جہاں وہ آسانی سے اپنے دونوں بھائیوں کے لئے اچھی ملازمت کا بندوبست کر سکتا تھا۔

لیکن ---اس کے باپ نے اس کی اس تجویز کا جواب ہمیشہ گالیوں کی صورت میں اسے دیا تھا کیونکہ اس کے نزدیک زمین ماں کا درجہ رکھتی تھی اور وہ زمین فروخت کرنا اپنی ماں کو بیچنے کے مترادف سمجھتا تھا۔

"اچھا باپو جی جیسے آپ کی مرضی۔ کبھی آپ کو میری یہ باتیں بہت یاد آئیں گی۔"

وہ بالآخر اپنے باپ کو یہی بات کہہ کر خاموشی اختیار کر لیا کرتا۔

دو تین مرتبہ اس نے ماں کو زبردستی یہاں لا کر رکھا تھا--- لیکن حیرت انگیز طور پر دو تین روز بعد ہی اس کی ماں کی طبیعت اچاٹ ہونے لگی--- کبھی اسے گورجیت کے باپو کے کھانے پینے کی فکر لگ جاتی اور کبھی اپنے گھر میں موجود گائے کی---

اب تو گورجیت نے ہار مان لی تھی---اور انہیں کچھ کہنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

O

پرائم منسٹر ہاؤس میں نوکری کرتے اسے اب ایک سال ہونے کو آیا تھا اور اس کی شادی کو تین سال ہو رہے تھے جب اچانک اسے دوبارہ غیر ملکی یاترا کا دورہ پڑا۔ شاید اس کے لاشعور میں چنگاریاں دبی ہی رہتیں لیکن برا ہو بھارتی پرائم منسٹر کا جو اسے اپنے غیر ملکی دورے پر لندن لے گئی---

دشمن بہادر نے اس کا انتخاب اس لئے کیا تھا کہ پرائم منسٹر کو اس کے ہاتھ کا پکا کھانا بہت پسند تھا اور غیر ممالک میں بھی وہ عموماً ایک آدھ باورچی ضرور ساتھ رکھا کرتی تھیں۔

لندن پہنچ کر گورجیت کا دل تو یہی چاہا کہ وہ یہیں رہ جائے لیکن برا ہو سیکورٹی والوں کا جو سائے کی طرح اس سے چپٹے رہے۔ جب وہ اپنے ایک دور پار کے رشتہ دار سے ملنے

لندن کے علاقے آل گیٹ گیا تو بھی سکاٹ لینڈ یارڈ والے حفاظت کے لئے اس کے ساتھ تھے۔ بادل نخواستہ وہ بھارت واپس تو آگیا۔

لیکن---

اپنا دل وہیں لندن میں چھوڑ آیا۔ اب اس کی زندگی کا ایک ہی مقصد رہ گیا تھا کہ وہ جتنی جلدی ممکن ہو باہر چلا جائے لیکن بظاہر اس کی کوئی صورت دکھائی نہیں پڑتی تھی۔

اس روز بھی وہ یہی خواب لئے کناٹ پیلس کے اس ہوٹل میں بیٹھا تھا جب اس کے سامنے بیٹھے نوجوان نے ایک دو مرتبہ عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا پھر وہ اچانک اس کی طرف آگیا۔

"معاف کیجئے---اگر میں بھول نہیں رہا تو ہم شاید کہیں مل چکے ہیں۔"

اس نے بڑے مہذب لہجے میں امریکن لہجے والی انگریزی میں کہا۔

گورجیت سنگھ گو کہ اس کی طرح تو نہیں البتہ انگریزی اچھی طرح بول سکتا تھا۔

اس کے لئے سب سے زیادہ اہم بات یہ تھی کہ اس نوجوان کی بات کرنے کا انداز اس کے غیر ملکی ہونے کی چغلی کھا رہا تھا اور یہ اس کے کام کا بندہ ہو سکتا تھا۔ اس نے فوراً ہی یہ جان لیا کہ ضرور وہ اس سے مل چکا ہے۔

"تشریف رکھئے۔"

گورجیت نے مہذب لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے اپنے سامنے والی کرسی پر بیٹھنے کی دعوت دی۔

"میں اصل میں ہوٹل لابی سے تعلق رکھتا ہوں ممکن ہے ہم پہلے مل چکے ہوں۔"

نوجوان کے بیٹھنے پر اس نے بہت مہذب لہجے میں کہا۔

"آپ کہیں ہانگ کانگ میں بھی رہے ہیں۔"

نوجوان نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں۔ آج سے تین سال پہلے کی بات ہے۔"

گورجیت نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

اوہ---ویل--- میرا نام پرموو ہے اور آپ شاید گورجیت ہیں---"

نوجوان نے اچانک ہی اس کی طرف مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔

گورجیت حیرانگی اور خوشی سے ملے جلے تاثرات سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

پرموو کی آخری بات نے یہ تو ثابت کر دیا تھا کہ وہ گورجیت کو پہلے سے جانتا ہے۔ لیکن---

گورجیت سنگھ کو ابھی تک یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے پرموو کو ہانگ کانگ میں کہاں دیکھا تھا۔ بہر حال اس نے دماغ پر زیادہ زور دینا مناسب نہ جانا۔ اسے سینکڑوں لوگ زندگی میں ملے اور چلے گئے یقیناً پرموو بھی ان میں سے ایک تھا۔

"میں ہوٹل شیراٹن میں کچھ دن ٹھہرا۔ اگر میں بھول نہیں رہا تو ضرور ہم وہیں ملے تھے۔ دراصل میں بھی پنجابی ہوں اور اس حوالے سے دنیا میں جہاں کہیں کوئی ہم زبان مل جائے میں اس سے فری ہو جاتا ہوں۔---"

پرموو اس طرح یقین اور اعتماد سے بات کر رہا تھا کہ گورجیت سنگھ تو کیا دنیا کا کوئی شخص ہی اگر اس سے نہ ملا ہوتا تو ضرور اس کی بات کو سچ مانتا---

اب آپ کہاں رہتے ہیں؟"

"سٹیٹس States"

اس نے چھٹتے ہی جواب دیا۔

گورجیت ابھی تک استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"کیلے فورنیا--- بے ایریا میں میرے فادر کی ہوٹلوں کی ایک چین ہے---

بس اپنے "ڈھابے" ہی سمجھ لیجئے--- سالے گورے پکوڑے اور سموسے کھا کر ہی

مست ہو جاتے ہیں---اور ہم نے پکوڑے بیچ بیچ کر کیلے فورنیا کے پانچ شہروں میں پانچ ڈھابے بنا لئے ہیں---"

اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

ویل ڈن---

بے اختیار گورجیت کے منہ سے نکلا۔

"آج کل ادھر آیا ہوا ہوں---سالا اپنا کوئی رشتہ دار تو یہاں رہا نہیں۔ بس میں ہوں چلا آتا ہوں کبھی کبھی---کچھ بزنس کے معاملات تھے۔ تین سال بعد آیا ہوں۔" اس نے گورجیت کے آرڈر پر منگوائی کافی کا گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

"مہاراج آپ مجھے اپنا بہترین دوست پائیں گے۔"

گورجیت کی بتیسی باہر نکل پڑی۔

اندھے کو جیسے دو آنکھیں مل گئیں۔

پرموو اسے پہلے سے جانتا تھا امریکن تھا۔ امریکہ میں اس کے باپ کے تین چار بھارتی ریسٹورنٹ تھے۔

اور اس نے کیا لینا تھا۔

"واہے گورو تیری کرپا ہے لگتا ہے میری سنی ہی گئی۔"

اس نے دل ہی دل میں کہا۔

"اوہ کیوں نہیں--- بھئی میں تو تجھے ایک مرتبہ مل لوں اسے بھولتا نہیں--- مجھے یاد ہے وہاں ہانگ کانگ میں بھی تم نے مجھے خاص طور سے دال سبزی بنا کر کھلائی تھی---یہاں بھی ظاہر ہے یہی کام کرتے ہو گے---اوہو---یار میں اپنا ہی تعارف کروائے جا رہا ہوں ویسے بائی دی وے By the way تم کرتے کیا ہو؟ کہاں ہو آج کل؟---"

پرمود نے اس سے بے تکلفی سے پوچھ لیا۔

"میں آجکل پرائم منسٹر ہاؤس میں کک (باورچی) کی جاب کر رہا ہوں۔"

گورجیت نے جواب دیا۔

"واہ بھئی واہ--- پھر تو ڈرنا ہی چاہئے--- ہم جیسے چھوٹے لوگوں کو--- ظاہر ہے اب تو پرائم منسٹر تمہارے ہاتھ کا کھانا کھاتی ہوں گی۔"

پرمود نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں مہاراج--- یہی بات تو یہ ہے کہ میرا من یہاں نہیں لگتا۔ مجھے تو آج بھی رہ رہ کر اپنا وہی ہانگ کانگ والا دور یاد آتا ہے۔"

گورجیت نے بددلی سے کہا۔

"واقعی---"

پرمود نے بظاہر حیرانگی سے پوچھا۔

"ہوں"

گورجیت نے مختصر سا جواب دیا۔

"یقین نہیں آتا--- خیر--- دیکھیں گے۔ اب یہ بتاؤ کہ اپنے ہاتھوں کی پکی سبزی دال کب کھلا رہے ہو---"

پرمود نے اچانک ہی کہا۔

"آج ہی--- سنڈے ہے۔ میری آف ہے۔ شام کو گھر آئیے ناں۔"

گورجیت نے اس کے جواب میں دعوت دے ڈالی۔

اور---

پرمود نے یوں اس کی دعوت قبول کی جیسے وہ امریکہ سے بھارت آیا ہی اس لئے تھا کہ گورجیت کے ہاتھ کی پکی ہوئی دال سبزی کھائے۔

دونوں کافی دیر ادھر ادھر کی مارتے رہے--- اس دوران پرمود نے گورجیت کو اس کی مرضی کے تمام سبز باغ دکھا دیئے تھے۔

جب دونوں شام گئے الگ ہوئے تو گورجیت کو یقین ہو چلا تھا کہ اب دنیا کی کوئی طاقت اسے امریکہ جانے سے نہیں روک سکتی۔ اس نے دل ہی دل میں ابھی سے روانگی کے لئے پیش آئندہ مشکلات پر غور کرنا شروع کر دیا تھا اور ان کا ممکنہ حل بھی سوچ لیا تھا۔

وہ جانتا تھا کہ اگر اس کے ارادے کی بھنک بھی کسی کے کان میں پڑ گئی تو انٹیلی جنس والے اس کی جان کو آ جائیں گے۔

یہ بات بھی دراصل اسے پرمود نے ہی سمجھائی تھی۔ اس نے وعدہ کیا تھا کہ اگلے دو ماہ کے اندر اندر اس کا ورک پرمٹ منگوا کر اسے چپ چاپ امریکہ روانہ کر دے گا۔

اس نے گورجیت سے کہا تھا کہ اسے ابھی بھارت ڈھائی تین ماہ قیام کرنا ہے کیونکہ شملہ میں ان کا ایک ہوٹل اور کوٹھی موجود ہے اور وہ اسے فروخت کرنے کے بعد ہی امریکہ جائے گا۔

"اپنے ارادے کی بھنک بھی کسی کو نہ پڑنے دینا میں تو کہتا ہوں ابھی بھابی سے بھی بات نہ کرنا۔ عورتیں بات سنبھال کر نہیں رکھتیں۔ کہیں یہ بات تمہارے گھر سے باہر نکل گئی تو سالے سیکورٹی والے تمہارے پیچھے لگ جائیں گے کیونکہ تم ایک اچھے باورچی ہو جسے وہ اتنی آسانی سے بھاگنے نہیں دیں گے--"

پرمود نے بڑی رازداری سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تھا۔

"آپ بے فکر رہیں ویرجی-- جیسے آپ کہیں گے ویسے ہی کروں گا"--

اس نے پرمود کی ہاں میں ہاں ملائی۔

تھوڑی دیر بعد دونوں الگ الگ ہو گئے۔ گورجیت نے امریکہ جانے کے جوش میں پرمود سے یہ تک نہیں پوچھا تھا کہ وہ دہلی میں رہتا کہاں ہے؟

اگلے روز ایک اذیت ناک انتظار کے بعد پرمود نے اسے اپنی شکل دکھا ہی دی۔ ان لمحات میں جب گورجیت مایوس ہو چلا تھا۔ پرمود اپنے فلیٹ کی طرف آتا دکھائی دیا۔ گورجیت قریباً بھاگتا ہوا اس کے استقبال کو گیا تھا۔

پرمود نے اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی بڑے زور اور گرم جوشی سے "فتح بلائی" اور اس سے یوں بڑھ کر بغل گیر ہوا جیسے دونوں جنم جنم سے ایک دوسرے کے ساتھ رہے ہیں۔

"شما کرنا ویرجی -- مجھے دراصل دیر کسی اور نے نہیں اس سالے موٹر والے نے کروائی ہے۔ اس کی گاڑی ہوٹل سے نکلنے کے تھوڑی دیر بعد ہی خراب ہو گئی اور ٹھیک ہونے میں دو گھنٹے لگ گئے۔ جب بھی میں نے اسے جانے کے لئے کہا اس نے منت سماجت کر کے مجھے روک لیا۔"

پرمود نے اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی میدان صاف کر لیا۔

"ویرجی کوئی بات نہیں۔ مجھے علم ہے یہ سالے انڈیا کے ٹیکسی کار والے ہوتے ہی ایسے ہیں۔"

اس نے گھر میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

گھر پر گورجیت نے پرمود کا تعارف پہلے ہی سے اپنے ایک بے تکلف دوست کی حیثیت سے کروایا ہوا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو بتایا تھا کہ پرمود اس کے ساتھ ہانگ کانگ میں کام کیا کرتا تھا اور دونوں ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اب وہ امریکہ میں رہتا ہے جبکہ گورجیت یہاں بھارت میں دھکے کھا رہا ہے --- اس نے بطور خاص پرمود کے لئے اپنے ہاتھ سے کھانا تیار کیا تھا۔ پرمود کی زبان میں جانے کیا جادو تھا کہ گورجیت سے زیادہ اب گوروندر کور اس کی گرویدہ ہو رہی تھی۔

اس نے اپنی چرب زبانی سے گوروندر کور کو مستقل متوجہ کئے رکھا۔ گورجیت کی بیٹی پنی تو اس سے الگ ہی نہیں ہوتی تھی۔

رات دیر گئے گورجیت اسے اپنی موٹر سائیکل پر ہوٹل تاج محل تک چھوڑ کر آیا۔ پرمود نے اسے بتایا تھا کہ وہ یہاں رہتا ہے۔ البتہ اپنا کمرہ نمبر نہیں بتایا تھا۔

یار میں آج کل میں یہاں سے "چیک آؤٹ" کر جاؤں گا۔ سالے اونچی دکان پھیکا پکوان --- کوئی اور اچھا ہوٹل دیکھ رہا ہوں۔"

دونوں نے اگلے روز شام گئے کناٹ پیلس کے اس ہوٹل میں ملنے کا وعدہ کیا تھا جہاں ان کی پہلی ملاقات ہوئی تھی۔

پرمود نے اسے کہا تھا کہ وہ آتے سے اپنا پاسپورٹ بھی چپکے سے لے آئے لیکن اپنی بیوی کو بھی اس بات کا پتہ نہ چلنے دے۔

اور ---

گورجیت سنگھ نے ایسا ہی کیا۔

وہ اپنا پاسپورٹ ساتھ لے کر پرمود سے ملنے چلا گیا۔ یہ پاسپورٹ اس نے جان سے لگا کر رکھا ہوا تھا اس کی بیوی کو بھی اس بات کی کانوں کان خبر نہ ہونے پائی۔

اس مرتبہ پرمود اس سے ملا تو اس نے چھوٹتے ہی کہا کہ اب وہ "شیرٹن" ہوٹل میں آ گیا ہے۔ اس نے اپنا کمرہ نمبر بھی گورجیت کو بتایا اور اپنا فون نمبر بھی دے دیا۔

گورجیت کے ناں ناں کرنے کے باوجود آج کھانے کا بل پرمود نے ادا کیا تھا۔

اس نے دم رخصت گورجیت کو گرم جوشی سے الوداع کہا اور اسے بتایا تھا کہ اگلے تین چار روز میں وہ گورجیت کو اچھی خبر سنائے گا۔

○

اگلے تین روز گورجیت نے انتظار کی سولی پر لٹک کر بتائے۔

تیسرے روز شام کو اچانک ہی پرمود کا فون آ گیا۔ ابھی تک گورجیت نے اسے اس لئے فون نہیں کیا تھا کہ پرمود یہ نہ سوچنے لگے کہ وہ اس سے صرف امریکہ کے ویزے کے

لئے ہی دوستی کر رہا ہے۔

پرمود نے اس کا حال چال دریافت کرنے کے بعد اگلے روز اتوار کی چھٹی کی وجہ سے اسے دوپہر کے بعد اسی جگہ ملنے کے لئے کہا تھا۔ اور اس کے علاوہ اس نے فون پر اور کوئی بات نہیں کی تھی۔

وقت مقررہ پر وہ پہنچ گیا--

اس مرتبہ پرمود ہوٹل کے باہر ہی اس کا منتظر تھا۔

"یار آج کہیں اور چلتے ہیں۔"

اس نے بے تکلفی سے گورجیت کے کندھے دباتے ہوئے کہا۔

"کہاں"

گورجیت نے موٹر سائیکل کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"کہیں بھی چلو انڈیا گیٹ کی طرف چلیں۔ ہمیں تو کبھی کبھی یہ جگہیں دیکھنے کا موقعہ ملتا ہے۔ جانے اب جا کر پھر بھارت واپس بھی آنا ہوگا یا نہیں--"

پرمود نے کہا۔

اور---دونوں گورجیت کی موٹر سائیکل پر انڈیا گیٹ کی طرف چل دیے۔ انڈیا گیٹ پہنچ کر انہوں نے ایک قدرے محفوظ کنج تلاش کر لیا اور چائے کا آرڈر دے کر وہیں بیٹھ گئے۔

"آج کل بڑی سختی چل رہی ہے۔ ایسی بات نہیں کہ تمہارا کام نہ ہو--- لیکن میری خواہش تھی کہ میں اپنی موجودگی میں ہی تمہارا کام مکمل کروا جاؤں۔ تم جب چاہو اگلے تین ماہ کے دوران امریکہ آ جاؤ--"

پرمود نے اس کی بیوی اور بچی سمیت خیریت دریافت کرنے بعد کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا مسئلہ ہے۔"

گورجیت کچھ گھبرا سا گیا۔

"یار مسئلہ کوئی نہیں، اگر ہم قانونی طریقے سے چلیں تو ایک سے تین ماہ کا عرصہ لگتا ہے۔ لیکن اگر تم ذرا ہمت کرو تو اگلے ایک ڈیڑھ ماہ ہی میں تمہارا ویزہ لگ جائے گا---"

پرمود نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"وہ کیسے--- میں تیار ہوں۔ تم جو بھی کہو میں تیار ہوں۔"

اس کی بے تابی دیکھی نہیں جاتی تھی۔

دیکھو گورجیت یہاں--- یہ دنیا مطلب کی یار ہے یہاں کا اصول ہے اس ہاتھ دے اور اس ہاتھ لے--- میرے باپ کا ایک ملنے والا یہاں امریکن قونصلیٹ میں ویزہ افسر لگا ہوا ہے۔ میں نے اس سے تمہارے متعلق بات کی تھی کہ تمہاری باری ذرا جلدی لگوا دے کیونکہ باقی تمام ضروریات میں پوری کروں گا۔ آج کل میرے فادر کی طرف سے تمہارے لئے لیٹر اور گارنٹی وغیرہ بھی آ جائے گی--- وہ سالا کسی طرح مانتا ہی نہیں۔ لیکن پھر اچانک ہی اس نے مجھ سے ایک کام کہہ دیا۔ اس کا کہنا ہے کہ اگر تم یہ کام کرتے رہو تو وہ اگلے تین ماہ کے اندر تمہارا ورک پرمٹ بھی بنوا دیں گے--- اس طرح تم گرین کارڈ کے اہل ہو گے اور اپنی بیوی اور بچی سمیت آسانی سے امریکہ جا سکو گے جہاں تمہارا یہ بھائی تمہارے لئے باقی تمام بندوبست کر دے گا۔"

پرمود نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کیا کام ہے وہ"

گورجیت سنگھ نے بڑے اشتیاق سے پوچھا۔

"مجھے تو خود سمجھ نہیں آتی لیکن اس نے بتایا ہے کہ جو بھی مہمان پرائم منسٹر کے ساتھ میٹنگ پر آتے ہیں ان کی فہرست تمہارے پاس کچن میں بھی آتی ہے کہ ان کے پسندیدہ کھانے کیا ہیں تاکہ ان کی مرضی کے مطابق کھانے تیار کئے جا سکیں۔ کیا ایسا ہوتا ہے۔"

پرموو نے بظاہر بڑے ہی معصومانہ انداز سے اس طرح یہ بات پوچھی تھی جیسے واقعی اسے کسی بات سے کچھ لینا دینا نہ ہو۔

"ہاں جب بھی کوئی خصوصی کانفرنس وغیرہ ہوتی ہے یا کوئی غیر ملکی وفد آئے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔"

گورجیت سنگھ نے جواب دیا۔

"دراصل مجھے تو یار سمجھ نہیں آئی وہ گورا کہہ رہا تھا کہ تم صرف یہ کرو کہ ایسے مہمانوں کی فہرست انہیں پہنچا دیا کرو---"

پرموو نے اچانک ہی کہہ دیا۔

گورجیت کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے الجھن کے آثار دکھائی پڑے جس پر پرموو فوراً محتاط ہو گیا۔

"یار دراصل ان سالے سفارتکاروں کو یہ بڑا شوق ہوتا ہے کہ جس ملک میں وہ کام کریں وہاں کے بڑے لوگوں سے اچھی طرح آگاہ رہیں کہ آج بھارتی پرائم منسٹر سے کون ملا ہے---کل کون ملا تھا وغیرہ وغیرہ---میرا خیال ہے اس طرح یہ زیادہ باخبر ہو کر اپنی حکومت کے سامنے اپنے نمبر بناتے ہوں گے---اور کیا---یہ کون سے سالے ملٹری کے کاغذ ہیں جو تم نے چوری کر کے پہنچانے ہیں---"

پرموو نے کہا۔

اور---

گورجیت نے مان لیا۔

"ہاں یار مجھے کیا بھئی میں سارے نام دے دیا کروں گا۔"

گورجیت نے لاپروائی سے کہا۔

پرموو کو یقین ہو چلا تھا کہ اس کا واسطہ واقعی کسی مکمل گدھے سے پڑا ہے یا پھر اس نے

گورجیت کو واقعی اچھی طرح بے وقوف بنا لیا ہے۔

O

اس کے بعد گورجیت سے ہر تیسرے چوتھے روز اس کی ملاقات ہوتی اور وہ اسے وزیراعظم بھارت کے ساتھ ملنے والے ان مہمانوں کی فہرست کاغذ پر لکھ کر لا دیا کرتا جو پھر پرموو اس پر احسان کرتے ہوئے امریکی گورے کو منتقل کر دیتا---

ہر ملاقات پر وہ اسے یہ ضرور بتاتا کہ امریکن اس کے کام سے بہت خوش ہیں۔

ایک ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ اس دوران پرموو نے اسے امریکہ سے گورجیت کے لئے آنے والا اسپانسر شپ لیٹر بھی دکھا دیا اور اس سے امریکی ویزہ فارم بھی پر کروا لئے---

اس کی تصاویر حاصل کر لیں اور تمام تفصیلات بھی اس سے متعلق جان لیں گورجیت بھی سمجھتا تھا کہ یہ سب امریکن ویزہ کے لئے درکار معلومات ہیں اور اسے یقین تھا کہ جلد ہی وہ دن آنے والا ہے جب وہ اپنے پریوار سمیت امریکہ میں ہو گا۔

اس دوران ہر ملاقات پر اسے پرموو یہ ضرور سمجھاتا رہا کہ وہ ابھی ہرگز کسی کو اپنا ہمراز نہ بنائے کیونکہ اسے بھی سیکورٹی کلیئرنس نہیں ملے گی---اور وہ ایک ہی صورت میں امریکہ جا سکتا ہے کہ جب اسے اچانک یہاں سے فرار کروا دیا جائے---

گورجیت نے اس دوران بھی اپنے ضمیر پر کوئی بوجھ محسوس نہیں کیا تھا کیونکہ اس نے اپنی دانست میں ابھی تک کوئی غیر قانونی کام کیا ہی نہیں تھا۔

پرائم منسٹر کے مہمانوں کی فہرست کسی کو دینا اس کے نزدیک کوئی اتنا بڑا جرم نہیں تھا۔

اس روز گور جیت خاصا غصے میں دکھائی دے رہا تھا۔

"کیا بات ہے پیارے آج بڑے گرم نظر آ رہے ہو۔"

پر مود نے اس کے سامنے وسکی کا پیگ رکھتے ہوئے کہا۔

دونوں اس وقت پر مود کے ہوٹل والے کمرے میں بیٹھے تھے جہاں اس نے آج تازہ مہمانوں کی فہرست وصول کی تھی---

"یار بات کیا وہ سالا دھن بہادر۔"

وسکی کا گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے اس نے ہیڈ باورچی دھن بہادر کو گالیوں سے نوازدیا۔

"کیا ہوا دھن بہادر کو---"

پر مود نے دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ وہ خود شراب نہیں پی رہا تھا کیونکہ اس نے گور جیت سنگھ سے کہہ رکھا تھا کہ امریکی ڈاکٹروں نے کم از کم پانچ سال سے اسے سختی سے پابند کیا ہے کہ وہ شراب کو چھو کر بھی نہ دیکھے اس طرح اس کی جان بھی جا سکتی ہے۔

اس نے انگریزی زبان کی کسی ایسی بیماری کا نام لیا تھا جس کا مطلب اگر گور جیت سنگھ ڈکشنری میں بھی تلاش کرنے لگتا تو شاید تلاش نہ کر پاتا۔ سالا ایک ہفتے سے ٹرخا رہا ہے۔ ادھر گاؤں سے باپو کے تین فون آ چکے ہیں۔ ماں بیمار ہے اور باپو سالا مجھے فون پر گالیاں دے کر گاؤں آنے کے لئے کہتا ہے۔"

گور جیت نے کہا۔

"اس میں رکاوٹ کیا ہے۔ چھٹی کیوں نہیں دیتا وہ---"

اس نے نیا پیگ تیار کر کے گور جیت کی طرف لڑھکایا۔

گور جیت نے پہلے دھن بہادر کو گالیوں سے نوازا پھر اچانک ہی اس نے لاشعوری طور پر ہی شاید وہ فقرہ کہا جس نے پر مود کو چونکا دیا۔

"سالا--- ساری رات مجھے جگائے رکھا جیسے میں نے حملہ کرنا ہے پاکستان پر---"

"کیا مطلب پاکستان پر حملہ--- میں کچھ سمجھا نہیں"---

پر مود نے حیرت انگیز طور پر اپنے تاثرات چھپا لئے تھے اور اگلا پیگ بھی تیار کر لیا تھا اب گور جیت کو واقعی چڑھنے لگی تھی۔

"یار مجھے تو کچھ پتہ نہیں--- وہ کیا نام ہے اس کا "سیاچن" وہ برفانی علاقہ ہے اس پر حملہ کرنے کی باتیں سالے ساری رات کرتے رہے اور ہمیں ساری رات بے آرام کیا---"

گور جیت اب کھل رہا تھا۔

"سیاچن--- اچھا وہ جو نار تھ میں ہے برفانی علاقہ لیکن وہاں کیا ایسا کیا رکھا ہے جس پر یہ لوگ حملہ کریں گے؟

پر مود نے پھر اسے چھیڑ دیا۔

"میں یار کون سا وہاں موجود تھا۔ ہم تو درمیان میں ڈرنکس وغیرہ لے کر جاتے تھے یا پھر میں نے صبح کا بریک فاسٹ (ناشتہ) ان کے سامنے رکھا تھا۔ اس پر باتیں کر رہے تھے وہ--- کچھ کہہ رہے تھے یہ پاگل پن ہو گا اور کچھ کہہ رہے تھے ان سالے مسلوں کو سبق سکھانا چاہیے--- ابھی ان کا دماغ درست نہیں ہوا--- ادھر پنجاب میں ہیرا پھیری کر رہے ہیں---"

گورجیت اپنی رو میں بولتا چلا گیا۔

اور---

اس کی زبان سے نکلا ایک ایک لفظ پر مود کے ذہن پر نقش ہوتا رہا۔

"چلو یار جہنم میں جائیں سب--- تمہارا کام اگلے دس پندرہ دنوں میں بن جائے گا۔ میں جانے سے پہلے تمہارے ٹکٹ کا بندوبست کر جاؤں گا--- باقی جو "بھانا" کرتار دا"---

اس نے سکھوں کے سے انداز میں کہا۔

پر مود کی خواہش تھی کہ اب جلد از جلد گورجیت یہاں سے نکلے اور وہ یہ اہم خبر "محفوظ ہاتھوں" تک پہنچائے۔

پر مود اس کا Cover Name تھا اور اس نے کمال فن کا مظاہرہ کرتے ہوئے بھارتی پرائم منسٹر ہاؤس کے اس باورچی تک رسائی حاصل کی تھی۔

اسے گورجیت کا نام اور ہانگ کانگ میں اس کے کچھ عرصہ قیام سے متعلق بتایا گیا تھا۔

بس یہی ایک Tip اس کے کام آگئی اور اس نے گورجیت کو Caltivate کر لیا۔

اس نے اپنی تربیت کا شاندار مظاہرہ کرتے ہوئے گورجیت سنگھ کو "کٹ آؤٹ Cut out" بنایا تھا۔

اور---

بڑی کامیابی سے وہ اپنے ملک کو بھارتی پرائم منسٹر ہاؤس میں ہونے والی اہم میٹنگز کے شرکا کے ناموں اور تفصیلات سے آگاہ کر رہا تھا۔

رات دیر گئے گورجیت کی واپسی ہوئی اس نے پر مود کو بتایا تھا کہ اسے پرسوں تک ضرور چھٹی مل جائے گی اور وہ تین روز کے لئے گاؤں جا رہا ہے۔ اب چار پانچ روز بعد ملاقات ہو گی۔

"تب تک تمہارا کام یقیناً بن چکا ہو گا۔"

پر مود نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور---

وہ گورجیت کو رخصت کرنے کے لئے ہوٹل کے باہر تک آیا۔ اسے ایک ٹیکسی پر سوار کروانے کے بعد اس نے بے چینی سے اپنے کمرے میں آکر فہرست کا جائزہ لیا تو اس کے دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی۔ شاید آج گورجیت کچھ زیادہ ہی غصے میں تھا کیونکہ وہ اپنے معمول کے خلاف آج مہمانوں کی فہرست کی وہ کاپی اٹھا لایا تھا جو کچن میں ان کے پسندیدہ کھانوں کے ساتھ آئی تھی ورنہ تو وہ اس فہرست کی نقل کسی کاغذ پر اتار کر لایا کرتا تھا۔

اس فہرست میں جو نام درج تھے ان کے عہدے بھی ساتھ ہی لکھے تھے۔ جیسے جیسے وہ نام پڑھتا جا رہا تھا اس کو اپنے خون کی گردش تیز ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔

ڈائریکٹر جنرل "را"---

جی او سی ناردرن کمانڈ---

ڈیفنس سیکرٹری---

کمانڈر انچیف بھارتی افواج---

ایک ایک نام اس کے دل و دماغ میں گونج پیدا کر رہا تھا۔ اس کے ساتھ ہی ناردرن ایریا میں بھارت کی طرف سے پاکستان پر فوج کشی کی باتیں۔ اس کا ماتھا ٹھنکا۔

"او مائی گاڈ--- کیا بھارتی سیاچن کے برفیلے میدانوں پر قبضہ کرنے والے ہیں۔"

اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

گزشتہ کچھ دنوں سے وہ بھارتی اخبارات میں اس حوالے سے کچھ مضامین دیکھ رہا تھا---

تو یہ بات ہے---

اس نے اپنے آپ سے کہا۔

اور ---

دوسرے ہی لمحے وہ ہوٹل سے باہر تھا ---

O

یہ رات کا پہلا پہر تھا۔

دہلی کی زندگی اپنے شباب پر تھی۔ سڑکوں کی رونقیں دوبالا ہو رہی تھیں وہ سہرا کی آمد آمد تھی اور درو بام سجائے جا رہے تھے۔

اس نے جان بوجھ کر ہوٹل کا ٹیلی فون استعمال نہیں کیا تھا جبکہ عام حالات میں وہ ہوٹل کا فون ہی استعمال کیا کرتا تھا۔

یہاں سے چار پانچ کلو میٹر تک وہ دہلی کی رونقوں کے سنگ سنگ بہتا چلا گیا، اس کے گرد اگرد رنگ و نور کا ایک طوفان تھا جو ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

لیکن --- وہ ان سب سے لاپرواہ اپنے ذہن میں سمائے خدشات سے لڑتا جھگڑتا بالآخر سردار کاہن سنگھ کے "پی سی او" تک پہنچ گیا۔

سردار کاہن سنگھ مقامی "پاپا سکھ" تھا جس کا بیٹا دہلی کی ایک ٹیلی فون ایکسچینج میں سپروائزر تھا، باپ بیٹا مل کر یہ غیر قانونی پی سی او چلا رہے تھے جہاں پرمود اور اس جیسے دوسرے ضرورت مند معمول کے ریٹس سے کم ریٹس پر غیر ملکی کال کر لیا کرتے تھے۔

آج بھی وہ اس مقصد سے یہاں آیا تھا۔

اس کی شکل پر نظر پڑتے ہی سردار کی باچھیں کھل اٹھیں کیونکہ پرمود کبھی کبھی آتا تھا اور اسے سوڈیڑھ سو روپے کی آمدن کروا کر ہی جایا کرتا تھا، پرمود نے حسب سابق پہلے دونوں ہاتھ باندھ کر اسے "فتح" بلائی پھر اس سے حال چال پوچھا اور اس اطمینان کے بعد کہ اب وہاں اس کے علاوہ اور کوئی گاہک نہیں رہ گیا۔ سردار کاہن سنگھ سے نیپال

کے اس نمبر پر فون ملانے کے لئے کہا جہاں وہ کبھی کبھی اپنی ایک "معشوق" سے "دل پشاوری" کیا کرتا تھا۔

اس بات کا علم سردار کاہن سنگھ کے سوا اور کسی کو نہیں تھا۔

میں کہیا پاپا جی ساڈا اوہی نمبر ا کروا دیو۔"

اس نے کاہن سنگھ کی طرف دیکھ کر آنکھ دباتے ہوئے اپنا مطلوبہ نمبر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"سامنے والے ڈبے میں بیٹھ جا --- آج کھلے ای کھچے لالے۔"

سردار کاہن سنگھ بڑی مستی میں دکھائی دے رہا تھا۔

"دھن واد سردار جی"

پرمود نے اس کی طرف مسکراہٹ اچھالی اور اس سے کچھ فاصلے پر موجود ایک لکڑی کے کیبن میں چلا گیا جہاں سردار کاہن سنگھ نے لائن ملا کر اس کو فون اٹھانے کا اشارہ کیا تھا۔

کھٹمنڈو میں موجود اس ٹریول ایجنسی کا دفتر ابھی تک کھلا ہوا تھا جہاں اس نے فون کیا۔

دوسری طرف سے ایک بھاری بھر کم آواز نے "ہیلو" کہا

جواب میں پرمود نے اپنا نام دہرایا اور خیریت پوچھنے کے بہانے اپنی خفیہ شناخت بھی کروا دی۔

"ہاں بھئی بھانجے کیسا ہے؟"

دوسری طرف سے بڑی گرمجوشی سے دریافت کیا گیا۔

پرمود نے کیسا ہے؟ کے جواب میں گورجیت کی طرف سے مہمانوں کی لسٹ ریکارڈ کروانے کے بعد اس کے اور اپنے درمیان ہونے والی گفتگو کا ایک ایک لفظ دہرا دیا۔

"ہوں ں ں ---"

دوسری طرف سے لمبی "ہوں" بھری گئی

"اب کیا حکم ہے جناب؟"

اس نے دریافت کیا۔

"ٹھیک ہے۔ صبح تک اسی ہوٹل میں انتظار کرو--- لیکن کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں اس سے پہلے بھی نکل سکتے ہو میں "بھاپاجی" سے بات کرنے کے بعد ہوٹل میں "لندن" سے فون کروں گا---"

دوسری طرف سے کہا گیا۔

اور---

دوسرے ہی لمحے سلسلہ منقطع ہو گیا۔

○

تھوڑی دیر تک سردار کاہن سنگھ کے ساتھ گپ شپ کرنے کے بعد اس نے وہیں سے ایک خالی لفافہ لیا جس میں گورجیت سنگھ کی فراہم کردہ لسٹ کو بند کرنے کے بعد اس نے لفافے پر ایک ہمسایہ ملک کا ایڈریس لکھا اور سردار کاہن سنگھ کے ساتھ ہی موجود ایک "فرنیا/ڈاک خانے" سے وہ لفافہ عام ڈاک کے ذریعے پوسٹ کر دیا۔

اسے امید تھی کہ اگلے دو تین روز میں یہ لفافہ بھی اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔

اس نے احتیاطاً اس لسٹ کی ایک فوٹو سٹیٹ کاپی بھی ہوٹل کے نزدیک ہی موجود ایک سٹور سے کروالی تھی اور یہ فوٹو سٹیٹ کاپی بھی اس نے ایک اور ہمسایہ ملک کے ایڈریس پر الگ سے پوسٹ کر دی تھی۔ یہ خط بھی اس کی توقعات کے مطابق اگلے پانچ چھ روز تک اپنے ٹھکانے پر پہنچ جانا چاہئے تھا۔

○

اپنے ہوٹل وہ جان بوجھ کر رات دیر گئے پہنچا تھا۔

احتیاطاً اس نے خصوصاً اپنے لئے کسی "پیغام یا مہمان" کا پوچھا تھا لیکن یہاں اس

کے لئے ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔

مطمئن ہو کر وہ زیر لب گنگناتا اپنے کمرے کی چابی تھامے سیڑھیوں کی طرف جا رہا تھا۔ لفٹ کے ذریعے وہ اگلے دو منٹ کے بعد ہوٹل کی پانچویں منزل پر واقع اپنے کمرے میں موجود تھا۔

ابھی اس نے اپنے کپڑے تبدیل کئے ہی تھے جب اچانک فون کی گھنٹی بجنے لگی دوسری طرف سے اس کے وہی "ماموں" موجود تھے جن سے اس نے نیپال میں بات کی تھی۔

"صبح ناشتہ کے فوراً بعد یہ شہر چھوڑ دو--- "ریڈ روز" سے رابطہ نہیں کرنا۔"

دوسری طرف سے اس کے ہیلو کے جواب میں خیریت دریافت کرنے کے بعد کہا گیا۔

اور--- سلسلہ منقطع ہو گیا۔

"ریڈ روز" گورجیت سنگھ کا "کور نام" Covername تھا۔

صبح تک کا وقت اس نے قریباً جاگتے ہوئے گزارا---

اور---

اگلے روز اپنے کمرے میں ناشتہ زہر مار کرنے کے دس منٹ بعد ہی اس نے ہوٹل سے "چیک آؤٹ" کر لیا۔

اب اسے نئی شناخت کے ساتھ نئی منزلوں کا مسافر بننا تھا۔

ایجنٹ پر مود کی رپورٹ ہیڈ کوارٹر میں ڈی جی صاحب کے سامنے دھری تھی اور دو بریگیڈیئر ان کے آگے دھری میز کے دونوں کونوں پر فائلیں اور کرسیاں سنبھالے بیٹھے تھے---

"میں پر مود کی فائل دیکھنا چاہوں گا۔"

ڈی جی نے ایک بریگیڈیئر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"رائیٹ سر"

کہتے ہوئے بریگیڈیئر نواز نے پہلے سے اپنے سامنے دھری ایک فائل ان کی طرف بڑھا دی۔

ڈی جی صاحب نے فائل لی اور ایک کونے میں دھرے ڈائس نما میز پر رکھ کر اس کی ورق گردانی کرنے لگے۔

اس فائل پر ایجنٹ پر مود کا اصلی نام اور اب تک کے سارے کارنامے درج تھے اور یہ "ٹاپ سیکرٹ" فائل بریگیڈیئر نواز سے سوائے جنرل صاحب کے اور کوئی بھی اس طرح براہ راست طلب کر کے دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔

دہلی سے چلنے والی ایجنٹ پر مود کی رپورٹ نیپال کے راستے برق رفتاری سے یہاں تک پہنچی تھی اور رپورٹ کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر بریگیڈیئر نواز نے ایک لمحہ توقف

کے بغیر مکمل سمری بنا کر ڈی جی صاحب کے سامنے رکھ دی تھی---

اس وقت ڈی جی صاحب ایک اہم میٹنگ میں مصروف تھے اور یہاں کی روایات کے مطابق یوں بھی رات کے اس پہر انہیں ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں تھا۔

لیکن---

رپورٹ کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر بریگیڈیئر نواز کو بادل نخواستہ ہر روایت توڑنی پڑی۔

انہوں نے قریباً ضد کرتے ہوئے جنرل صاحب کے سٹاف آفیسر سے لائن ملانے کے لئے کہا تھا جس نے معاملات کی سنگینی کے پیش نظر جنرل صاحب کو میٹنگ روم کے "انٹرکام" پر ڈسٹرب کرتے ہوئے یہ اہم پیغام ان تک پہنچایا تھا جنرل صاحب بریگیڈیئر نواز سے بخوبی آگاہ تھے۔

جس حساس نوعیت کی خدمات بریگیڈیئر نواز انجام دے رہے تھے اس کا بخوبی ادراک جنرل صاحب کو تھا۔

انہوں نے بڑے اطمینان سے اپنے "ڈیف کوم" پر کال موصول کی تھی۔

"یس"

"سر!--- This is S.O.S" ۔ (جناب والا یہ انتہائی سنگین اور اہم نوعیت کی بات ہے---

بریگیڈیئر نواز نے سلسلہ ملتے ہی کہا۔

"میں آرہا ہوں---"

جنرل صاحب نے کہہ کر فون رکھ دیا۔

اب وہ دوبارہ میٹنگ روم میں موجود تھے

"جنٹل مین--- کل تک کے لئے میٹنگ برخاست کرتے ہیں۔ ایک اہم کام آن پڑا

ہے---"

انہوں نے وہاں موجود اہم شخصیات کی طرف دیکھ کر حسب عادت مسکراتے ہوئے کہا۔

"او۔ کے سر"---

ایک کے بعد ایک شخصیت اٹھنے لگی۔

اگلے تین منٹ میں جنرل صاحب انہیں رخصت کرنے کے بعد ہیڈکوارٹر کی طرف محو سفر تھے۔

O

رات ایک پہر ڈھل چکی تھی جب سیکورٹی چیف میجر اکبر کو پیغام ملا کہ ڈی جی صاحب ہیڈ آفس آ رہے ہیں۔

مستعد اور ہر دم تیار میجر اکبر خان نے دوسرے لمحے اپنے ریزرو سٹاف کو بھی سٹینڈ بائی کر دیا۔

ڈی۔ جی صاحب کی سیاہ شیشوں والی گاڑی کی اطلاع ہیڈکوارٹر کی طرف آنے والی سڑک پر پہنچنے کے دوسرے ہی لمحے یہاں پہنچ گئی تھی۔

گیٹ پر موجود جوان مستعد تھے---

جیسے ہی گیٹ کے باہر کھڑے سنتری کو دور سے آتی کار کے آگے آنے والی جیپ سے مخصوص سگنل ملا اس نے گیٹ کے سوراخ سے جھانکتے ہوئے اندر اشارہ کر دیا۔

گیٹ کھلنے اور جیپ کے پیچھے موجود گاڑی کے یہاں تک پہنچنے کی ٹائمنگ Timing ایسی شاندار تھی جیسے ایک ہی کمپیوٹر سے دونوں کو "آپریٹ" کیا جا رہا ہو۔

جیپ دروازے سے اندر داخل ہوئی جس کے بعد ڈی جی صاحب کی گاڑی جبکہ ان کے پیچھے موجود جیپ وہیں رک گئی۔

آہنی دروازہ کوئی آواز پیدا کئے بغیر بند ہو گیا۔

بریگیڈیئر نواز کو انٹرکام پر ڈی جی صاحب کے کمرے میں پہنچنے کی ہدایت ملی تھی۔ جو پہلے ہی سے ڈی۔ جی صاحب کو مطلوبہ کوئی بھی ممکن ریکارڈ کی فائل اپنے سامنے رکھے ان کے منتظر تھے۔

اطلاع ملتے پر وہ اپنی ان "ٹاپ سیکرٹ" فائلوں کے ساتھ وہاں پہنچ گئے--

"آئی ایم سوری سر---لیکن ......"

بریگیڈیئر نواز نے سیلوٹ مارتے ہوئے کچھ کہنا چاہا لیکن جنرل صاحب نے ہاتھ اٹھا کر ان کی بات ٹوک دی۔

"او۔ کے۔ اٹس آل رائٹ۔ نو پرابلم۔ یس پلیز"---

انہوں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

اور---

بریگیڈیئر نواز نے ایک لمحے کے توقف کے بغیر وہ ساری رپورٹ لفظ بلفظ دھرا دی جو انہیں ایجنٹ پر مود کی طرف سے دہلی سے موصول ہوئی تھی۔

رپورٹ بغور سننے کے بعد جنرل صاحب نے اس ٹیلی فون کی ریکارڈنگ بھی سنی جو نیپال میں کی گئی تھی اور وہاں سے پھر یہاں کروائی گئی تھی---

"ہوں---"

وہ سگریٹ کا کش لگا کر کچھ سوچنے لگے پھر اچانک انہوں نے اپنے انٹرکام پر ہدایت دی کہ بریگیڈیئر عالم کو فوراً بلایا جائے---

فون رکھنے کے بعد وہ دوبارہ بریگیڈیئر نواز کی طرف متوجہ تھے اور ان سے ایجنٹ پر مود سے متعلق زبانی معلومات حاصل کر رہے تھے۔

اس دوران کافی تیار ہو کر وہاں پہنچ چکی تھی اور اگلے چند منٹ بعد بریگیڈیئر عالم وہاں موجود تھے۔

بریگیڈئر عالم کے پاس "ناردرن ایریا" کا ڈیسک تھا معاملے کی حساس اور ہنگامی نوعیت کے پیش نظر بریگیڈئر عالم کی موجودگی کو شائد ڈی۔جی صاحب نے ضروری جانا تھا۔
جنرل صاحب کے کہنے پر ایک مرتبہ پھر بریگیڈئر نواز نے ساری رپورٹ دہرائی اور بریگیڈئر عالم جو یہاں شاید سینئر ترین بریگیڈئر تھے غور سے ان کی باتیں سنتے رہے---

O

جنرل صاحب نے فائل کی ورق گردانی کے بعد فائل بریگیڈئر نواز کی طرف شکریہ کے ساتھ واپس لوٹا دی۔
ان کے چہرے کے تاثرات سے دلی کیفیات کا اندازہ لگانا تو ممکن نہیں تھا لیکن دونوں سینئر افسران نے جان لیا تھا کہ جنرل صاحب قدرے بے چین ہو رہے ہیں۔
"مجھے مناسب تو معلوم نہیں ہوتا لیکن میں چاہوں گا کہ آپ سیاچن سے متعلق مجھے بریفنگ دیں---اس رپورٹ کو ایک لمحہ ضائع کئے بغیر ہمیں جی ایچ کیو تک پہنچانا ہے۔"
ڈی جی صاحب نے بریگیڈئر عالم کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔
بریگیڈئر عالم کا شمار انٹیلی جنس کے ذہین ترین افسران میں ہوتا تھا۔ انہوں نے کمال کی یادداشت پائی تھی---
اپنے کام سے ان کی لگن کا یہ عالم تھا کہ جب انہیں ڈی۔جی صاحب کا پیغام پہنچا تو وہ ہیڈ کوارٹرز کی بلڈنگ سے بمشکل ایک کلومیٹر کے فاصلے پر اپنی رہائش گاہ میں دفتر سے تھکے ہارے لوٹنے کے بعد اور کچھ بھارتی رسالوں کا مطالعہ کرنے کے بعد سونے کے لئے پر ہی تول رہے تھے۔
ان رسالوں میں موجود دراصل ایک دو مضامین نے انہیں چونکایا تھا۔ یہ دونوں مضامین انہیں ایک پرانی فائل میں موجود کلپنگ کے ذریعے دکھائی پڑے تھے۔
شاید ان کے پیشرو نے ان کی خصوصی اہمیت کے پیش نظر دونوں مضامین انٹیلی جنس کی

فائلوں میں محفوظ کر دیے تھے۔
ایک مضمون Himalayan Journal اور دوسرا بھارت کے ایک اور ہفت روزہ Illustrated weekly میں شائع ہوئے تھے---ان مضامین کے مطابق بھارتی فوجیوں کی ایک مہم جو جماعت نے سیاچن میں پاکستان کے علاقے میں قریباً 70 کلومیٹر تک "ٹریکنگ" کی تھی--
بریگیڈئر عالم سے پہلے جو بھی صاحب اس ڈیسک کے انچارج تھے انہوں نے ان مضامین پر "گپ بازی" کے ریمارکس لکھ کر انہیں فائل کیا تھا-- لیکن--- نجانے کیوں آج تین چار سال پرانے مضامین پڑھنے کے بعد بریگیڈئر عالم کو یہ باتیں سچ لگی تھیں۔
کچھ دیر پہلے جب اچانک انہیں ڈی جی صاحب نے فوراً طلب کیا تو ان کی چھٹی حس نے بتادیا تھا کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے--
اور اب---
بریگیڈئر نواز کی زبانی ایک خصوصی ایجنٹ کی طرف سے بھیجی گئی اس رپورٹ کے بعد تو وہ فوراً اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ چند روز پہلے انہوں نے جو اپنی پندرہ روزہ رپورٹ فائل کی تھی اور اس میں بھارتیوں کی طرف سے ممکنہ مداخلت یا مہم جوئی کی بات بھی اشارہ کنایے سے کی تھی۔ شاید ان کے خدشات صحیح ثابت ہو رہے تھے۔
وہ ایک ذہین آفیسر تھے---
اور---
فائلوں کی مدد لئے بغیر بھی اپنے افسر اعلیٰ کو مطمئن کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ جہاں اپنے خدشات درست ہونے پر ان کے اعتماد میں اضافہ ہوا تھا۔ وہاں ایک بے نام سی پریشانی نے بھی انہیں آ لیا تھا۔
"کیا اس برفیلے جہنم میں دشمن کی موجودگی کا مقابلہ ہماری فوج اپنے کمترین وسائل سے

کرپائے گی؟

ایک فوجی ہونے کے ناطے وہ بڑے پر اعتماد بھی تھے---

کوئی طاقت انہیں بار بار اس بات کا یقین دلا رہی تھی کہ قوت ایمانی اور زور بازو سے وہ دشمن کو ضرور روک لیں گے۔

O

تھوڑی دیر بعد ڈی جی صاحب کا کمرہ کانفرنس روم کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ دیوار پر لٹکے ناردرن ایریا کے نقشے کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے بریگیڈیئر عالم ان سے اور بریگیڈیئر نواز سے مخاطب تھے۔

"سر! 49ء میں کشمیر کے محاذ پر ہونے والی جنگ بندی اور پھر 72ء میں شملہ معاہدہ کے سرحد بندی کے لئے ہونے والے مذاکرات کے مطابق این جے---980420 نمبر کی لائن سے آگے ابھی لائن آف کنٹرول کی نشان دہی کا کام باقی تھا--- بھارتی حکومت نے جان بوجھ کر اس مسئلے کو لٹکائے رکھا کیونکہ وہ 27 جولائی 49ء کے معاہدہ جنگ کے مطابق سرحدی حد بندی کرنے سے کنی کترا رہا ہے---"

یہ کہہ کر انہوں نے سیاچن کے علاقے میں این جے---980420 کی نشاندہی کی اور دوبارہ ان سے مخاطب ہوئے۔

"دراصل 62ء کی چین بھارت جنگ میں ہزیمت اٹھانے پر بھارتی فوج نے ابتداء میں پہاڑی جنگ میں اپنی کمزوری کا احساس کر لیا تھا یہی وجہ ہے کہ نیفا NEFA میں شکست کے بعد بھارتیوں نے گلیشیائی اور پہاڑی جنگ کے کورسز کو بہت اہمیت دینا شروع کر دی تھی اور اپنے پہاڑی ڈویژنوں کو بطور خاص شدید برفباری میں اونچائی پر ہونے والی جنگ میں استعمال ہونے والے ہتھیاروں اور ضروریات سے لیس کرنا شروع کر دیا تھا--- ان کی یہ ضرورت سیاچن میں ہی پوری ہو سکتی تھی جو چین اور پاکستان سے منسلک

ہے--- اس لئے اس علاقے پر اس کی نظر ہمیشہ رہی ہے۔ 49ء سے 84ء تک اسی علاقے پر ہمارا مکمل کنٹرول رہا اور تمام غیر ملکی کوہ پیما جماعتیں حکومت پاکستان کی اجازت میں سے یہاں پہاڑی چوٹیاں سر کرتی رہی ہیں لیکن مشرقی قراقرم کے اس حصے پر مکمل کنٹرول کے باوجود ہم نے یہاں کبھی اس لئے اپنی فوجیں نہیں رکھیں کہ عام حالات میں بھی یہاں فوج کی موجودگی پر بے پناہ اخراجات اٹھتے ہیں نہ ہی کبھی اس طرف سے بھارتی جارحیت کا تصور کیا گیا۔ جو میرے خیال سے سر! ٹھیک سوچ نہیں تھی اور ماضی میں اپنی مختلف رپورٹس میں ہم اس کا حوالہ بھی دے چکے ہیں۔ لیکن 17 ہزار سے 24 ہزار فٹ بلند اس علاقے میں تو انسان کو زندہ رہنا بھی ایک مسئلہ بن جاتا ہے ظاہر ہے وہاں لڑائی کا تصور کیسے کیا جا سکتا تھا--- گو کہ سر! بھارت کی ممکنہ مداخلت کی رپورٹ تو آج ہمارے ایجنٹ نے بھیجی ہے لیکن ہمارا ریکارڈ بتاتا ہے کہ 78ء سے بھارتی اس منصوبے پر عمل پیرا ہیں--- یا ایسا کرنے کی شدید خواہش ان کے ہاں پائی جاتی ہے---"

بریگیڈیئر صاحب کی آخری بات پر ڈی جی صاحب پہلو بدل کر رہ گئے۔

بریگیڈیئر عالم نے اپنے سامنے دھری فائلوں میں سے ایک فائل کھول کر اس پر نظر دوڑائی اور دوبارہ گویا ہوئے۔

"سر! بھارتی فوج کے High Altitude Warfare School یعنی (HAWS) کے کرنل نریندر کمار کی کمان میں بھارتی ایس ایس جی کی ایک ٹیم نے سیاچن کے شمال مغرب میں واقع تیرم گنگری ٹو (Teram Gangri II) پر اگست سے اکتوبر 79ء تک قیام کیا اور ہمارے رد عمل کا جائزہ لینے کے لئے اپنی اس مہم جوئی کی رپورٹ "ہمالین جرنل Himalayan Journal کے 79-80ء کے شمارے میں اور پھر بھارتی ہفت روزہ السٹریٹڈ ویکلی کے شمارہ 23 مئی 79ء میں بھی شائع کی---"

اپنی بات کا تاثر دیکھنے کے لئے بریگیڈیئر منظور نے ایک لمحے کے لئے ڈی جی صاحب کے چہرے پر نظر ڈالی جو جذبات سے قطعی عاری دکھائی پڑا۔

"سر! کرنل نریندر کمار کی ٹیم نے پاکستانی علاقے کے 70 کلو میٹر اندر تک مداخلت کی پھر کرنل نریندر کمار ستمبر 80ء میں 60 افسروں کی ایک اور ٹیم کے ساتھ اس علاقے میں آیا۔ ان تمام افسروں کا تعلق (HAWS) سے تھا۔ یہ پارٹی پاکستانی علاقہ میں سیا گنگری سے سلتورو کنگری تک گئی اور اس نے جوان سے ستمبر 80ء تک یہاں قیام کیا-- اس پارٹی کو بھارتی ائر فورس کی مکمل معاونت حاصل رہی جس کا اقرار کرنل کمار نے بعد میں ایک مضمون میں کیا-- یہ پارٹی پاکستانی علاقے میں 90 کلو میٹر تک مداخلت کر کے اپنا مشن مکمل کرنے کے بعد واپس لوٹ گئی--- ستمبر 80ء میں بھارتی فوج کے بریگیڈیئر کے۔ این تھیڈانیThadani کی کمانڈ میں ہائی آلٹی چیوڈ وارفیر سکول سے دو کوہ پیما جماعتیں پاکستانی ائر کنٹرول علاقے میںApsarasas نامی 23390 فٹ بلندی چوٹی پر قیام پذیر رہیں اس مہم کی خبر امریکن الپائن کلب جنرل نے 1981ء کے شمارے میں شائع کی تھی---"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے دوسری فائل میں دھرے فوٹو سٹیٹ کاغذات میں سے ایک کاغذ نکال کر ڈی۔ جی کی طرف بڑھا دیا جنہوں نے امریکن جنرل کی خبر پڑھنے کے بعد بریگیڈیئر منظور کی طرف کاغذ بڑھا دیا۔

ڈی جی صاحب نے تین ہفتے پہلے ہی چارج لیا تھا اور انٹیلی جنس ایجنسی میں یہ ان کی پہلی تعیناتی تھی---اس لئے یہ تمام اطلاعات ان کے لئے نئی ہی تھیں، چونکا دینے والی بھی تھیں۔

"سر! ہمارے ایک سورس نے مئی۔ جون 81ء میں انڈین فورسز کے کچھ افسران کی وادی سلتورو میں "گیونما" اور "چولونگ" نامی دیہاتوں میں موجودگی کی اطلاعات بھی

دی تھیں---ان دنوں ہم نے سکردو پولیس کو فوراً رپورٹ کنفرم کرنے کے لئے اس علاقے کا دورہ کرنے کے لئے بھی کہا تھا جس پر سکردو پولیس کے ایس پی صاحب نے اگست 81ء میں ان دیہاتوں کا دورہ کیا اور مقامی لوگوں سے انڈین آرمی اور لداخ سکاؤٹس کے ٹوپی کے بیج اور کچھ انڈین کرنسی بھی حاصل کی تھی---"

"یہ اطلاعات ذمہ دار حلقوں تک گئی تھیں؟"

ڈی جی صاحب نے اچانک ہی سوال کر دیا۔

"یس سر! ہم نے ایک ایک پل کی رپورٹ پہنچائی جس پر 29 مارچ 82ء کو ہماری وزارت خارجہ نے بھارتی سفارت خانے کو ان خلاف ورزیوں پر احتجاجی نوٹ لکھا اور دہلی میں بھارتی وزارت خارجہ کو بھی یہ احتجاج پہنچایا گیا---"

بریگیڈیئر عالم نے فائل سے نظریں اٹھا کر ان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا پھر فائل پر نظریں جما کر دوبارہ بولنا شروع کیا۔

"جولائی 83ء میں پاکستان آرمی نے ایس ایس جی کی ایک کمپنی کو سیاچن میں "فلا قون لا" اور "سیالا" کے علاقوں میں بھارتی فوج کی معاندانہ سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لئے بھیجا---16 اگست 83ء میں انہوں نے بھارتی فوج کے لداخ سکاؤٹس کے کچھ جوانوں کو دیکھا اور ان کی طرف بڑھے لیکن دشمن باخبر ہو گیا اور بھارتی فوجی ایک گولی فائر کئے بغیر وادی "نوابرہ" کی طرف تیزی سے پسپائی اختیار کرتے ہوئے غائب ہو گئے--- پاکستان کمانڈوز کو صرف نگرانی اور دشمن کی نقل و حرکت کا جائزہ لینے کے مشن پر روانہ کیا گیا تھا اس لئے انہوں نے بھارتی علاقے میں مداخلت نہیں کی اور ہیڈ کوارٹرز سے حکم ملنے پر واپس لوٹ آئے"---

بریگیڈیئر عالم نے اپنی بات مکمل کر لی تھی---

دونوں اعلیٰ افسران متردد تھے۔

اس علاقے کی جو پوزیشن انہیں بتائی گئی تھی اس نے خصوصاً ڈی۔ جی صاحب کو زیادہ متاثر کیا تھا۔

"او۔ کے جنٹل مین۔ جی ایچ کیو جانے کی تیاری کریں۔ میں کمانڈر انچیف صاحب کو مطلع کر دوں"---

انہوں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

اور---

دونوں بریگیڈیئر صاحبان اپنے کاغذات سمیٹتے باہر آ گئے۔

O

جنرل صاحب شب زندہ دار تھے---

تہجد کی نماز ان کا معمول تھا اور وہ صبح بہت جلدی اٹھنے کے عادی تھے کیونکہ وہ تہجد کا سلسلہ نماز فجر تک جاری رکھتے تھے--

اس وقت جنرل صاحب اپنے اللہ کے حضور سربسجود تھے جب ان کے بیڈ روم میں موجود "ہاٹ لائن" کا بزر بجنے لگا---

نوافل مکمل کرنے کے بعد انہوں نے فون اٹھایا دوسری طرف ڈی جی صاحب ان سے مخاطب تھے۔ جنہوں نے رات کے اس پہر انہیں ڈسٹرب کرنے پر معذرت کی کیونکہ ڈی جی صاحب کو علم تھا کہ کمانڈر انچیف اس وقت نماز تہجد میں مصروف ہوں گے جس کے بعد فوری اہم میٹنگ کی درخواست کر دی۔

"آ جائیے---میں منتظر ہوں--"

یہ کہہ کر انہوں نے فون رکھ دیا اور نوافل میں مشغول ہو گئے۔ دعا کرنے کے بعد جنرل صاحب نے انٹرکام پر اپنے ہیڈ کوارٹر کو کچھ ہدایات دیں اور اپنے کمرے سے باہر آ گئے۔ سامنے برآمدے کے ساتھ گاڑی انہیں لے جانے کے لئے تیار کھڑی تھی۔ جنرل

صاحب اگلے پندرہ منٹ بعد جی ایچ کیو میں موجود تھے۔

ان کی آمد کے بمشکل چار پانچ منٹ بعد ہی ڈی جی انٹیلی جنس بھی اپنی ٹیم کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ رات کے آخری پہر میں کمانڈر انچیف اور ڈائریکٹر جنرل انٹیلی جنس کی آمد نے یہاں "ہائی الرٹ" کر دیا تھا۔

جس ساؤنڈ پروف کمرے میں یہ اہم میٹنگ جاری تھی وہاں انسانی وہم و گمان میں آنے والا ہر ممکن سیکورٹی بندوبست موجود تھا۔

کمانڈر انچیف کے ساتھ نارتھ ایریا کے کمانڈنٹ بھی موجود تھے جنہیں ڈی جی انٹیلی جنس کی درخواست پر بلایا گیا تھا۔

ایک لمحہ توقف کئے بغیر ڈی جی صاحب نے بریگیڈیئر منظور کو ایجنٹ پر مودی کی رپورٹ پیش کرنے کا حکم دیا جنہوں نے مکمل جزئیات کے ساتھ رپورٹ پیش کر دی--کمانڈر انچیف اور کمانڈنٹ نارتھ ایریا بڑی توجہ اور انہماک سے ان کی باتیں سنتے رہے جس کے بعد بریگیڈیئر عالم نے انہیں ماضی کے حوالے سے مختصر بریفنگ دی۔

"آل رائیٹ۔"

ان کی بریفنگ کے خاتمے پر جنرل صاحب نے اطمینان سے کہا۔

"آیئے نماز ادا کر لیں۔"

اذان کی آواز سنائی دینے لگی تھی۔

تمام افسران نے اسی ہال کمرے کے کونے میں جنرل صاحب کی امامت میں نماز ادا کی۔ جنرل صاحب نے بڑے درد دل سے ملکی سلامتی کی دعا مانگی تھی۔

ان کے سامنے چائے پہنچ چکی تھی اور اب کمانڈنٹ ناردرن ایریا بریفنگ دے رہے تھے۔ انہوں نے بریگیڈیئر عالم کے خدشات اور ماضی کے واقعات کی تصدیق کرتے ہوئے کہا کہ ان کی دانست میں ایجنٹ پر مودی کی یہ رپورٹ صحیح ہے۔ کیونکہ دشمن سے

کچھ بھی توقع کی جا سکتی تھی۔

ناشتہ سب نے اکٹھے ہی کیا جس کے بعد انٹیلی جنس کے ڈائریکٹر جنرل اپنی ٹیم کے ساتھ واپس چلے گئے جبکہ کمانڈر انچیف نے فوراً ہی اہم اجلاس طلب کر لیا تھا--- رات دیر گئے شروع ہونے والا یہ اجلاس دوپہر کے بعد اختتام پذیر ہوا---

جنرل صاحب نے موقعہ پر ہی ہدایات جاری فرما دی تھیں---

انہوں نے صورتحال سے مکمل باخبر رکھنے کی ہدایت کے ساتھ اپنے معاونین کو ان کے مشن کی طرف روانہ کر دیا۔

O

کیپٹن عارف نے سکردو سے ہیلی کاپٹر اڑایا تو سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ ایلویٹ III نامی اس ہیلی کاپٹر کو وہ اصولی طور پر 16 ہزار فٹ سے زیادہ بلندی پر نہیں اڑا سکتا تھا۔

لیکن --- آج اسے ایک ناقابل یقین مہم سر کرنے کے لئے بھیجا گیا تھا اور اس نے اپنے سامنے موجود مختلف ڈائلوں کو قطعاً نظر انداز کر کے اس مشن کو انجام دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

وہ ایوی ایشن ہی کے ایک جہاز کے ذریعے یہاں پہنچا تھا جہاں سے اب ہیلی کاپٹر پر اپنے مشن کی طرف گامزن تھا۔ راولپنڈی میں اسے ایک ہنگامی مہم انجام دینے کے لئے سٹینڈ ٹو Stand To کیا گیا تھا لیکن ابھی تک تفصیلات نہیں بتائی گئی تھیں۔

سکردو میں بریگیڈئر صاحب اس کے منتظر تھے۔

بریگیڈئر نے بڑی خندہ پیشانی سے اس کا استقبال کیا لیکن کیپٹن عارف کی گہری بادامی آنکھوں نے بریگیڈئر صاحب کے دور اندر تک جھانک کر ان کے چہرے پر نامحسوس اضطراب کو محسوس کر لیا تھا---

اسے بریگیڈئر صاحب کی طرف ایک نظر دیکھتے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ یہاں معاملات کچھ زیادہ ہی سیریس ہیں۔

بریگیڈئر صاحب اس کا حال احوال دریافت کرتے اسے بریفنگ روم تک لے آئے تھے جہاں ایک دیوار پر بڑے بڑے نقشے لگے ہوئے تھے۔

"جنٹل مین --- معاملہ کافی سیریس ہے اس لئے ہم کھڑے کھڑے ہی چائے پئیں گے۔"

انہوں نے یہ کہتے ہوئے کیپٹن آفیسر کی طرف دیکھا جو فوراً ہی کسی کو چائے لانے کے لئے کہتے ہوئے دوسری طرف مڑ گیا۔

بریفنگ روم میں بریگیڈئر صاحب اور کیپٹن عارف اکیلے تھے۔

"کیپٹن عارف تم ایوی ایشن کا فخر ہو --- تمہارے ماضی کی شاندار مہمات کو دیکھتے ہوئے اس خطرناک لیکن ملکی سالمیت کے لئے اہم ترین مہم کے لئے تمہارا انتخاب کیا گیا ہے --- انٹیلی جنس رپورٹس کے مطابق دشمن نے کھل پاگل پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے سیاچن میں اپنی فوجیں اتار دی ہیں --- ابھی تک کی اطلاعات سے جو اندازہ لگایا گیا ہے اس کے مطابق ابھی تک انڈین کو سلتورو کے دونوں دروں "بلافون لا" اور "سیالا" پر اپنی فوجیں اتار چکے ہیں---"

یہ کہتے ہوئے انہوں نے بریفنگ روم میں ایک لمبی میز پر پہلے سے بچھائے ہوئے نقشے پر مختلف جگہ انگلی رکھ کر ان مقامات کی نشاندہی کی جہاں ان کے اندازے کے مطابق بھارتی فوجیں اتر سکتی تھیں۔

کیپٹن عارف بڑے غور سے اپنے دماغ کے کمپیوٹر میں ان راستوں اور پہاڑیوں کو محفوظ کر رہا تھا جن پر بریگیڈئر صاحب نے انگلی رکھ کر نشاندہی کرنے کی کوشش کی تھی۔

اس کے ساتھی کیپٹن عارف کو "بائیونک مین" کہا کرتے تھے۔

اس نے بلا کا ذہن پایا تھا۔

مشکل ترین پہاڑی راستے اسے چند منٹوں میں ازبر ہو جایا کرتے تھے اور بڑے بڑے سینئر پائلٹ جو ان خطرناک پہاڑی راستوں میں نقشے کی مدد سے سفر کیا کرتے تھے حیران رہ جاتے جب وہ اپنی سیٹ سنبھالنے کے بعد نقشہ ایک طرف رکھ دیا کرتا تھا۔

"ہائی سن! تمہیں آج اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کرنا ہے -- تمہیں اس علاقے پر پرواز کر کے دشمن کی پوزیشنوں کی رپورٹ کرنی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بخیر و عافیت واپس بھی آنا ہے -- کیونکہ ابھی تمہارے کرنے والے بہت سے کام باقی ہیں۔"

بریگیڈئر صاحب نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"انشاءاللہ سر!"

کیپٹن عارف کے لہجے کے اعتماد نے بریگیڈئر صاحب کو حیران کر دیا۔

آج تک شاید کسی پائلٹ کو انہوں نے ان دروں پر نیلی کاپٹر اڑانے کا حکم نہیں دیا تھا شاید اس کی کبھی ضرورت ہی پیش نہیں آئی تھی --

ایک عرصے سے نادرن کمانڈ سے منسلک ہونے اور اپنی سروس کا بہت زیادہ عرصہ نادرن لائٹ انفنٹری میں گزارنے کی وجہ سے بریگیڈئر صاحب کو یہاں کے خطرناک راستوں اور تباہ کن موسم کا بخوبی اندازہ تھا۔ وہ جانتے تھے ان راستوں پر پرواز کرنا موت سے خواہ مخواہ جنگ چھیڑنے کے مترادف ہے۔

لیکن --- کیا مجال جو کیپٹن عارف کے لہجے میں انہیں ذرا سا خوف دکھائی پڑا ہو۔ وہ ایسے پر اعتماد ہو کر بات کر رہا تھا جیسے سیاچن کے بجائے کسی نمائشی میدان پر پرواز کرنے جا رہا ہو۔

"آل رائیٹ --- ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔"

بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے بریگیڈئر صاحب نے جواب اس کے ساتھ ہی اپنے

ہاتھ میں چائے کے مگ پکڑے ایک کونے میں دھری آرام دہ کرسی پر بیٹھ چکے تھے مضطرب ہو کر پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

اس دوران وہ اپنے سابقہ تجربات کی روشنی میں کیپٹن عارف کو اس علاقے کے موسم اور مزاج سے آگاہ کرتے رہے تھے۔

"سر! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں -- بشرط زندگی آپ کی توقعات پر پورا اتروں گا۔ پاکستان آرمی نے مجھے اس مہم کے لئے منتخب کیا۔ آپ کا شکریہ۔ میں اسے اپنا فخر سمجھوں گا" ---

اس نے چائے کا خالی مگ سامنے دھری میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"کم آن" ---

بریگیڈئر صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دونوں ایک دوسرے کے تعاقب میں باہر آ گئے۔
بریگیڈئر صاحب کی جیپ میں بیٹھ کر وہ تھوڑی دیر بعد یہاں موجود پائلٹ کا خصوصی گرم لباس پہننے کے بعد اب ہیلی پیڈ کی طرف جا رہا تھا جہاں ایک "الیوٹ تھری" ہیلی کاپٹر اس کا منتظر تھا۔
ہیلی کاپٹر کی چیکنگ اور ری چیکنگ کے مراحل یہاں پہلے سے موجود ایوی ایشن کے ماہرین کر چکے تھے۔
اب وہ پرواز کے لئے تیار تھا۔
اس ہیلی کاپٹر میں خصوصی طور سے تصاویر اتارنے والے کیمرے نصب کیے گئے تھے تاکہ دشمن کی نقل و حرکت کو دیکھا جائے۔
کیپٹن عارف سے کہا گیا تھا کہ وہ دشمن کی مختلف پوزیشنوں کی تصاویر اتارنے کی کوشش کرے۔
بریگیڈئر صاحب جو خود اپنی جیپ چلا کر یہاں تک پہنچے تھے سارے راستے کیپٹن عارف پر قرآنی آیات پڑھ کر پھونکتے آئے تھے۔
دونوں جیپ ایک طرف کھڑی کر کے نیچے اتر آئے۔ کیپٹن عارف سے بغل گیر ہوتے ہوئے انہوں نے گرم جوشی سے اسے الوداع کہا اور ایک طرف کھڑے ہو گئے۔

یہاں موجود باقی ماہرین جنہوں نے ایک میجر صاحب کی نگرانی میں دو تین مرتبہ ہیلی کاپٹر کے انجنوں کی کارکردگی چیک کی تھی ایک طرف قطار بنا کر مؤدب کسی اگلے حکم کے منتظر کھڑے تھے۔
کیپٹن عارف نے ان سب سے باری باری ہاتھ ملا کر ان کی نیک تمنائیں اور دلی دعائیں وصول کیں
اور --- تھوڑی ہی دیر بعد وہ پائلٹ سیٹ سنبھال کر انجن سٹارٹ کر چکا تھا اپنی تربیت کے مطابق اس نے بھی تمام پرزوں کی کارکردگی چیک کی۔
اگلے ہی لمحے اپنے ہاتھ کی انگلیاں بند کر کے انگوٹھے کے مخصوص اشارے سے اس نے اپنے ہونٹوں پر دعائیں اور آنکھوں میں امیدوں کی جوت جگائے وہاں موجود افسران اور جوانوں کو الوداع کہا اور ہیلی کاپٹر کو اوپر اٹھا دیا۔
جیسے جیسے ہیلی کاپٹر بلند ہو رہا تھا بریگیڈئر صاحب اور دوسرے جوانوں کی دلی دعائیں اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔
اگلے چند لمحوں بعد کیپٹن عارف ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ بریگیڈئر صاحب فوراً پلٹے اور اب وہ خود وائرلیس روم میں موجود تھے جہاں سے کیپٹن عارف کا رابطہ براہ راست ان سے قائم تھا۔

O

اس کا ہیلی کاپٹر 16 ہزار فٹ کی بلندی تک پرواز کر سکتا تھا اور اس وقت بلندی دکھانے والی سوئی اپنے آخری پوائنٹ کو چھو رہی تھی۔ اتنے گرم لباس پہننے کے باوجود کیپٹن عارف کو اپنا جسم منجمد ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔
یہ احساس دراصل اس منظر کا مرہون منت تھا جو اس کی آنکھوں کے سامنے حد نگاہ تک پھیلتا چلا گیا تھا۔

پہاڑوں کی برفیلی اور نوکدار چوٹیوں کے درمیان وہ ہیلی کاپٹر اڑا رہا تھا اور اسے چاروں طرف سوائے برف کے اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

اپنے ذہن پر نقش راستے پر وہ محو پرواز تھا گو کہ اسے ان سب چوٹیوں کے نام یاد نہیں رہے تھے۔

لیکن ---اس بات کا علم ضرور تھا کہ وہ ابھی تک پاکستانی علاقے ہی میں پرواز کر رہا ہے چند منٹ اسے ہونے کو آئے تھے اور ہر پانچ منٹ کے بعد وہ کمانڈ آفس میں بریگیڈیئر صاحب کو رپورٹ کر رہا تھا۔

اس وقت بھی اس نے سیٹ آف ہی کیا تھا جب اچانک اسے اپنے بالکل سامنے ایک سرخ لکیر کی چمک دکھائی دی اس کے ساتھ ہی دھماکے کی زوردار آواز---"فائرنگ ہو رہی ہے"---اس نے فوراً ہی جان لیا۔

اور---

اگلے ایک لمحے کی غفلت---شاید اس کا ہیلی کاپٹر کیپٹن عارف سمیت آگ کے گولے میں تبدیل ہو جاتا اگر وہ اپنی خصوصی ودیعت کردہ چھٹی حس کے سہارے ہیلی کاپٹر کو مکمل دائیں طرف نہ گھما دیتا---

ابھی اس نے بمشکل اپنا ہیلی کاپٹر سیدھا کیا تھا جب ایک دوسرے کے تعاقب میں کئی درجن گولیاں اور گولے اس کے بائیں سمت چند فٹ کے فاصلے سے گزرے دوسرے ہی لمحے اس کا رابطہ "کمانڈ آفس" سے قائم تھا۔

"سر! مجھ پر فائرنگ ہو رہی ہے"---

اس نے اپنے سامنے موجود "مقیاس المطر" پر نظریں جما کر بریگیڈیئر صاحب کو اپنی پوزیشن اور اونچائی بتائی۔

"او کے---تم فوراً واپس آؤ"---

بریگیڈیئر صاحب نے اس کی بات سننے کے بعد حکم دیا۔

"سر! میں دشمن کی پوزیشن دیکھ لوں---"

کیپٹن عارف نے کہا۔

"نو---واپس آؤ"---

بریگیڈیئر صاحب کا لہجہ قدرے درشت تھا۔

وہ جانتے تھے اس نہتے ہیلی کاپٹر سے کیپٹن عارف دشمن کا کچھ نہیں بگاڑ پائے گا۔

اور---کیپٹن عارف جیسے مشاق پائلٹ کو وہ کسی بھی طرح ضائع نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن---وہ نہیں جانتے تھے کہ موت سے ایسا اندھا کھیل کیپٹن عارف کا دلچسپ مشغلہ ہے۔

عارف نے اپنا سیٹ آف کر دیا تھا اور اب وہ اپنے بائیں جانب چکر کاٹ کر اس پہاڑی کے عقب میں آ گیا تھا جہاں موجود کسی گن پوزیشن سے اس پر فائرنگ ہوئی تھی۔

اچانک ہی اس کی نگاہ اپنے بالکل سامنے بائیں جانب ایک پہاڑی چوٹی پر پڑی جس پر بھارتی فوج کے کچھ جوان اپنی پوزیشن قائم کر رہے تھے---کچھ بھارتی فوجی پہاڑی کی اس بلند چوٹی سے مضبوط رسے باندھ کر نیچے لٹکا رہے تھے تاکہ ان کی مدد سے سامان حرب اوپر کھینچ سکیں اور ان کے باقی ساتھی برف کے اس جہنم میں شاید "اگلو" Igloo نما خیمے نصب کر رہے تھے۔ کیونکہ بارہ ہزار فٹ کی بلندی سے زیادہ پر اینٹ پتھر اور سیمنٹ وغیرہ سے کسی قسم کا تعمیراتی کام ممکن نہیں ہوتا۔ اس لئے سیاچن کی اس بلند چوٹی پر بھارتی فوجی اپنی رہائش اور گولہ بارود ذخیرہ کرنے کے لئے "فائبر گلاس" کے یہ خیمے نصب کر رہے تھے جنہیں "اگلو" Igloo کہا جاتا تھا۔

کیپٹن عارف نے یہ "اگلو" اس لئے نہیں پہچانے تھے کہ اس کا واسطہ ان سے رہتا تھا۔ پاکستانی فوج کے پاس اس نے کبھی ایسے فائبر گلاس کے خیمے نہیں دیکھے تھے اس نے تو

حال ہی میں روس کی سائبیریا میں موجود فوجوں کی جنگی مشقوں پر مشتمل ایک فلم دیکھی تھی جس میں شدید ترین برفباری سے بچنے کے لئے روسی فوج نے ایسے ہی فائبر گلاس کے خیمے استعمال کئے تھے۔

کیپٹن عارف کا جی چاہتا تھا کہ اپنے وطن کی مقدس زمین پر قدم رکھنے والے ان بھارتیوں کو اس سرد جہنم کا ایندھن بنادے۔

لیکن ---وہ مجبور تھا۔

اس کے ہیلی کاپٹر میں کوئی گن نصب نہیں تھی۔

یہ صرف فضائی نگرانی اور بار برداری کے لئے استعمال ہونے والا الیلوبیٹ III ہیلی کاپٹر تھا۔

آج اسے شدت سے اپنی بے بسی کا احساس ہو رہا تھا۔

اس نے اپنی دانست میں دشمن کے خطرناک حد تک نزدیک جاکر اپنے ہیلی کاپٹر میں نصب کیمروں کے ذریعے انتہائی خطرناک زاویوں سے دشمن کی پوزیشنوں کی تصویریں اتاریں۔

اس دوران بریگیڈئر صاحب اسے مسلسل واپسی کی تلقین کرتے رہے تھے---شاید وہ یہاں بھی دشمن کی نظروں میں آگیا تھا کیونکہ اب اچانک ہی اس پر دو اطراف سے فائرنگ ہونے لگی تھی۔

لیکن ---اس نے ایسی پوزیشن لے رکھی تھی کہ اب یہ گولیاں اور گولے اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے۔

انتہائی مہارت سے وہ دشمن کے سینے پر مونگ دلتا اپنا ہیلی کاپٹر اڑا کر اب محفوظ علاقے میں پہنچ چکا تھا اور اگلے پندرہ بیس منٹ کی پرواز کے بعد وہ "بیس کیمپ" پر لینڈ کر رہا تھا۔

O

انتہائی خطرناک اور نامساعدہ حالات میں جنرل صاحب سکردو کے فوجی ہیڈ کوارٹر تک پہنچے تھے۔

یہاں سے سیاچن گلیشیر 150 میل دور تھا اور ہیڈ کوارٹر سے 65 میل دور "خپلو" تک صرف ایک چھوٹی سڑک ٹریکٹر اور ٹرالیوں کے لئے بنائی گئی تھی۔ جنرل صاحب کو علم تھا کہ "خپلو" سے ساٹھ ستر میل کی دوری تک اگر انہیں "سلتورو" پہاڑی سلسلے تک جانا ہو تو وہاں پہنچنے میں کم از کم ایک ہفتہ لگ جائے گا۔

سکردو ہیڈ کوارٹر میں جنرل صاحب کی آمد سے پہلے تمام افسران مستعد تھے۔اس وقت بریفنگ ہال میں انتہائی اہم میٹنگ چل رہی تھی۔

کیپٹن عارف کی اتاری ہوئی تصاویر---

انٹیلی جنس رپورٹس اور جی ایچ کیو کے تازہ ترین کلرز سب یہاں ایک میز پر سلیقے سے سجے تھے۔

جنرل صاحب نے باری باری ہر ایک رپورٹ اور تصاویر کا جائزہ لیا تھا۔ ایک آزمودہ جرنیل ہوتے ہوئے وہ جانتے تھے کہ دشمن نے انہیں زبردست "سرپرائز" دیا ہے---

لیکن ---اپنے کم ترین وسائل کے باوجود انہیں ایک لمحے کے لئے بھی اپنی کمزوری کا احساس نہیں ہوا تھا۔

دشمن نے انہیں براہ راست چیلنج دیا تھا۔

دشمن مکمل تیاری کے بعد میدان کارزار میں آیا تھا جبکہ انہیں کبھی گمان بھی نہیں گذرا تھا یوں بھی ایک محدود بجٹ میں پاکستان آرمی ایسے ایڈونچرز کا خطرہ مول نہیں لے سکتی تھی۔

جنرل صاحب جانتے تھے کہ میدان کارزار میں جنگی منصوبوں کے مطابق فوج کی انتظامی ضروریات، گولہ بارود، اسلحہ، راشن، مواصلات کا مربوط انتظام، طبی مراکز وغیرہ

کی فراہمی کے لئے باقاعدہ جامع منصوبہ بندی کی جاتی ہے-- اور خصوصاً ذرائع آمدورفت ایسی کسی بھی منصوبہ بندی میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں--

اگر ان کے پاس بھارتی فوج کی طرح تمام وسائل آ بھی جاتیں تو بھی انہیں دشمن کے سامنے مورچہ بند جوانوں تک سڑکوں کے ذریعے ہی پہنچایا جائے گا جبکہ یہاں تو سڑک کیا کوئی ایسا مستقل راستہ بھی نہیں تھا جس پر سفر کر کے منزل تک رسائی حاصل کی جاسکتی---

ان حالات میں کسی بھی انتظامی منصوبے Logistic Plan کو عملی شکل دینا کیسے ممکن ہو گا؟

اور---جوانوں تک اگر سامان حرب وضرب ہی نہ پہنچا تو جنگ کیسے جیتی جائے گی؟

دشمن نے جنرل صاحب کو دنیا کے مشکل ترین محاذ پر دعوت مبارزت دی تھی۔ 24 ہزار فٹ سے بلند برفانی چوٹیوں اور دنیا کے خطرناک ترین گلیشیئر سے گھرا یہ برف زار--جہاں انسان تو کیا بھوت پریت بھی زندہ رہنے کا تصور نہیں کر سکتے تھے--

سیاچن کے علاوہ چولونگ، گیانگ، بلافون اور کندوس گلیشیئر پر بھی انسانی آبادی کا نام و نشان دکھائی نہیں دیتا تھا--

ان گلیشیئرز کے نزدیک ترین انسانی آبادیاں "سالتورو اور کندوس" کی وادیوں میں موجود ان چھوٹے چھوٹے دیہاتوں پر مشتمل تھیں جو مہذب دنیا سے مہینوں کٹے رہتے تھے---

یہاں کے مکین زندگی کی بنیادی ضروریات یہاں سے قریباً سینتیس میل کی دوری پر واقع "خپلو" سے خرید کر ذخیرہ کر لیتے اور مہینوں اسی ذخیرے کے ساتھ زندگی گذارتے۔

"سالتورو" سے "خپلو" تک کا سفر ہی عام انسان کے بس کی بات نہیں تھی--تنگ اور انتہائی دشوار گزار پہاڑی راستوں کے علاوہ راستے میں آنے والے دریائے کندوس،

دریائے شیوق اور کئی چھوٹے بڑے ندی نالوں کو عبور کرنا پڑتا تھا---

ان دریاؤں پر کوئی لکڑی کا پل بھی موجود نہیں تھا---

دریا کے دونوں کناروں پر بنے ستونوں سے بندھی ہوئی لوہے کی موٹی تار سے منسلک ٹرالی یا بھیڑ بکریوں کی کھالوں سے مقامی طور پر بنائی جانے والی "رافٹ" Raft جسے مقامی زبان میں "زخ" کہتے ہیں کے علاوہ کوئی اور ذریعہ نہ تھا--ٹرالی میں ایک وقت میں ایک آدمی اور ہفتے میں ایک مرتبہ چلنے والی "رافٹ" میں زیادہ سے زیادہ چھ آدمی ایک وقت میں دریا عبور کیا کرتے تھے وادی سلتورو اور کندوس تک رسائی جان جوکھوں میں ڈالے بغیر ممکن نہیں تھی---!!

ان حالات میں ان وادیوں سے بھی آگے کوہ سالتورو کے دروں پر قابض بھارتی فوج سے انہیں لوہا لینا تھا--کیونکہ چولانگ، گیانگ، بلافون اور کندوس گلیشیئرز کا نقطہ آغاز ہی ان آبادیوں سے 25 تا 30 میل دور تھا---

اور---گلیشیئر کے دہانوں سے کوہ سالتورو پر واقع دروں کا سفر مزید دس سے پندرہ میل بنتا تھا---

ان خطرناک گلیشیئرز کی ناہموار سطح اور دشوار گذار راستوں پر ایک وقت میں بمشکل ایک آدمی چل سکتا تھا--اور ایک لمحے کی غفلت اسے ہزاروں فٹ کی گہرائی میں پھینک سکتی تھی---

قدرتی آفات اس سے سوا تھیں--

موسم بے اعتبار تھا--یہاں موسم کی پیشین گوئی اگر ناممکن نہیں تو ممکن بھی نہیں تھی۔ کسی بھی وقت کوئی "ایوالانچ" آتی---

کسی بھی لمحے کوئی سلائیڈ آتی تو ان سے بچنے کا کوئی راستہ باقی نہ رہتا تھا۔ ایسے برفانی

طوفانوں کا نتیجہ صرف موت تھا موت---!!

O

جنرل صاحب کے سامنے نقشوں پر بھارتی فوج کی ممکنہ مورچہ بندی کی مارکنگ کر دی گئی تھی ان کے جہاندیدہ نگاہوں نے جہاں نقشوں کا جائزہ لے لیا تھا وہیں اپنے گرد اگرد موجود ایس ایس جی (کمانڈوز) کے بریگیڈیر ترنی، ایم ناردرن لائٹ انفنٹری کے افسران اور اپنے ساتھیوں کے چہروں اور آنکھوں میں دشمن کو تباہ کر دینے کے لئے موجود نفرت کی شدت کا بھی بخوبی اندازہ لگا لیا تھا۔

ان کا حوصلہ دوچند ہو گیا---

یہ ہتھیاروں کی نہیں جذبوں کی جنگ تھی---

جنرل صاحب جان گئے تھے کہ دشمن کے پاس ان کے مقابل بے پناہ وسائل ہیں۔

دشمن تربیت یافتہ ہے---

وہ تو 62ء میں چین کے ہاتھوں پٹنے کے بعد سے مسلسل آج کے لئے اپنے جوانوں کی تربیت کر رہا تھا۔

لیکن---ان افسران کی آنکھوں میں اس کے لئے موجود قہر دیکھ کر جنرل صاحب نے بخوبی اندازہ کر لیا تھا کہ دشمن کسی تاریخی غلطی کا مرتکب ہو چکا ہے---

نقشے پر نظریں دوڑانے کے بعد انہوں نے اپنے افسران کی طرف دیکھا---!

اپنے جرنیل کی آنکھوں میں موجود سوال کو سب سے پہلے ایس ایس جی کے بریگیڈیر صاحب نے پڑھا۔

"ہم تیار ہیں سر"---

بے ساختہ ان کے منہ سے نکل گیا۔

"We too سر!" (ہم بھی جناب)

ناردرن لائٹ انفنٹری کے کرنل صاحب نے تن کر کہا۔

جنرل صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ جاگ اٹھی۔

"آگے بڑھو اور دشمن کو روند ڈالو"---

ان کے لہجے میں رعد کڑک رہی تھی۔

"سر"---

"سر"---

"سر"---

زمین پر اپنے پاؤں کی ایڑیاں بجاتے ہوئے شیر دل افسران نے ان کے حکم پر صاد کیا۔

اپنے افسران کے ساتھ ہی جنرل صاحب بھی باہر آ گئے تھے۔ وہ خود اسی حملے کی کمان کرنے کے لئے اگلے مورچوں کی طرف جا رہے تھے۔

جنرل صاحب نے تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر دشمن کی پوزیشنوں کا فضائی جائزہ لینے کا فیصلہ کیا تھا کیونکہ اس مرحلے پر وہ اپنے افسروں اور جوانوں کو ہرگز اکیلے نہیں چھوڑ سکتے تھے---

کیپٹن عارف کے ساتھ ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر جنرل صاحب دوسرے ہیلی کاپٹروں کی معیت میں محاذ جنگ کی طرف پرواز کر گئے۔

گلگت اور سکردو میں موجود پاکستان آرمی کے جوانوں کو کل رات ہی سے "سٹینڈ ٹو" کر دیا گیا تھا اور اب ایس ایس جی کی ایک کمپنی اور ناردرن لائٹ انفنٹری کی ایک بٹالین کے ساتھ پاکستانی فوج کے افسر اور جوان "سالتورو" پہاڑ کے دونوں دروں "بلافون لا" اور "سیالا" کی طرف بڑھ رہے تھے۔

یہ راستے ان میں سے بہت سوں کے لئے اجنبی سہی، لیکن اس زمین سے ان کی نسبت اتنی مضبوط تھی کہ وہ خود کو ایک لمحے کے لئے بھی اجنبی ماحول میں محسوس نہیں کرتے

تھے---

سکردو سے انہیں 150 میل کا فاصلہ طے کر کے دشمن سے نبرد آزما ہونے کا حکم ملا تھا جبکہ یہاں سے صرف 65 میل دور تک کچی سڑک تھی جس کے بعد برفیلے پہاڑوں سنگلاخ چٹانوں، خطرناک گہرائیوں اور موت کے منہ میں لے جانے والے برفانی غاروں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جاتا تھا۔

اس مرحلے پر ایوی ایشن کے پائلٹوں نے تاریخ کا ناقابل فراموش کارنامہ انجام دیا۔ بھارتی فوج کے جدید ایم آئی۔26 اور ایم آئی۔17 ہیلی کاپٹروں کے مقابلے میں انہوں نے اپنے پرانے الویٹ Alovette اور پوما Puma کے ذریعے اپنے افسروں اور جوانوں کو انڈین آرمی کے قائم کردہ مورچوں کے سامنے سترہ اور اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی پر جبکہ سکردو بھی سطح سمندر سے 7500 فٹ بلند ہے۔ اتارنا شروع کر دیا---

ایس ایس جی اور ناردرن لائٹ انفنٹری کے یہ جوان اپنے معمول کے گرم لباس پہنے ہوئے تھے جن کی حیثیت ان موسمی شدائد کے سامنے نہ ہونے کے برابر تھی---

ان بلندیوں پر آکسیجن کی کمی کے اثرات اتنے شدید ہوتے ہیں کہ غیر مانوس افراد کو تو ایک آدھ منٹ بات کرنے کے بعد ہی سانس چڑھنا شروع ہو جاتا ہے---

ایس ایس جی کے جوان جنہیں اگلے ہی روز ان کے ہیڈ کوارٹر سے پہلے گلگت سکردو اور اب یہاں برف زار میں پہنچا دیا گیا تھا۔ جذبہ ایمان سے تو سرشار تھے لیکن جنرل صاحب کو اس بات کا بھی علم تھا کہ اس بلندی پر زندہ رہنے کے لئے جس مخصوص لباس کی ضرورت ہے وہ بھی ان کے پاس موجود نہیں تھا---

پاکستان آرمی کے پاس صرف شمالی علاقہ جات اور آزاد کشمیر کے اونچے محاذوں پر جوانوں کو دی جانے والی گرم وردیوں کے سوا اور کچھ نہیں تھا جبکہ یہاں تو سامان حرب و ضرب بھی مخصوص ہی درکار تھا---

لیکن---اپنے افسران کی طرح ان جوانوں کو بھی سمجھ آ گئی تھی کہ فی الوقت انہیں اسی پر اکتفا کرنا ہے۔ دشمن نے اچانک ہی اپنی مرضی کا محاذ کھول کر انہیں ایک اندھی لڑائی کا چیلنج دے دیا تھا انہوں نے بڑی بے جگری سے دشمن کے اس چیلنج کو قبول کیا---

دشمن کی توقعات کے بالکل برعکس اس کے پوزیشن سنبھالنے کے بمشکل بارہ گھنٹے بعد ہی پاکستانی آرمی کے دستے اس کے سامنے 18 ہزار فٹ کی بلندی پر مورچہ زن ہو رہے تھے یہ جوان جو اپنے افسران کی معیت میں ہیلی کاپٹروں کے ذریعے یہاں پہنچے تھے اپنے معمول کے ہلکے ہتھیار ہی لے کر آ سکے تھے جبکہ "چیتا" سے ان کے ساتھی مقامی پورٹروں کی مدد سے اسلحہ اور گولہ بارود لے کر پیدل ان کی مدد کے لئے ان ناسازگار حالات میں روانہ ہو چکے تھے۔

O

یہاں لینڈ کرنے والے پہلے تین ہیلی کاپٹر میں سے ایک ہیلی کاپٹر پر جنرل صاحب خود سوار تھے۔ اپنے جرنیل کو اپنے درمیان موجود پا کر افسروں اور جوانوں کی حالت دیدنی تھی---اپنی دوربینوں سے وہ دشمن کی پوزیشن دیکھتے تو ان کی آنکھوں میں خون اتر آتا---لیکن فی الوقت وہ سوائے خون کے گھونٹ پینے کے اور کچھ نہیں کر سکتے تھے---

یہ ایسی جنگ نہیں تھی جس میں وہ دشمن پر فوراً ہی حملہ کر دیتے۔ ان کے پاس موجود ہتھیاروں کا فائر سوائے برفانی گلیشیرز میں ارتعاش پیدا کرنے کے فی الوقت کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکتا تھا۔

جنرل صاحب نے ایک قدرے بلند اور بظاہر غیر محفوظ برفیلی چوٹی پر مضبوطی سے قدم جما کر اپنے افسران کی ہمراہی میں سامنے کی صورتحال کا جائزہ لیا اور وہ جلد ہی اس نتیجے پر پہنچ گئے کہ وہ دنیا کی جنگی تاریخ کی سب سے خطرناک۔ انوکھی اور مہنگی ترین لڑائی لڑنے جا رہے ہیں---!

جنرل صاحب نے صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد اندازہ لگا لیا تھا کہ اس جنگ میں برتری اسی کو حاصل ہو گی جو اس لڑائی سے وابستہ انتہائی مشکل انتظامی ضروریات Logistics پر قابو پا سکے---

انہیں ایسی حکمت عملی اپنانا تھی جس کے ذریعے دشمن کے لئے یہ جنگ مہنگی اور مشکل ترین اور اپنے جوانوں کے لئے آسان بنا سکیں---

دشمن کو جھکانے کا ایک ہی ذریعہ تھا کہ اسے بے پناہ اخراجات کے بوجھ تلے دبا کر کچل دیا جائے۔

اور---

جنرل صاحب نے ایسی ہی حکمت عملی تیار کر لی تھی۔

انہوں نے دشمن کے خلاف "لاجسٹک وار" Logistic War" لڑنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اس جنگ کا سارا دارومدار ان کے افسروں اور جوانوں کی بے پناہ قوت مدافعت اور جذبہ ایمانی پر تھا۔

ایک اہم فیصلہ کرنے کے بعد انہوں نے اپنی آنکھوں سے دوربین الگ کی اور حکم کے منتظر اپنے افسران کی طرف پلٹے جو ان کے ساتھ ہی یہاں تک آئے تھے۔

سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی سے انہوں نے آسمان کی بلندیوں کو چھوتے برف زار کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنے جوانوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

"دشمن کے سامنے، دائیں بائیں، اس طرح ڈٹ جاؤ کہ اس کی کمک کے راستے مسدود ہو جائیں---بھارتیوں کو ان کے مورچوں سمیت برف کے اس جہنم میں دفن کر دو---ان کے مورچوں کو ان کے لئے برف کی قبریں بنا دو---اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو---"

کیپٹن عابد کی کمان میں ایس ایس جی کے پانچ جوان اپنے معمول کے لباس میں موجود تھے۔ انہیں بریگیڈیر صاحب نے "بلافون لا" کے اس مشکل ترین محاذ کی طرف پیش قدمی کر کے دشمن کے سامنے انتہائی بلندی پر اپنی پوسٹ قائم کرنے کا حکم دیا تھا۔

انہوں نے اپنے لئے اس راستے کا انتخاب کیا تھا جسے قدیم زمانے میں بلتستان نکیانگ اور یارقند کے درمیان سفر کرنے والے تجارتی قافلے استعمال کیا کرتے تھے۔

اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی پر انہیں بلافون گلیشیر کی انتہائی دشوار گذار سطح پر سفر کرنا تھا۔

اسی درے کے شمال مغرب میں ستو رو گنگ ری اور چھوٹی چوٹی موجود تھی جن کی اونچائی 22 ہزار سے 25 ہزار فٹ تک بلند تھی۔

کیپٹن عابد اور اس کے جوانوں نے مغرب کی نماز بریگیڈیر صاحب کی امامت میں ادا کی اور اب بریگیڈیر صاحب کے ساتھ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اللہ تعالیٰ سے اپنی کامیابی کی دعا مانگنے کے بعد اپنی پیٹھ پر مختصر سامان اور کمر سے رسے باندھے اللہ کے شیر دوں کا یہ جتھہ اپنی منزل کی طرف گامزن تھا۔

بریگیڈیر صاحب ان پر تب تک نظریں جمائے رہے جب تک انہیں اندھیرے کی برفیلی چادر نے اپنے دامن میں نہیں سمیٹ لیا۔

کیپٹن عابد اور اس کے جوانوں کے لئے یہ راستہ اور اس نوعیت کا سفر بالکل اجنبی تھا لیکن

جذبہ ایمانی سے سرشار ایک دوسرے سے رسے باندھے وہ اپنی منزل کی طرف گامزن تھے۔

انہیں اٹھارہ گھنٹے کا طویل اور انتہائی تکلیف دہ سفر کرنے کے بعد اپنی منزل تک رسائی مل سکتی تھی---کیپٹن عابد سب سے آگے تھا---

وہ پھونک پھونک کر قدم رکھتا بار بار اپنے بازو سے بندھے قطب نما کو بھی دیکھتا جا رہا تھا کیونکہ اس سفر میں سب سے زیادہ اہمیت اس بات کو حاصل تھی کہ وہ اپنی سمت نہ کھوئیں۔ چند قدم چلنے کے بعد ان کے سانس پھولنے لگے تھے لیکن اپنی مشکل ترین تربیت کے بل بوتے پر وہ چلتے چلے گئے۔

اٹھارہ گھنٹے کا یہ سفر اٹھارہ صدیوں پر پھیل گیا تھا---

وہ اپنی عسکری تاریخ کے نازک ترین موڑ سے گزر رہے تھے۔ آج انہیں ثابت کرنا تھا کہ واقعی لڑائیاں اسلحہ اور طاقت کے بل بوتے پر نہیں جیتی جاتیں---

جب بھی جوانوں کے قدم ڈگمگاتے وہ اپنے کیپٹن کی جرات دیکھ کر سنبھل جاتے---!

ان اٹھارہ گھنٹوں میں انہوں نے ایک منٹ کے لئے بھی آنکھ جھپک کر نہیں دیکھا تھا--

راستے میں درجنوں مرتبہ سانس لینے کے لئے رکتے---

کیپٹن عابد جانتا تھا کہ اس مہم کا سارا دارومدار ان پر ہے۔ اگر وہ اپنا ہدف حاصل نہ کر پائے اور موسم کی شدائد کے سامنے ہتھیار پھینک دیے تو "بیس کیمپ" میں موجود باقی جوانوں کے حوصلے ٹوٹ سکتے تھے---

اس مہم کی کامیابی پر ہی اگلی ساری حکمت عملی طے پائی تھی۔

اس وقت وہ دس گھنٹے کی طویل مسافت کے بعد ایک پہاڑی درے پر جمی برف سے ٹیک لگائے اپنی گاگلوں میں موجود سرد چائے کے گھونٹ اپنے خشک حلق میں انڈیل رہے تھے---

برفیلے آسمان پر چاند نکل آیا تھا---

شاید قدرت ان جیالوں کو خراج عقیدت پیش کر رہی تھی---

چاند کی کرنیں برف کے سمندر پر پھسل کر عجیب منظر پیدا کر رہی تھیں، انہوں نے اپنے انداز سے عشاء کی نماز ادا کی اور اب کیپٹن عابد ان سے مخاطب تھا۔

"میں نے تمہیں سفر کے آغاز ہی میں بتا دیا تھا کہ ہم کوئی معمول کی مہم انجام دینے نہیں جا رہے۔ مجھے علم ہے تم سب اس جسمانی تکلیف سے گزر رہے ہو جس سے میں گزر رہا ہوں---یہ ماحول ہمارے لئے اجنبی ضرور ہے۔ لیکن یاد رکھنا ہمیں اسی دن کے لئے تربیت دی گئی تھی---ہم نے پہاڑوں، جنگلوں اور دریاؤں میں بدترین حالات کا سامنا کرنا سیکھا ہے۔ یہ ہماری ہی نہیں ایس ایس جی کی ہی نہیں پاکستان آرمی کی عزت کا بھی سوال ہے---حوالدار صاحب! اپنے جوانوں سے کہو ہمیں ساری دنیا پر ثابت کرنا ہے کہ ہم پاکستان آرمی کے کمانڈوز ہیں---ہم دشمن سے ہر چیلنج کا مقابلہ کرتے اس کا منہ توڑ جواب دینے کی ہمت رکھتے ہیں---آؤ اور اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو---"

اس نے اپنے حوالدار صاحب کو مخاطب کیا

"اللہ اکبر"---

چاروں جوانوں نے نعرے بلند کئے۔

انہوں نے جان لیا تھا کہ انہیں بطور خاص اس اعزاز کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ ایک طویل وقفے کے بعد انہوں نے دوبارہ ایک دوسرے کو منسلک کیا اور اس رسے کا سرا کیپٹن عابد کی طرف بڑھا دیا۔

کیپٹن عابد نے اپنی بیلٹ میں رسے کے سرے پر لگی ہک کو پھنسایا اور دوبارہ اپنی جیب سے چھوٹا سا نقشہ نکال کر اس پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور اگلے راستے کا تعین کیا اور اٹھ کھڑا

ہوا---

O

اگلا سفر پہلے سے بھی زیادہ خطرناک تھا--

لیکن---

ان کے بلند عزائم کے سامنے موسمی مذابتلائیاں بھی دم توڑ کر رہ گئیں۔ ان کا ایک ایک قدم من من بھاری ہو رہا تھا۔ لیکن وہ چلتے چلے گئے--

جوانوں کی جسمانی حالت دیکھ کر کیپٹن عابد دل مسوس کر رہ جاتا۔ اس نے ان جوانوں کے ساتھ زندگی کی انتہائی خطرناک مہمات انجام دی تھیں۔

وہ اچھے برے وقت کے ساتھی تھے---

عام حالات میں وہ کبھی اپنے جوانوں کی یہ تکلیف دہ حالت برداشت نہ کر پاتا۔ سپاہی عجب خان چند قدم چلنے کے بعد لڑکھڑا کر گرتا تو ان سب کو زبردست جھٹکا اور دھچکا لگتا--- لیکن وہ ایک دوسرے کو سہارا دیتے چلتے چلے گئے---

سورج اب برف کے اس پتھریلے سمندر کے عقب سے سر نکالنے لگا تھا--- انہوں نے اپنی عینکیں آنکھوں پر چڑھا لیں---

انہیں بتایا گیا تھا کہ سورج کی کرنیں جب برف پر پڑ کر چمک پیدا کرتی ہیں تو آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور بسا اوقات انسان اندھا ہو جاتا ہے۔

بریگیڈیئر صاحب کے ساتھ وائرلیس پر ان کا رابطہ مسلسل قائم تھا--- ہر گھنٹہ بعد وہ انہیں اپنی کامرانیوں سے آگاہ کرتے آ رہے تھے--

بریگیڈیئر صاحب اور وہاں موجود تمام افسران اور جوان اس وقت ظہر کی نماز میں اللہ کے حضور سجدہ ریز تھے۔ انہوں نے بھیگی آنکھوں سے اپنے پیاروں کی سلامتی اور کامیابی کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر دعا مانگی اور اٹھ کھڑے ہوئے--- عین

انہی لمحات میں نزدیکی خیمے سے آپریٹر کی آواز بلند ہوئی۔

"سر۔ کیپٹن عابد آن لائن"---

بریگیڈیئر صاحب قریباً بھاگتے ہوئے فون تک گئے تھے---

تین منٹ بعد وہ تمتماتے چہرے سے باہر نکلے۔

"We Don it--(ہم نے میدان مار لیا)"

انہوں نے شدت جذبات سے قریباً چلاتے ہوئے منتظر افسروں سے کہا۔

"نعرہ تکبیر"

"اللہ اکبر"

پاکستان آرمی کے کمانڈوز فلک شگاف نعرے بلند کر رہے تھے۔

کیپٹن جاوید کے سامنے ایک بڑے نقشے پر لکیریں لگا کر اسے کرنل صاحب نے "گیانگ لا" کی پوزیشن سمجھا دی تھی۔ 19ہزار فٹ کی بلندی پر واقع اس درے کے دونوں پہلوؤں پر 21ہزار اور 23ہزار فٹ بلند چوٹیاں تھیں۔

گیانگ اور سیاچن کے درمیان 18ہزار فٹ اونچا پہاڑ حائل تھا اور اس درے سے سیاچن تک کا سفر بظاہر ناممکن دکھائی دیتا تھا---

"یہ راستہ بہت دشوار گذار ہے لیکن تمہیں یہ منزل سر کرنی ہے۔ تمہیں اس راستے سے سیاچن گلیشیر تک جانا ہے کیونکہ اس گلیشیر کے جنوبی کنارے پر بھارتیوں کا بیس کیمپ زنگ رولما(Zing Rulma) موجود ہے--- کیپٹن جاوید یاد رکھنا اس راستے پر اٹھنے والا تمہارا اور تمہارے جوانوں کا ہر قدم بھارتیوں کو موت کے نزدیک لے آئے گا---

میرے عزیز! کمانڈوز کی عظیم روایات کو زندہ کر دو--- اللہ کا نام لے کر چلتے چلے جاؤ---

اگر ہم دشمن کو یہ "سرپرائز" دینے میں کامیاب رہے اور اس کے سر پر ہم نے اپنی پوسٹ قائم کر لی--- تو اس کا بیس کیمپ بالکل غیر محفوظ ہو جائے گا--- ہمیں دشمن کو برفیلی قبر میں قید کرنے کا حکم ملا ہے۔ اور اس حکم کی تعمیل ہونی ہی چاہیے۔ دشمن نے معمولی جرم نہیں کیا۔ اس نے ہماری سرحدوں کا تقدس پامال کیا ہے--- اور قدرت نے دشمن کے اس گناہ کا حساب چکانے کے لئے تمہارا انتخاب کیا ہے--- جاؤ میرے عزیز!

گلیشیر کے جنوبی کنارے پر اپنی مضبوط پوسٹ قائم کرو۔ تمہارے تعاقب میں ایس ایس جی کی دوسری پلاٹون اب سے پانچ گھنٹے بعد روانہ کر دی جائے گی--- لیکن اس ساری کامیابی کا دارومدار تم پر ہے--- یاد رکھنا۔ "زنگ رولما" کی طرف کسی بھی ممکنہ کارروائی کی صورت میں "بلافون لا" اور "سیالا" میں تمام انڈین پوسٹوں تک سیاچن گلیشیر پر سے گذرنے والے راستے تمہاری گنوں کی زد میں آجائیں گے--- اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔"

کرنل صاحب یہ کہہ کر باہر آگئے---

کیپٹن جاوید اور اس کی کمپنی کے بیس جوان جن میں چار نان کمشنڈ آفیسر بھی شامل تھے۔ کمرے کے باہر ان کے منتظر تھے۔

جاوید نے چند ثانیے کے لئے آنکھیں بند کیں--- اپنے آپ کو یقین دلایا کہ واقعی اسے پاکستان آرمی اور اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم اعزاز سے نوازنے کے لئے منتخب کر لیا ہے---

اور--- دوسرے ہی لمحے وہ باہر آگیا۔

"صوبیدار صاحب رپورٹ"---

اس نے دروازے کے باہر منتظر صوبیدار عنایت اللہ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"دستہ تیار ہے سر!"

صوبیدار عنایت اللہ نے سینہ تان کر ایڑیاں بجائیں۔

ان سے چند قدم کے فاصلے پر پاکستان آرمی کے بیس کمانڈوز تن کر کھڑے تھے۔ کیپٹن جاوید نے آگے بڑھ کر ایک نظر باربار ان کے چہروں پر ڈالی۔ ان کی آنکھوں اور دلوں میں دور اندر تک جھانکا تو اسے دور دور تک خوف کا شائبہ دکھائی نہیں دیا۔

ان جوانوں کی آنکھوں میں دشمن کے لئے نفرت اور غصے کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا--- اس نے اپنے صوبیدار کی معیت میں تمام جوانوں کے سامان حرب و ضرب کا جائزہ لیا۔

جوانوں کو نہ صرف اگلے دو تین روز کے لئے زادِ راہ ساتھ رکھنا تھا بلکہ وہ بھاری مشین گنیں بھی وہ ساتھ لے جا رہے تھے۔

لائٹ ناردرن انفنٹری کے جوانوں کی ایک ٹیم ان کے لئے توپیں لے کر مقامی پورٹرز اور خچروں کی مدد سے ان کے پیچھے پیچھے آنے کی تیاریاں کر رہی تھی۔ امید کی جا رہی تھی کہ اس علاقے کے موسم سے قدرے مزاج آشنا ناردرن انفنٹری کے جوان آرمی کی توقعات پر ضرور پورا اتریں گے۔

ان جوانوں سے کچھ فاصلے پر ایس ایس جی کی ایک اور کمپنی کیپٹن نوید کی کمان میں تیار کھڑی تھی جسے کیپٹن جاوید کے عقب میں روانہ کیا جانا تھا۔

کیپٹن جاوید اور ان کے جوانوں کو ہراول دستہ کی حیثیت سے آگے روانہ کیا جا رہا تھا۔ انہیں ایک اندھی کھائی کی طرف یہ مشن دے کر دھکیلا جا رہا تھا کہ وہ نہ صرف اپنے ٹارگٹ تک پہنچیں بلکہ پورے علاقے کا سروے کر کے اپنے عقب میں آنے والے جوانوں کے لئے محفوظ راستوں کا کھوج بھی لگائیں۔۔۔

کیپٹن جاوید نہ صرف بہترین کمانڈو بلکہ بہترین کوہ پیما بھی تھا۔ اس نے ماضی میں دو مرتبہ ان علاقوں میں خطرناک پہاڑی چوٹیاں سر کی تھیں اور آج اس کے ماضی کی اسی مہارت اور کامیابی کو پیمانہ بنا کر اسے یہ مہم سونپی گئی تھی۔

ایک ''موعنتر'' کی حیثیت سے اس کے مطالعے نے اسے بتا دیا تھا کہ ''ٹمیانگ لا'' کی حیثیت ''سیالا'' اور ''بلافوند لا'' سے بالکل مختلف ہے۔

سیالا اور بلافوند لا تک گلیشیئر پر قدیمی راستے موجود ہیں کیونکہ اٹھارویں صدی میں ان دروں تک بہت سے غیر ملکی سیاح آتے رہے ہیں اور پاکستان آرمی نے ان قدیم راستوں کا کھوج لگا کر ہی انہیں اپنی راہِ گذر بنانا تھا۔

لیکن۔۔۔

یہاں تو معاملات ہی بالکل مختلف تھے۔

''ٹمیانگ لا'' اور اس سے ملحقہ ''بیالا'' کے دشوار گذار اور ناقابلِ عبور راستوں کی طرف شاید ہی ماضی میں کسی مہم جو نے جانے کی ہمت کی تھی۔ اس لئے یہاں پاکستان آرمی نے نہ صرف راستے کھوجنے تھے بلکہ انہیں تراشنا بھی تھا اور پھر انہی راستوں پر سفر کرتے ہوئے ان کے ہمراہیوں نے ان تک پہنچنا تھا۔

کیپٹن جاوید نے اپنے پاس موجود ایک نقشے پر گلیشیئر کے جنوب مشرقی ڈھلانے پر اس خاص ایریا کو اپنا ٹارگٹ بنایا تھا جہاں سے اس کے اندازے کے مطابق بھارتیوں کا انتظامی کیمپ ''زنگ رولما'' بمشکل چھ سات کلومیٹر دور تھا اور اس ڈھلانے پر اگر وہ مورچہ بند ہو جاتے تو بھارتیوں کی سپلائی لائن کٹ جاتی۔

اس نے اپنے جوانوں کے سامنے کھڑے ہو کر مختصر سا خطاب کیا اور انہیں بتایا کہ انہیں پاکستان آرمی نے کس خاص مقصد کے لئے منتخب کیا ہے اور انہیں یاد دلایا کہ وہ پاکستان آرمی کے مایہ ناز کمانڈوز ہیں جنہیں اپنی عظیم روایات کو زندہ رکھنا ہے۔

سب نے آخر میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔۔۔

اس دعا میں یہاں موجود تمام زندہ انسانوں کے ساتھ ساتھ اردگرد کے درخت، پہاڑ اور فضائیں بھی شامل تھیں۔

اس روز مدت بعد لوگوں نے آسمان پر سورج کو اتنی آب و تاب سے چمکتے دیکھا تھا۔ شاید اللہ کے ان پراسرار بندوں پر سورج اپنی توانائیاں نچھاور کر کے انہیں خراجِ تحسین پیش کر رہا تھا۔

شمال کی سمت سے مسلسل چلنے والی برفیلی ہوا نے ان کے چہروں اور آنکھوں کے بھرپور بوسے لئے تھے۔

نارورن انفنٹری کے حوالدار حافظ عبدالرحمن نے قرآنی آیات کی تلاوت کرنے کے بعد انہیں دعاؤں کی زرہ بکتر پہنا دی تھی۔

اب وہ محفوظ ہو گئے تھے---

اب وہ آسمانی اور زمینی شدائد سے لاپرواہ اور بے فکر ہو گئے تھے۔

فرطِ جذبات سے بے قابو کرنل صاحب نے کپتان سے لے کر اس قافلے کے ہر جانباز کو باری باری اپنے سینے سے لگا کر اپنی دھڑکنوں میں سمو لیا تھا۔

ان کی کمپنی کے باقی ساتھی ان سب سے باری باری بغل گیر ہو کر ان کی خوش بختی پر انہیں مبارکبادوں سے نواز رہے تھے۔

فضائیں دست بہ دعا تھیں---

ہوائیں ان کی کامرانیوں کے لئے اپنے بازو پھیلا رہی تھیں۔

اچانک ہی صوبیدار عنایت اللہ کا نعرہ مستانہ بلند ہوا۔ "نعرہ تکبیر" اور وہاں موجود ہر ذی شعور نے پھیپھڑوں کی پوری قوت کے ساتھ "اللہ اکبر" کہا۔

ان ہی فلک شگاف نعروں کے جلو میں ایس ایس جی کے جانباز اپنے مختصر زادِ راہ، نامکمل سامان، انتہائی نامساعد حالات لیکن مکمل اعتماد کے ساتھ جانبِ منزل رواں دواں ہوئے کیپٹن جاوید ان شیر دل غازیوں کی کمان کر رہے تھے---!

وہ ایس ایس جی کی روایات کے مطابق سب سے آگے تھے--- جوانوں نے پانچ پانچ کی ٹولیوں میں ایک دوسرے کو اپنی اپنی کمر سے بندھے نائلن کے مضبوط رسے سے باندھ لیا تھا۔ انہیں ایک ایک قدم پھونک پھونک کر اٹھانا تھا اور چالیس گھنٹے کی طویل اور جان لیوا ریاضت کے بعد منزلِ مقصود تک پہنچنا تھا۔

غازیانِ صف شکن کا قافلہ رواں دواں تھا۔

وہ جس زمین پر سفر کر رہے تھے۔ اس زمین نے صدیوں سے انسانی قدموں کی دھمک محسوس نہیں کی تھی۔ یہاں کے پہاڑوں کے لئے انسان اور چرند پرند بالکل اجنبی تھے---

لیکن---

انہوں نے غازیوں کی آمد کو اپنے لئے چیلنج بنا لیا تھا۔

اپنی تربیت اور ذہانت کے بل بوتے پر کیپٹن جاوید اس قافلے کے ساتھ چل رہا تھا۔ اس نے چار گھنٹے مسلسل سفر کرنے کے بعد اندازہ کر لیا تھا کہ اس سے آگے مسلسل چلنا جوانوں کو زبردستی موت کے منہ میں دھکیلنے کے مترادف ہو گا۔

چار گھنٹے کے بعد جوانوں کو پہلا پڑاؤ نصیب ہوا۔ انہوں نے اپنی گاگلوں سے جو وردیوں کے اندر محفوظ کی گئی تھیں۔ کیونکہ باہر تو ان میں موجود پانی کے منجمد ہونے کا خطرہ موجود تھا۔ دو دو گھونٹ پانی اپنی جیبوں میں موجود کچھ گولیوں کے ساتھ اپنے حلق میں انڈھیلا۔

یہ گولیاں انہیں ڈاکٹر صاحب نے اس سخت ہدایت کے ساتھ دی تھیں کہ انہیں ضرور استعمال کرنا ہے اور کیپٹن جاوید نے بطورِ خاص یہ کہا تھا کہ وہ ہر جوان کو اپنی نگرانی میں یہ دو دو گولیاں کھلائے---

آدھا گھنٹہ تک یہاں ستانے اور تھوڑا سا منجمد کھانا کھانے کے بعد وہ پھر اپنی منزل کی طرف چل پڑے اگلے چھ گھنٹے تک وہ مسلسل چلتے رہے۔

ان کے جذبے ضرور جوان تھے۔

ان کے عزائم ضرور ناقابلِ تسخیر تھے۔

لیکن---

گوشت پوست اور ہڈیوں کے مرکب وہ کمانڈوز بہر حال جیتے جاگتے انسان تھے۔ ان کا مقابلہ پتھریلے پہاڑوں اور منجمد برفانی قبرستان سے آن پڑا تھا۔ جنہوں نے آج سے

پہلے انسانوں کی شکل ہی نہیں دیکھی تھی۔ ایسے موسمی قہر سے وہ نا آشنا تھے۔
ان کے پاؤں کی انگلیاں مسلسل حرکت کے باوجود سن ہو رہی تھیں--- ان کے ہاتھ مسلسل حرکت کے باوجود منجمد ہو رہے تھے۔
کمر پر لدے بوجھ کا وزن کئی گنا بڑھ گیا تھا۔
کندھوں پر موجود کینوس کی مضبوط پٹیاں ان کے جسم میں اتر رہی تھیں--- چند قدم چلنے پر سانس اکھڑنے لگتا تھا۔
برفیلی ہوا نیزے کی انی کی طرح اس کے جسموں سے آرپار ہو رہی تھی۔ اپنی دانست میں انتہائی گرم کپڑے پہنے ان کمانڈوز کو یوں لگتا تھا جیسے برف باری میں وہ ننگے جسم چل رہے ہوں۔ گو کہ ان کے جسم کا ہر قابل ذکر حصہ گرم کپڑوں میں چھپا تھا۔
لیکن--- برفیلی ہوا کپڑوں سے گزر کر جسم میں سرایت ہوتی اور انہیں اپنا خون منجمد ہونے کا احساس دلاتی تھی۔
کیپٹن جاوید جب دیکھتا کہ کسی جوان کی حالت انتہائی بگڑنے لگی ہے تو اسے اپنے ساتھ چمٹا لیتا۔ اس کے ساتھیوں کو ہدایت کر دیتا کہ وہ اسے اپنے درمیان رکھ کر اس کے جسم کو گرم کرنے کی کوشش کریں۔
ان کے پاس چالیس گھنٹے کی اس طویل سفر کے لئے صرف وہ کیروسن آئل کے "جیری کین" تھے۔ اس سے زیادہ وہ اٹھا ہی نہیں سکتے تھے۔
کیپٹن جاوید نے ان دونوں "جیری کین" کو ابھی بالکل استعمال نہیں کیا تھا۔ 20 گھنٹے کی جان لیوا مسافت کے بعد اس نے پہلی مرتبہ ایک پہاڑی درے میں قدرے محفوظ کنج تلاش کرنے کے بعد صوبیدار صاحب سے کہا تھا کہ وہ ایک چولہا جلا کر ہیٹکوں میں بند یخنی جوانوں کو گرم کر کے پلا دیں۔
آدھا گھنٹہ کی مشقت کے بعد وہ اس منجمد یخنی کو بمشکل پگھلانے میں کامیاب ہوئے

تھے۔ تمام جوانوں کو آدھا آدھا مگ پلانے کے بعد کیپٹن جاوید نے آدھا مگ اپنے حلق میں انڈیلا تھا اور اب وہ اپنے پاس موجود چاکلیٹ اپنے منہ میں رکھنے کے بعد دوبارہ سوئے منزل گامزن ہوئے تھے۔

اس دوران کیپٹن جاوید کا رابطہ ہیڈ کوارٹر سے مسلسل قائم رہا۔
ان کی طرف سے جانے والی ہر کامیابی کی خبر سے "بیس کیمپ" میں موجود ان کے ساتھیوں کے حوصلے دوچند ہو جاتے۔
کیپٹن جاوید نے اس بات کا بخوبی اندازہ کر لیا تھا کہ اس کے بیشتر جوانوں کی حالت ناقابل یقین حد تک بگڑ چکی ہے اور عین ممکن ہے کہ 22 ہزار فٹ کی بلندی پر جہاں انہوں نے اپنی پوسٹ قائم کرنی تھی وہ زیادہ دیر تک زندہ بھی نہ رہ سکیں۔
لیکن---- اس نے ابھی تک "بیس کیمپ" کو سب اچھا کی رپورٹ ہی دی تھی۔
ان کی طرف سے "گیانگ لا" کے نزدیک پہنچنے کی خبر ملنے پر البتہ ناردرن لائٹ انفنٹری کی ایک کمپنی کو ان کے تعاقب میں روانہ کر دیا گیا تھا۔ اس کمپنی کے ساتھ ایک ڈاکٹر کو بطور خاص بھیجا گیا تھا جبکہ ابتدائی طبی امداد کے لئے کچھ ادویات کیپٹن جاوید کے ساتھی اپنے ساتھ لے کر آئے تھے جواب کم پڑتی جا رہی تھیں۔
اس علاقے میں "ہائی کنگ" کرنے کی وجہ سے اسے کچھ آشنائی ضرور حاصل تھی اور اسی آشنائی کے بل بوتے پر اس نے اندازہ لگایا کہ وہ اب منزل کے نزدیک پہنچ گئے ہیں۔
چالیس گھنٹے کی یہ مسافت انہوں نے حیرت انگیز طور پر 35 گھنٹے میں طے کر لی تھی لیکن منزل پر پہنچنے کے فوراً بعد صوبیدار عنایت اللہ نے جوانوں سے متعلق جو رپورٹ دی وہ بڑی شدید تشویشناک تھی۔
ایک لانس نائیک اور دو جوان شدید زخمی اور بیمار تھے۔ گو کہ وہ سب باری باری ایک

دوسرے سے بھاری سامان منتقل کرتے یہاں تک آئے تھے ان تینوں کی کمر سے خون بہہ کر کپڑوں پر جم چکا تھا لیکن کیا مجال جو عزم و عمل کے ان پیکروں نے ایک لمحے کے لئے بھی اپنے زخموں کی خبر اپنے ساتھیوں کو ہونے دی۔

جب وہ 20 ہزار فٹ کی بلندی پر اپنی پوسٹ قائم کر رہے تھے اور ایک قدرے محفوظ تودے کی آڑ میں انہوں نے نائلن اور کینوس کا مضبوط خیمہ نصب کر کے اندر دونوں چولہے روشن کئے تو کیپٹن صاحب کے علم میں یہ بات آئی۔

ان کے دل میں اپنے جوانوں کے لئے پہلے سے موجود احترام کئی گنا بڑھ چکا تھا اور انہیں اب یقین ہونے لگا تھا کہ دنیا کی کوئی طاقت انہیں شکست نہیں دے سکتی۔

تینوں جوانوں کو انہوں نے اوندھے لٹا کر ان پر اپنے پاس موجود چھ سات کمبل ڈال دیئے تھے۔ ابتدائی طور پر درد اور بخار کو روکنے والی کچھ گولیاں انہیں کھلا کر کیپٹن جاوید نے جوانوں کو کھانا بنانے کے لئے کہا تھا۔

یہ کھانا وہ ٹین کے ڈبوں میں بند اپنے ساتھ ہی یہاں تک لائے تھے لیکن یہ الگ بات کہ اب ان ڈبوں میں موجود کھانا منجمد ہو چکا تھا۔ ان کی گاگلوں میں موجود پانی نے برف کی صورت اختیار کر لی تھی اور انہیں پینے کے لئے بھی پانی گرم کرنا پڑ تا تھا۔

ان کی زندگیوں کا انحصار یہاں تک پہنچنے والی کمک پر تھا۔ جس کا کچھ اندازہ نہیں تھا کہ وہ کب ان تک پہنچے گی۔

اپنے وائرلیس سیٹ پر کیپٹن جاوید نے جب "بیس کیمپ" کو اطلاع دی کہ انہوں نے چولانگ لا میں 20 ہزار فٹ کی بلندی پر اپنی پوسٹ قائم کر لی ہے تو کرنل صاحب فوراً سجدہ شکر ادا کرنے لگے۔۔۔

تمام جوانوں میں ناقابل بیان خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔

"جوانوں کی اطلاع۔۔۔"

اس مرتبہ بریگیڈیر صاحب نے خود اس سے سوال کیا تھا۔

"سر! تین جوان شدید زخمی اور بیمار ہیں۔ ادویات ختم ہیں۔ کیروسین آئل اگلے دو گھنٹے بعد ختم ہو جائے گا۔۔۔"

کیپٹن جاوید کے لئے اب کچھ چھپانا آرمی رولز کی خلاف ورزی سمجھا جاتا۔

"ڈٹے رہو۔۔۔ ہم ہیلی کاپٹر بھیجنے کی کوشش کرتے ہیں"

بریگیڈیر صاحب نے ان کا حوصلہ بڑھایا۔

"جوانوں کا مورال بلند ہے سر! ایک دم تیار بر تیار ہیں سر!"

اسے اپنے عقب سے صوبیدار عنایت اللہ کی آواز سنائی دی۔

"میں جانتا ہوں"

اس نے انگریزی میں بڑبڑاہٹ کے انداز میں کہا۔

کیپٹن جاوید سمیت کسی بھی جوان کی جسمانی حالت ٹھیک نہیں تھی۔ اونچائی اور آکسیجن کی کمی کی وجہ سے ان کے سر میں درد ہو رہا تھا اور وہ سر درد کے لئے گولیاں مسلسل استعمال کر رہے تھے۔

لیکن۔۔۔ کیا مجال جو شجاعت و وفا کے ان پیکروں نے ایک لمحہ کے لئے بھی کسی قسم کا شکوہ کیا ہو!

وہ سب اپنے فرائض اور ڈیوٹی کی اہمیت سے بخوبی آگاہ تھے۔

انہوں نے دو راتوں کے مسلسل سفر کے بعد اپنی منزل پائی تھی اور اب کیپٹن جاوید کے حکم پر تمام جوان خیمے میں آرام کرنے لگے تھے جبکہ کیپٹن جاوید آنکھوں سے دوربین لگائے ایک پتھر پر بیٹھا تھا اور پوسٹ کے دونوں اطراف انہوں نے جو دو مشین گنیں نصب کی تھیں چار جوان ان پر ڈیوٹی دے رہے تھے۔

سورج نے برف کی چادر سے اپنا پورا چہرہ باہر نکال رکھا تھا اور کیپٹن جاوید آنکھوں سے دوربین جمائے اس پہاڑ پر نظریں جمائے ہوئے تھے جس کی دوسری طرف بھارتیوں کا مین کیمپ تھا۔

اچانک ہی اس کی آنکھوں نے پہاڑ کے عقب سے ایک دیو ہیکل ہیلی کاپٹر کو بلند ہوتے دیکھا یہ بھارت کا "لاما" ہیلی کاپٹر تھا جو معمول کی پرواز پر اڑا تھا۔ شاید اسے علاقے کا سروے کرنے کے لئے اڑایا گیا تھا۔

یہ پوسٹ ایسی جگہ قائم کی گئی تھی جہاں پر ہیلی کاپٹر کے ذریعے انڈین آرمی کی لینڈنگ ناممکن تھی لیکن کیپٹن جاوید ہی کیا اس کے تمام ساتھی بھی یہ بات اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ان کی پوسٹ اتنی زیادہ محفوظ نہیں کو دشمن کو دکھائی ہی نہ دے سکے۔

ہیلی کاپٹر گن شپ تھا---

کیپٹن جاوید کا ماتھا فوراً ٹھنکا۔

"Get Up"---

اس نے فوراً اپنے عقب میں گارڈ ڈیوٹی پر موجود حوالدار سے کہا جس نے ایک لمحہ توقف کئے بغیر خیمے میں سردی سے کروٹیں بدلتے اپنے ساتھیوں کو خبردار کر دیا۔

دوسرے ہی لمحے تمام کمانڈو خیمے سے باہر تھے۔

چولہا بجھا کر انہوں نے صوبیدار عنایت اللہ کے اشارے پر بمشکل دو منٹ میں خیمے کو گرا کر اس طرح لپیٹ دیا تھا کہ وہ دور سے دکھائی نہ دے اور خود پہلے سے منتخب کردہ جگہوں پر منتقل ہو گئے تھے۔

تینوں زخمیوں کو کیپٹن جاوید کی ہدایت پر اس کے ساتھیوں نے برفیلی چٹانوں پر بنائی اس پوسٹ کے سب سے محفوظ کونے میں بٹھا کر ان پر اس طرح کمبل ڈال دیئے تھے کہ ان کے جسم مکمل "کیموفلاج" ہو جائیں۔

"ہیلی کاپٹر پر کوئی فائر نہیں ہو گا جب تک میں اشارہ نہ کروں"---

یہ کہہ کر کیپٹن جاوید نے زقند بھری اور ایک بڑے پتھر کی اوٹ میں بیٹھ کر ہیلی کاپٹر پر نظریں جما دیں۔

اب ہیلی کاپٹر اتنا نزدیک آ گیا تھا کہ اس کے انجنوں کی آواز انہیں صاف سنائی دینے لگی تھی۔

کمانڈوز سانس روکے اگلے حکم کے منتظر تھے۔

کیپٹن جاوید کو اس تلخ حقیقت کا شدت سے ادراک تھا کہ برف کے اس دوزخ میں وہ اس ہیلی کاپٹر کا بظاہر کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ ان کے پاس معمول کا اسلحہ تھا یا پھر دو مشین گنیں جن سے عام حالت میں فائرنگ کرنا ان کے لئے قطعی ناممکن تھا۔ صرف ایک ہی صورت تھی کہ ہیلی کاپٹر ان کی مکمل رینج میں آ جائے اور وہ اسے مار گرائیں۔

ہیلی کاپٹر اب ان کے بالکل سامنے قدرے بلندی پر آ چکا تھا--- ابھی تک اس کے پائلٹ نے شاید کوئی غیر معمولی نقل و حرکت نوٹ نہیں کی تھی۔

لیکن--- اچانک ہی اس نے اپنا رخ بدلا اور وہ سیدھا ان کی طرف آنے لگا۔

کیپٹن جاوید نے اپنے دائیں ہاتھ موجود مشین گن پر بیٹھے صوبیدار عنایت اللہ کو اشارے سے تیار رہنے کے لئے کہا اور اپنی گن اس کی طرف سیدھی کر لی۔

شاید ہیلی کاپٹر کا پائلٹ اپنے شک کی تصدیق کرنے آ رہا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرنے کے لائق ہو۔ کیپٹن جاوید نے کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

ہیلی کاپٹر ان کی نظروں کے بالکل سامنے ان کے سروں سے بمشکل تیس چالیس فٹ بلند تھا۔

پائلٹ کو اپنے شک کی تصدیق ہو گئی تھی اور اس نے افراتفری ہی میں ان پر فائرنگ شروع کی تھی کیونکہ اس کی چلائی ہوئی گولیاں ان سے کچھ فاصلے پر برف میں دھنس

رہی تھیں۔

اس سے پہلے کہ وہ اپنا چکر مکمل کرتا اچانک ہی صوبیدار عنایت اللہ نے اپنی گن سیدھی کی اور پہلے سے سائٹ میں آئے ہوئے ہیلی کاپٹر پر گولیوں کی بارش کر دی، دوسرے کونے پر کیپٹن جاوید نے بھی ایک لمحے کا توقف کئے بغیر ہیلی کاپٹر کے بائیں پہلو کو ایک سائٹ میں لیا اور مشین گن کا ٹریگر دبا دیا۔

دونوں کی چلائی گئی تمام گولیاں ہیلی کاپٹر میں لگی تھیں اور بالکل یوں جیسے کسی ماہر نشانہ باز نے اپنی مرضی کے ٹارگیٹ منتخب کر کے وہاں فائرنگ کی ہو کیونکہ ہیلی کاپٹر کا پائلٹ انہیں منہ کے بل سامنے گرتا نظر آیا کیپٹن جاوید کی گولیاں سامنے کی سکرین توڑ کر اس کے منہ اور سینے میں لگی تھیں جبکہ صوبیدار عنایت اللہ کی گولیوں نے اس کی ٹینکی اڑا دی تھی۔

خیریت گذری کہ ہیلی کاپٹر ان کے سروں سے گزر کر کافی آگے جا چکا تھا لیکن اس کے زوردار دھماکے سے پھٹنے اور گلیشیر پر بکھرنے کا منظر انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

فرط مسرت اور جوش غضب سے ان سب کی حالت دیدنی ہو رہی تھی۔ تمام جوان پوری قوت سے "اللہ اکبر" کے نعرے لگا رہے تھے۔

کچھ یہی کیفیت ان کے بیس کیمپ پر بھی طاری تھی۔

وائرلیس سیٹ سے بریگیڈیئر صاحب نے فائرنگ کی آوازیں سنی تھیں اور سیٹ آپریٹر حوالدار لہراسپ خان انہیں ایک ایک لمحے کی رپورٹ دے رہا تھا۔

بھارتی ہیلی کاپٹر کو اس کے پائلٹ سمیت جہنم رسید کرنے کے بعد کیپٹن جاوید نے خود ساری رپورٹ بریگیڈیئر صاحب کو دی تو فرط مسرت سے ان کا چہرہ تمتمانے لگا۔ انہوں نے اپنے نزدیک موجود کرنل صاحب اور دوسرے افسران تک یہ خوشخبری منتقل کی اور سارا کیمپ "اللہ اکبر" کے نعروں سے گونجنے لگا۔

بھارتی فوج سے اس کی جارحیت کی پہلی قیمت پاکستانی کمانڈوز نے موصول کر لی تھی۔۔۔!

"زنگ رولما" میں موجود کرنل کمار کو پائلٹ کی طرف سے کچھ مشکوک نقل و حرکت کا پیغام ملا جس کے بعد پائلٹ نے تصدیق کی اور فائرنگ کی آواز بھی سنائی دی تھی۔ اس کے بعد سے ان کا رابطہ کٹ گیا تھا۔

لیکن۔۔۔ فائرنگ اور دھماکے کی زوردار آوازیں اس نے اپنے کانوں سے سن لی تھیں کیونکہ ہیلی کاپٹر کا ریڈیو مسلسل آن رہا۔

اسے یہ اندازہ لگانے میں قطعاً دیر نہیں لگی کہ ان کا ہیلی کاپٹر اپنے پائلٹ سمیت جہنم رسید ہو چکا ہے۔

کرنل کمار کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنی جلدی "چولونگ لا" میں پاکستانی پہنچ سکتے ہیں یہ تو اس گلیشیر کا دشوار ترین علاقہ تھا اور یہاں دشمن کی موجودگی کا مطلب تھا ان کی تباہی۔ اس علاقے کو پاکستانی فوج کے لئے دشوار گزار جان کر ہی تو انہوں نے اپنا بیس کیمپ اس طرف بنایا تھا۔

ایک لمحے کے لئے تو وہ دہل کر رہ گیا۔۔۔

اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس کا واسطہ انسانوں سے پڑا ہے یا جنوں سے جو حملے کے دوسرے ہی دن یہاں موجود ہیں۔ اس نے خود اس ایریا میں "ریکی" کی تھی۔ یہاں پندرہ دن گزارنے کے بعد اس نے اس خطرناک ترین علاقے کو بھارتی بیس کیمپ کے لئے منتخب کیا تھا۔۔۔ لیکن یہاں تو معاملہ ہی الٹ ہو رہا تھا۔

با دل نخواستہ اس نے یہ اطلاع جنرل لا چمر تک پہنچا دی۔

"اوہ نو۔۔۔" (Oh No)

بے ساختہ جنرل چبر کے منہ سے نکلا۔
اسے بھی پہلے تو اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔
تمہیں یقین ہے کہ اسے فائرنگ سے گرایا گیا ہے۔۔کوئی اور وجہ تو نہیں"۔۔۔
جنرل چبر نے غصے سے ہونٹ چباتے ہوئے کہا۔
"سر! میرا ابھی یہی گمان ہے۔ فائرنگ کی آوازیں صاف سنائی دی ہیں۔ میجر سنگھ ہمارا بہترین پائلٹ تھا سر! اس کے لئے یہ علاقہ بھی اجنبی نہیں تھا۔ ہمارے پاس ساری گفتگو کی ریکارڈنگ موجود ہے۔"
کرنل کمار نے کہا۔
"او۔ کے۔ مجھے سناؤ"
جنرل چبر اپنی جگہ کھڑا رہا۔
کرنل کمار نے آپریٹر کو اشارہ کیا جس نے ایک بڑی ٹیپ پر لگی نمبرنگ کو آگے پیچھے کرنے کے بعد ٹیپ کا بٹن آن کیا۔
میجر سنگھ کی آواز نمایاں تھی۔۔۔
اس نے پہلے کچھ شک کا اظہار کیا اور کہا تھا کہ وہ ٹارگٹ کو قریب سے دیکھنے جا رہا ہے پھر اس کی آواز سنائی دی کہ اس نے ٹارگٹ کو دیکھ لیا ہے اور اب ان پر فائرنگ کرنے کی اجازت مانگی تھی۔ کرنل کمار کی طرف سے اجازت ملنے پر اس نے فائرنگ کی اور چند لمحے بعد ہی انہیں ہیوی مشین گن کی فائرنگ کی آوازیں سنائی دیں جس کے بعد میجر سنگھ کی طرف سے بمشکل ایک مرتبہ "ایس۔ او۔ ایس" کی آواز سنائی دی پھر ایک زوردار دھماکہ۔۔۔!
"ڈیم اٹ"۔۔۔
جنرل چبر غصے سے چیخ اٹھا۔

اس نے کھا جانے والی نظروں سے کرنل کمار کی طرف دیکھا۔ جو جنرل سے نظریں چرا رہا تھا۔
"کرنل یہ کیسے ممکن ہے۔۔۔وہ لوگ یہاں کیسے پہنچ گئے۔ تمہاری رپورٹس۔۔۔"
اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
"سر۔۔۔ میری رپورٹس کی تصدیق دنیا کا ہر وہ شخص کر سکتا ہے جس نے یہ علاقہ دیکھا ہو۔ میں آج بھی دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ گذشتہ دو سو سال سے کسی سیاح نے اس علاقے کی طرف آنے کی ہمت نہیں کی جہاں سے ہیلی کاپٹر پر فائرنگ ہوئی ہے۔۔۔"
کرنل کمار کا تیقن برقرار تھے۔
"تمہارے خیال سے کیا وہ انسان نہیں ہیں۔"
جنرل چبر نے طنزیہ لہجے میں دریافت کیا۔
"بظاہر تو یہی لگتا ہے سر!"
کرنل کمار نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
"ہے بھگوان۔"
جنرل چبر نے غصے سے ہاتھ میں پکڑی چھڑی سامنے میز پر ماری اور کمرے کے ایک کونے میں لگے بڑے سے نقشے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔
وہ جانتا تھا کہ اس میں کرنل کمار کا کوئی قصور نہیں۔
انہیں انڈین انٹیلی جنس نے بھی رپورٹ دی تھی کہ پاکستانی فوج کے لئے ان علاقوں خصوصاً اس محاذ پر پہنچنا ناممکن ہے۔ شدید موسمی عذاب انہیں راستے ہی میں مار ڈالے گا کیونکہ اس خطرناک موسم اور ماحول کا مقابلہ کرنے کے لئے ان کے پاس مناسب لباس ہی موجود نہیں ہے اور اتنی اونچائی پر تو کسی ذی ہوش کا مناسب لباس کے بغیر زندہ

رہنا معجزہ ہی ہو سکتا تھا۔

بہر حال وجہ کچھ بھی رہی ہو یہ تلخ حقیقت اپنی جگہ قائم تھی کہ پاکستانی فوج ان کی مناسب پذیرائی کے لئے پہنچ چکی ہے اور آغاز ہی میں ان کے ہیلی کاپٹر کے بہترین پائلٹ میجر امریک سنگھ سمیت تباہی سے فوج میں بددلی بھی پھیل سکتی تھی---

جی ایچ کیو میں اس مہم جوئی کے مخالفین ان کے خلاف طوفان اٹھا سکتے تھے۔

اور---اور بہت کچھ ہو سکتا تھا۔

انہیں کچھ نہ کچھ کرنا تھا--

فوراً اور ابھی انہیں کچھ کر گذرنا تھا۔

جنرل چبر جانتا تھا کہ اگر پاکستانی فوج نے یہ معجزہ کر کے دکھا ہی دیا ہے اور وہ لوگ "چولانگ لا" تک پہنچ ہی چکے ہیں تو بمشکل آٹھ دس جوانوں کی کوئی "ریکی" یا پھر ان کا "ہراول" دستہ ہی یہاں پہنچا ہوگا۔

پاکستانی علاقے سے ہیلی کاپٹروں کے ذریعے یہاں فوج نہیں اتاری جا سکتی تھی نہ ہی پاکستان کے پاس بھارت کی طرح بار برداری والے اتنے مضبوط ہیلی کاپٹر موجود تھے۔

یہ لوگ جو کوئی بھی تھے یہاں پیدل پہنچے ہوں گے اور اس کے اندازے کے مطابق "ڈپلو" سے یہاں تک کا سفر کم از کم پچاس گھنٹوں پر محیط تھا۔

اس کے لئے یہ تو ممکن نہیں تھا کہ دشمن کو اپنے سر پر بٹھا کر آرام کی نیند سو سکے اور یہ بات طے تھی کہ ابھی تک ان لوگوں کو کمک بھی نہیں پہنچی ہو گی۔

یہ بہترین موقعہ تھا کہ وہ اپنی بہترین تربیت یافتہ اور جدید ترین سامان حرب و ضرب سے لیس فوج کے ساتھ انتہائی قلیل وسائل رکھنے والے اس پاکستانی دستے کو جس کے قریباً سب ہی جوان ان کے اندازے کے مطابق جسمانی طور پر بہت کمزور ہو چکے ہوں

گے اور جو خود کو صرف زندہ رکھنے کے لئے موسمی شدائد سے نبرد آزما ہوں گے ختم کر دیا جائے---

یہی ایک صورت تھی بھارتی جوانوں کا مورال بلند کرنے کی۔

اس طرح وہ اپنے ہیلی کاپٹر اور بہترین پائلٹ کی موت کا بدلہ لے سکتے تھے۔

پاکستانیوں کی اس پوسٹ کا صفایا کر کے ہی وہ اپنی نظروں میں سرخرو ہو سکتے تھے---

اور---سب سے بڑھ کر یہ کہ جگ ہنسائی سے بچ سکتے تھے۔

پاکستانی میں کیمپ میں ذمہ داران سر جوڑ کر بیٹھے تھے۔ انہیں کیپٹن جاوید کی طرف سے جوانوں کی حالت زار کی مکمل رپورٹس مل گئی تھیں اور ہیلی کاپٹر کی تباہی کے بعد وہ سب یہ جان سکتے تھے کہ بھارتی فوج ان بے وسیلہ کمانڈوز پر کسی بھی لمحے اپنی پوری قوت کے ساتھ حملہ آور ہو گی کیونکہ بھارتیوں کے لئے یہ ہزیمت ناقابل برداشت ہے یوں بھی وہ ابتدا ہی میں پاکستانی فوج کے اس مختصر سے دستے کو ختم کر کے اس علاقے میں اپنی پوزیشن قائم کرنے کی کوشش کریں گے۔

ناردرن لائٹ انفنٹری کے دو دستے مقامی پورٹرز کے ساتھ اس طرف بھیجے جا چکے تھے جن کے ساتھ ایک میڈیم گن بھی تھی۔

لیکن ---اس دستے کے جوانوں کی مدد آنے تک کیپٹن جاوید کے ساتھ دشمن کچھ بھی کر گزرتا کیونکہ اگلے ایک دو گھنٹے میں ان کی پوسٹ پر دشمن کا حملہ یقینی تھا۔

"جہاں تک ممکن ہو ہیلی کاپٹر کے ذریعے سامان جنگ آگے لے جایا جائے--- میں اپنے جوانوں کو ہر گز بے بسی سے مرنے نہیں دوں گا---"

جنرل صاحب نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"ایسا ہی ہو گا سر!"

آرمی ایوی ایشن کے کرنل صاحب نے بڑے اعتماد سے جواب دیا۔

"پوزیشن کیا ہے؟"

اگلا سوال انہوں نے اپنے بریگیڈیئر صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے کیا تھا۔

"سر این ایل آئی (ناردرن لائٹ انفنٹری) کی ایک کمپنی ریزرو میں ہے۔ ہم نے تین تین گھنٹے کے فرق سے دس دس جوانوں کا گروپ بھیجنے کی حکمت عملی اپنائی ہے--- مقامی پورٹرز بہت تعاون کر رہے ہیں اگر موسم نے ہمارا ساتھ دیا تو انشاءاللہ تیس چالیس گھنٹوں تک ہم آٹھ دس گنیں آگے تک لے جانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔"

بریگیڈیئر صاحب نے رپورٹ پیش کی۔

"ویل ڈن---ڈٹے رہو---ہیڈ کوارٹر کو الرٹ رکھو۔ جوانوں کو کسی بھی طرح کوئی کمی کا احساس نہ ہونے دینا۔"

یہ کہہ کر جنرل صاحب ایوی ایشن کے کرنل کی طرف متوجہ ہوئے۔

"ہمارے تین ہیلی کاپٹر پہنچ چکے ہیں سر! اس محاذ کے لئے فی الحال یہی تین موجود ہیں۔ تین اور ہیلی کاپٹر باقی دونوں سیکٹرز کے لئے کام کر رہے ہیں--- موسم کیسا بھی ہو--- میں اگلے دس منٹ میں ضروری سامان کے ساتھ پرواز کر رہا ہوں۔"

کرنل صاحب نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو---"

جنرل صاحب نے ان کی طرف دیکھ کر کہا اور خود نقشے کے مختلف نشان زدہ جگہوں پر انگلی کے اشارے سے اپنے افسران کو ہدایات دیتے رہے۔

دس منٹ بعد کرنل صاحب ایک ایمونیشن اور ضروریات زندگی کے سامان کے ساتھ اپنے ایلویٹ III میں پرواز کر چکے تھے۔

انہوں نے عہد کر لیا تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو کیپٹن جاوید تک ہر ممکن مدد پہنچائی

جائے کیونکہ اس مرحلے پر نہیں اکیلے چھوڑنا کسی بھی فوجی کی غیرت ایمانی کے خلاف تھا۔

O

سہ پہر کے قریباً بارہ بج رہے تھے جب حوالدار لہراسپ خان نے کیپٹن جاوید کو اشارے سے اپنے نزدیک آنے کے لئے کہا کیونکہ اس نے اپنی پوسٹ کی سمت آنے والے راستے پر کچھ مشتبہ نقل و حرکت محسوس کی تھی۔ اس وقت وہ آنکھوں سے دوربین لگائے ڈیوٹی دے رہا تھا۔

"سر---ادھر، اس طرف"

اس نے کیپٹن جاوید کے نزدیک آنے پر اسے ہاتھ کی انگلی سے ایک سمت اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ سورج کی گلیشیر پر پڑنے والی چکاچوند روشنی کے عقب میں کیپٹن جاوید کو جنگی ترتیب سے آگے بڑھتے کچھ سفید پوش دکھائی دے۔

اس نے اندازہ لگا لیا کہ یہ بھارتی فوجی ہیں جنہوں نے جدید جنگی سرمائی وردیاں پہن رکھی ہیں کیونکہ ان پر فضائی حملہ ممکن نہیں رہا تھا اور دشمن نے سمجھ لیا تھا کہ پاکستانیوں نے ایسی پوزیشن لے رکھی ہیں جہاں سے وہ نیلی کاپٹر کا موثر فائر ان پر نہیں گرا سکتے تھے۔ اس لئے ان پر زمینی حملے کا پروگرام بنایا تھا۔

کیپٹن جاوید کو اگلے ہی لمحے دشمن کی ساری حکمت عملی کا ادراک ہو گیا تھا اس نے اندازہ کر لیا تھا کہ بہت جلد ان پر توپ خانے کا فائر گرایا جائے گا جس کے بعد ہی دشمن ان پر حملہ آور ہو گا۔

دوسرے ہی لمحے وہ اپنے زخمی اور بیمار جوانوں میں موجود تھا۔

اس نے جوانوں کے درمیان سامان تقسیم کر کے انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا اور تین مختلف سمتوں میں اس طرح برفیلی چوٹیوں کی آڑ میں چھپا دیا کہ دشمن کی گولہ باری سے وہ کافی حد تک محفوظ ہو گئے۔

تینوں شدید زخمی اور بیمار جوانوں کو اس نے الگ الگ رکھا تھا تاکہ ان کے ساتھی ان کا خیال رکھ سکیں۔

"دشمن حملہ کے لئے آگے بڑھ رہا ہے۔ شاید وہ پہلے ہم پر توپخانے کا فائر گرائے گا اور اس یقین کے بعد کہ مزاحمت باقی نہیں۔ ہی یا پھر یہ سمجھ کر کہ اب وہ آسانی سے ہم پر قابو پاسکتا ہے ہم پر حملہ آور ہو گا---ساتھیو! آزمائش کی گھڑی آگئی ہے---ہمیں آج کی آزمائش کے لئے ہی پاکستان آرمی نے تیار کیا تھا---آج ہمیں ثابت کرنا ہے کہ ہم چیتے ہی ناقابل تسخیر ہیں---انتہائی نامساعد حالات کے باوجود ہمارا عزم ہی فاتح ہو گا۔ اپنے آپ کو اپنے اسلحے سمیت برفیلی چٹانوں میں چھپالو اور اپنے سر ناگوں میں دے کر دشمن کی گولہ باری کا سامنا کرو اس وقت تک جب تک کہ وہ اپنا سارا گولہ بارود پھونک کر مطمئن نہ ہو جائے اللہ کی مدد پر ہمارا ایمان ہے---لیکن ہمارا یہ بھی یقین ہے کہ جلد یا بدیر ہمارے لئے کمک پہنچ جائے گی---میرے شیرو تمہیں ثابت کرنا ہے کہ تم پاک آرمی کے کمانڈوز ہو---پوزیشن لے لو---"

"اللہ اکبر"---

موسمی شدائد کا شکار لیکن کسی بھی جارحیت کے سامنے سد سکندری بن جانے والے کمانڈوز نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور اپنی ساری توانائیاں مجتمع کر کے اپنی اپنی پوزیشن پر چلے گئے۔

کیپٹن جاوید خود دوربین سنبھال کر دشمن پر نظریں جما کر بیٹھ گیا۔

نائیک رحمٰن نے وائرلیس آن رکھا تھا اور کیپٹن جاوید نے "بیس کیمپ" کو اپنے خدشات اور دشمنوں کے عزائم سے آگاہ کر دیا تھا۔

بیس کیمپ میں اطلاع پہنچتے ہی بے چینی پھیل گئی تھی---

بریگیڈیئر صاحب بیقراری سے اس چھوٹے سے چپھر نما کمرے میں چکر کاٹ رہے تھے

جہاں انہوں نے عارضی ہیڈ کوارٹر قائم کیا تھا۔

انہوں نے لائٹ انفنٹری کے جوانوں کو جنہیں کیپٹن جاوید کے تعاقب میں روانہ کیا گیا تھا فوراً پوسٹ رابطہ قائم رکھنے اور جلد از جلد وہاں تک پہنچنے کا حکم دیا تھا اور خود مسلسل کیپٹن جاوید سے رابطے میں تھے۔

O

کیپٹن جاوید کی توقعات کے عین مطابق اگلے چھ منٹ کے بعد ان پر فائرنگ شروع ہو گئی دشمن نے ان کے شمال میں پہلے سے قائم کردہ اپنی او۔ پی پوسٹ سے ان پر فائرنگ کروائی تھی۔

وسل کی تیز آواز کے ساتھ بھارتی "ہاؤٹزرز" سے چھوٹنے والے گولے ان کے سروں پر پھٹ رہے تھے۔

"جاوید --- کیا ہو رہا ہے --- تم ٹھیک تو ہو"---

بریگیڈئر صاحب نے سیٹ پر گولہ باری کی آواز سن کر تڑپ کر پوچھا تھا۔

"سر! دشمن "اوور ہیڈ" فائر کر رہا ہے۔"

کیپٹن جاوید نے رپورٹ پیش کی۔

"ڈیم اٹ"---

بریگیڈئر صاحب غصے اور بے بسی سے بے ساختہ چلا اٹھے

"اپنے جوانوں کا مورال بڑھائے رکھو---" (I am comming my son)

انہوں نے چند لمحوں میں انتہائی خطرناک فیصلہ کر لیا تھا۔

"سر! پلیز۔ ابھی ہم زندہ ہیں سر!"---

کیپٹن جاوید کہتا ہی رہ گیا---

لیکن --- رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔

بریگیڈئر صاحب کے لئے ان حالات میں بیس کیمپ میں بیٹھنا ناقابل برداشت ہو گیا تھا---

انہوں نے خود پرواز کر کے ان کے پاس پہنچنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ ان حالات میں ایک لمحے کے لئے بھی اپنے جوانوں کو کم مائیگی کا احساس نہیں ہونے دینا چاہتے تھے۔

دوسرے ہی لمحے انہوں نے ایوی ایشن کے کیپٹن عارف کو طلب کر لیا تھا۔

"اپنی تنکیں لوڈ کرو ہم اگلے دس منٹ میں پرواز کرنے والے ہیں۔"

انہوں نے کیپٹن عارف سے کہا۔

"لیس سر"---

کیپٹن عارف بھاگتا ہوا باہر آ گیا---

اس نے اپنی زندگی میں ایسا دلیر بریگیڈئر نہیں دیکھا تھا محض اس اطلاع پر اکیلا ہی اپنے جوانوں کی مدد کے لئے نکل کھڑا ہوا تھا کہ دشمن نے ان پر حملہ کر دیا ہے---

بریگیڈئر صاحب نے اپنے ہیڈ کوارٹر کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا تھا جنرل صاحب نے انہیں منع کرنا چاہا لیکن ان کی درخواست پر بادل نخواستہ انہیں جانے کی اجازت دے دی۔ اس کے ساتھ ہی کمانڈوز کی ایک کمپنی کرنل صاحب کی کمان میں "چولانگ لا" کی طرف روانہ ہو گئی۔ اس کے ہر جوان نے اپنے معمول سے دگنا وزن اٹھا رکھا تھا۔

کیپٹن جاوید کی طرف جانے والی کمک کو جب اطلاع ملی کہ بریگیڈئر صاحب خود اس طرف پرواز کر چکے ہیں اور کیپٹن جاوید کی پوسٹ پر دشمن نے حملہ کر دیا ہے تو ان کا خون کھول اٹھا۔

ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ اڑ کر اپنے ساتھیوں کی مدد کو پہنچ جائیں اور یہاں ایک مخصوص رفتار سے زیادہ پر سفر کرنا خود کو زبردستی موت کے منہ میں دھکیلنے کے مترادف تھا۔ ان راستوں پر اٹھنے والا ایک بھی غلط قدم کسی بھی جوان کو ہزاروں فٹ

گہری برفیلی قبر میں دفن کر سکتا تھا۔
اس مرحلے پر مقامی پورٹرز نے زبردست ہمت کا مظاہرہ کیا۔۔۔ گو کہ یہ راستہ ان کے لئے اجنبی تھا۔
لیکن ۔۔۔ ایسے راستوں پر وہ ایک عرصے سے سفر کرتے آ رہے تھے۔ انہوں نے کیپٹن جاوید اور اس کے ساتھیوں کے بتائے ہوئے راستے کو کھویا نہیں تھا اور کامیابی سے اسی پر چلتے چلے جا رہے تھے۔

O

ان کے سروں پر آتش و آہن پھٹ رہا تھا۔
ہر طرف موت رقصاں تھی۔۔۔
برف سے ڈھکے منجمد گلیشیر کی سطح پر جب کوئی گولہ گرتا تو زمین سے آسمان تک سفید اور سرخ رنگ کا ایک جال سا تن جاتا۔
کیپٹن جاوید کی طرح اس کے جوان بھی بے قابو ہوئے جاتے تھے ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ دشمن کو اس حملے کا منہ توڑ جواب دیں۔
وہ چاہتے تھے آگے بڑھ کر کچھ کریں۔
لیکن ۔۔۔ اندریں حالات ان کی سب سے بڑی بہادری یہی تھی کہ خود کو آئندہ کے لئے زندہ رکھنے کی کوشش کریں۔
انہوں نے واقعی اپنے سر گھٹنوں میں دے لئے تھے اور بے بسی سے اپنے سروں پر پھٹتی قیامت کا نظارہ کر رہے تھے۔ جن قدرتی پناہ گاہوں میں انہوں نے اپنے سر چھپا رکھے تھے وہاں تک وہ بمشکل اپنا اسلحہ ہی لا پائے تھے باقی تمام ضروریات زندگی ایک کونے میں قدرے کھلی جگہ پر موجود تھیں۔
اچانک ہی ایک گولہ عین اس مقام پر پھٹا اور دوسرے ہی لمحے ان کے واحد خیمے اور اس

میں موجود تمام سامان کو آگ لگ گئی۔
شدید گولہ باری میں وہ اس قابل بھی نہیں تھے کہ اپنے تباہ ہوتے سامان کو ہی بچا سکیں۔
کیپٹن جاوید اپنے ہونٹ کاٹ کر رہ گیا کیونکہ اب ان کے پاس سوائے اسلحہ، اپنی جان یا پھر فرسٹ ایڈ کے ایک بکس اور جوانوں کے جسموں سے بندھی پانی کی دو تین بوتلوں کے اور کچھ باقی نہیں بچا تھا۔
ایک گھنٹہ کی مسلسل گولہ باری اور درجنوں گولے پھونکنے کے بعد جب ان کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوئی تو دشمن نے یہ سمجھ لیا کہ اس نے میدان مار لیا ہے۔ ان کا "او۔پی" اپنے بیس کیمپ کو چیخ چیخ کر خوشخبری سنا رہا تھا کہ بھارتی فوج کے سورماتوپچیوں نے پاکستان آرمی کی اس علاقے میں قائم ہونے والی واحد پوسٹ تباہ کر دی ہے۔
وہ ابھی تک اتنی اونچائی پر پہنچ نہیں پائے تھے جہاں کیپٹن جاوید نے مورچہ جمایا تھا اور انڈین او۔پی کو بھی صرف جلتے ہوئے خیمے اور سامان سے اٹھتا دھواں دکھائی دیا تھا۔ اس نے شاید اس سے اندازہ لگا لیا تھا کہ مزاحمت دم توڑ چکی ہے۔ اور اب وہ اپنے سورماؤں کو اس پوسٹ پر قبضہ کرنے کے لئے آگے بڑھا رہے تھے۔ فائرنگ کے خاتمے پر کیپٹن جاوید نے صوبیدار عنایت اللہ سے جوانوں کی رپورٹ طلب کی تو اسے یہ سن کر دھچکا سا لگا کہ اس کے تین ساتھی شدید زخمی ہو گئے ہیں ان کے نزدیک پھٹنے والے ایک گولے کے ٹکڑے تینوں کے پیٹ اور بازوؤں پر لگے تھے۔
لیکن ۔۔۔ کیا مجال جو شجاعت و وفا کے ان پیکروں کی طرف سے ایک لمحے کے لئے بھی اپنے کپتان صاحب کو پریشان کیا گیا ہو۔۔۔
ایمرجنسی ادویات کے واحد بکس سے کیپٹن جاوید نے خود ان کے زخموں پر پھاہے رکھے۔۔۔ لیکن، وہ جانتا تھا کہ یہ علاج قطعی ناکافی اور نہ ہونے کے برابر ہے۔
ان کے ساتھیوں نے اپنے زخموں پر دو پٹیاں باندھ دی تھیں۔ ایک جوان جس کے

گہری برفیلی قبر میں دفن کر سکتا تھا۔

اس مرحلے پر مقامی پورٹرز نے زبردست ہمت کا مظاہرہ کیا---گو کہ یہ راستہ ان کے لئے اجنبی تھا۔

لیکن---ایسے راستوں پر وہ ایک عرصے سے سفر کرتے آ رہے تھے۔ انہوں نے کیپٹن جاوید اور اس کے ساتھیوں کے بنائے ہوئے راستے کو کھویا نہیں تھا اور کامیابی سے اسی پر چلتے چلے جا رہے تھے۔

O

ان کے سروں پر آتش و آہن پھٹ رہا تھا۔

ہر طرف موت رقصاں تھی---

برف سے ڈھکے منجمد گلیشیئر کی سطح پر جب کوئی گولہ گرتا تو زمین سے آسمان تک سفید اور سرخ رنگ کا ایک جال سا تن جاتا۔

کیپٹن جاوید کی طرح اس کے جوان بھی بے قابو ہوئے جاتے تھے ان کا بس نہیں چلتا تھا کہ دشمن کو اس حملے کا منہ توڑ جواب دیں۔

وہ چاہتے تھے آگے بڑھ کر کچھ کریں۔

لیکن---اندریں حالات ان کی سب سے بڑی بہادری یہی تھی کہ خود کو آئندہ کے لئے زندہ رکھنے کی کوشش کریں۔

انہوں نے واقعی اپنے سر گھٹنوں میں دے لئے تھے اور بے بسی سے اپنے سروں پر پھٹتی قیامت کا نظارہ کر رہے تھے۔ جن قدرتی پناہ گاہوں میں انہوں نے اپنے سر چھپا رکھے تھے وہاں تک وہ بمشکل اپنا اسلحہ ہی لا پائے تھے باقی تمام ضروریات زندگی ایک کونے میں قدرے کھلی جگہ پر موجود تھیں۔

اچانک ہی ایک گولہ عین اس مقام پر پھٹا اور دوسرے ہی لمحے ان کے واحد خیمے اور اس

میں موجود تمام سامان کو آگ لگ گئی۔

شدید گولہ باری میں وہ اس قابل بھی نہیں تھے کہ اپنے تباہ ہوتے سامان کو ہی بچا سکیں۔

کیپٹن جاوید اپنے ہونٹ کاٹ کر رہ گیا کیونکہ اب ان کے پاس سوائے اسلحہ، اپنی جان یا فرسٹ ایڈ کے ایک بکس اور جوانوں کے جسموں سے بندھی پانی کی دو تین بوتلوں کے اور کچھ باقی نہیں بچا تھا۔

ایک گھنٹہ کی مسلسل گولہ باری اور درجنوں گولے پھونکنے کے بعد جب ان کی طرف سے کوئی مزاحمت نہ ہوئی تو دشمن نے یہ سمجھ لیا کہ اس نے میدان مار لیا ہے۔ ان کا "او۔پی" اپنے بیس کیمپ کو چیخ چیخ کر خوشخبری سنا رہا تھا کہ بھارتی فوج کے سورماؤں نے پاکستان آرمی کی اس علاقے میں قائم ہونے والی واحد پوسٹ تباہ کر دی ہے۔

وہ ابھی تک اتنی اونچائی پر پہنچ نہیں پائے تھے جہاں کیپٹن جاوید نے مورچہ جمایا تھا اور انڈین او۔پی کو بھی صرف جلتے ہوئے خیمے اور سامان سے اٹھتا دھواں دکھائی دیا تھا۔ اس لئے شاید اس سے اندازہ لگا لیا تھا کہ مزاحمت دم توڑ چکی ہے۔ اور اب وہ اپنے سورماؤں کو اس پوسٹ پر قبضہ کرنے کے لئے آگے بڑھا رہے تھے۔ فائرنگ کے خاتمے پر کیپٹن جاوید نے صوبیدار عنایت اللہ سے جوانوں کی رپورٹ طلب کی تو اسے یہ سن کر دھچکا سا لگا کہ اس کے تین ساتھی شدید زخمی ہو گئے ہیں ان کے نزدیک پھٹنے والے ایک گولے کے ٹکڑے تینوں کے پیٹ اور بازوؤں پر لگے تھے۔

لیکن---کیا مجال جو شجاعت و وفا کے ان پیکروں کی طرف سے ایک لمحے کے لئے بھی اپنے کپتان صاحب کو پریشان کیا گیا ہو---

ایمرجنسی ادویات کے واحد بکس سے کیپٹن جاوید نے خود ان کے زخموں پر پھاہے رکھے---لیکن، وہ جانتا تھا کہ یہ علاج قطعی ناکافی اور نہ ہونے کے برابر ہے۔

ان کے ساتھیوں نے اپنے زخموں پر وہ پٹیاں باندھ دی تھیں۔ ایک جوان جس کے

پیٹ پر گہرے زخم آئے تھے کا خون رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا جب اچانک کیپٹن جاوید کو صوبیدار عنایت اللہ کی آواز سنائی دی۔

"Company سر!"

کیپٹن جاوید نے لپک کر اس کے ہاتھ سے دوربین پکڑی اور دور سے دشمن کو آتے دیکھا جو اطمینان سے فاتحوں کی طرح ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

کیپٹن جاوید نے فوری طور پر دو شدید زخمیوں کو رسوں کی مدد سے اس عمودی چٹان سے پیچھے اتارنے کا حکم دیا جہاں وہ دشمن کی متوقع فائرنگ سے محفوظ رہ سکتے تھے۔ دونوں نے نیچے اترنے سے انکار کر دیا---

"نو سر--- خدا کے لئے سر! ہمیں اس سعادت سے محروم نہ کیجئے۔ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ اپنے کسی ساتھی کے لئے کوئی مسئلہ پیدا نہیں کریں گے۔"

نائیک شریف اور سپاہی غلام رسول نے کہا۔

ان کا عزم دیکھ کر کیپٹن جاوید کو اپنے آپ پر فخر ہونے لگا کہ وہ کتنے عظیم جوانوں کی کمانڈ کر رہا ہے۔

صوبیدار اور کپتان صاحب کے بار بار کہنے پر بھی دونوں نے وہاں سے ہٹنے سے انکار کر دیا تھا۔ جس پر بادل نخواستہ کیپٹن جاوید نے اپنا فیصلہ واپس لے لیا تھا۔

اس نے زخمیوں اور بظاہر تھکے ماندے اپنے جوانوں کو اس سمت آنے والے راستے پر پوزیشنیں دلا دی تھیں---

اور---انہیں سختی سے ہدایت کی تھی کہ اس کے اگلے حکم تک ایک فائر بھی نہیں کیا جائے گا۔

کیپٹن جاوید کو اس تلخ حقیقت کا احساس تھا کہ ان کے پاس گولہ بارود نہ ہونے کے برابر ہے اور دشمن کے پاس پھونکنے کے لئے بے پناہ گولہ بارود موجود ہے

"اپنی ایک ایک گولی سنبھال کر رکھو--- کوئی فائر ضائع نہیں جائے گا--- میں ایک گولی سے کم از کم ایک انڈین کو مرتے دیکھنا چاہتا ہوں---"

اس کی آواز میں رعد کھڑک رہی تھی---

کیپٹن جاوید نے باری باری اپنے جوانوں کی آنکھوں میں جھانکا جہاں دشمن کو چیر پھاڑ کر رکھ دینے والا قہر جھک رہا تھا۔

"رائیٹ سر!"

صوبیدار عنایت اللہ نے اپنی مٹھیاں غصے سے بھینچتے ہوئے کہا۔

دونوں مشین گنوں کو انہوں نے ایک دوسرے سے کچھ فاصلے پر ایسی پوزیشن میں نصب کر لیا تھا جہاں سے دشمن کے ممکنہ ایڈوانس کی توقع کی جا سکتی تھی--- تمام کمانڈوز پھیل کر پوزیشن لے چکے تھے۔

یہاں زخمیوں اور صحت مندوں کی تخصیص ختم ہو گئی تھی۔ ہر انسان ایک مورچے میں تبدیل ہو چکا تھا۔

یہ بات کیپٹن جاوید اچھی طرح جانتا تھا کہ ان میں سے ہر مورچہ ناقابل تسخیر ہے-- غنیم بھلے آتش و آہن کا سیلاب اپنے ساتھ لے کر آ رہا تھا۔ لیکن جب تک ان میں سے کوئی بھی کمانڈوز ندہ تھا وہ اسے ختم نہیں کر سکتے تھے۔

○

اپنی دانست میں بھارتی فوجی یہی سمجھ کر آ رہے تھے کہ اوپر موجود پوسٹ میں شائد ہی کوئی زخمی فسٹ ایڈ کا منتظر ہو گا اور یہاں مزاحمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ انہوں نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔

شدید سرمائی جنگ کے لئے بطور خاص تیار کردہ اپنے گرم لباس میں وہ 18 ہزار فٹ کی بلندی پر قائم کیپٹن جاوید کی پوسٹ کی طرف تین ٹکڑیوں میں بٹ کر ایڈوانس کر رہے

تھے۔

پیدل ہراول دستے آگے تھے اور ان کے عقب کو تحفظ دینے کے لئے چھوٹی توپیں ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔

یہ توپیں بھارتی مونٹین ڈویژن کے تربیت یافتہ توپچی بڑی مہارت سے اوپر لا رہے تھے۔

اب ان کا فاصلہ کیپٹن جاوید کے ساتھیوں سے بمشکل پچاس گز رہ گیا تھا۔ اس دوران کیپٹن جاوید کے جوان اپنے کانوں کو کمانڈر کی آواز کے لئے مستعد رکھے ہوئے تھے۔ جس نے ان کی رینج میں آنے والے بھارتیوں پر ابھی تک فائرنگ کا حکم نہیں دیا تھا۔

"فائر"---

اچانک ہی کیپٹن جاوید للکارا---

"اللہ اکبر"---

کمانڈوز نے اس کی للکار پر آمنا صدقنا کہا اور اطمینان سے اپنی طرف آنے والے دشمن پر جہنم کے دھانے کھول دیئے۔

یہ حملہ بھارتیوں کے لئے بالکل غیر متوقع تھا۔ وہ گاجر مولیوں کی طرح کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔

پاکستانی کمانڈوز نے ایک ایک کو نشانہ لے کر مارا تھا پہلے ہی حملے میں بھارتی ٹڈی دل بکھر کر رہ گیا۔ بھارتی فوج کے درجنوں جوان ایک گولی فائر کئے بغیر مارے گئے جبکہ باقی منتشر ہو گئے۔

ان کی بوکھلاہٹ کا اندازہ ان کے وائرلیس سے نشر ہوتے پیغامات کے ذریعے جو کیپٹن جاوید کو اپنے سیٹ پر ہی سنائی دے رہے تھے وہ بخوبی کر سکتا تھا---

پہلے ہی حملے نے بھارتیوں کو بکھیر کر رکھ دیا۔

لیکن---وہ بھی بھارتی فوج کے انتہائی تربیت یافتہ کمانڈوز تھے جلد ہی سنبھل کر انہوں

لے ہوائی حملے کا آغاز کر دیا۔

اپنے ہوائی حملے کی ابتدا انہوں نے پہلے سے نصب گنوں سے فائر کے ذریعے کی اور ایک مرتبہ پھر کیپٹن جاوید اور اس کے ساتھیوں کے سروں پر "ائر برسٹ" پھٹنے لگے۔ اس گولہ باری کا وہ کوئی جواب نہیں دے سکتے تھے۔

اس مرتبہ وہ قدرے محفوظ تھے۔

پہلے ہی ہلے میں دو کمانڈوز جام شہادت نوش کر گئے جبکہ باقیوں نے قدرے محفوظ پوزیشن لے لی۔

بھارتی کمانڈروں کی گالیاں کیپٹن جاوید کو اپنے سیٹ پر بخوبی سنائی دے رہی تھیں۔ ایک مرتبہ پھر اس کے جوان دبک کر بیٹھ رہے۔ اپنے دو ساتھیوں کی شہادت نے انہیں دکھی تو ضرور کیا تھا۔

لیکن---وہ بددل ہر گز نہیں ہوئے تھے۔

ان کا صبر اب دو چند ہو گیا تھا اور ایک مرتبہ پھر وہ دشمن کی طرف سے اگلے حملے کا انتظار کرنے لگے تھے۔

پندرہ منٹ کی مسلسل گولہ باری کے بعد دشمن نے پھر ان پر یلغار کی۔ اس مرتبہ وہ قدرے محتاط ہو کر اور پوزیشنوں میں ان کی طرف بڑھ رہا تھا ایک مرتبہ پھر پاکستانی کمانڈوز ان سے نبرد آما تھے۔

O

کمانڈوز کے پاس صرف دو مشین گنیں تھیں یا پھر اپنا معمول کا اسلحہ جس کا وہ اپنے کپتان صاحب کے حکم کے مطابق بہت سوچ سمجھ کر جواب دے رہے تھے۔ اس مرتبہ دشمن پر شاید جنون طاری تھا اور وہ بے پناہ گولہ باری کے ساتھ ان کی طرف اپنی لاشوں کی پرواہ کئے بغیر بڑھ رہا تھا---

نائیک شریف شدت غضب سے ایک نظر دشمن پر ڈالتا اور دوسری نظر اپنے شہید ساتھی پر تو اس کا خون کھولنے لگتا۔ اس کی سمت سے دس بارہ بھارتی مسلسل آگے بڑھ رہے تھے اس کی وجہ وہ بڑی مشین گن تھی جسے ایک قدرے محفوظ آڑ میں رکھ کر اس سے قریباً بیس پچیس فٹ دور سے دشمن ان پر فائرنگ کر رہا تھا۔

اس مشین کی مسلسل فائرنگ کا جواب نائیک شریف سوائے اپنی جی تھری کے اور کس چیز سے دے سکتا تھا--

دشمن اس مرتبہ اتنا کارگر اور موثر فائر کر رہا تھا کہ دونوں سمتوں میں موجود ان کی مشین گنیں بمشکل انہیں روک پا رہی تھیں اور انکے گنز اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ نائیک شریف کی طرف کوئی مددگار فائر گرا سکتے۔

اچانک ہی اس کے داہنے ہاتھ پر موجود سپاہی فوردل خان کی کراہ سنائی دی شریف نے دیکھا خون کا فوارہ اس کے سینے سے اچھلا اور اس کی گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ اب اس سمت پر مزاحمت نہ ہونے کے برابر تھی اور نائیک شریف محسوس کر رہا تھا کہ دشمن اس سمت سے ایڈوانس کر کے اوپر آسکتا ہے۔

O

نائیک شریف کے پیٹ پر بندھی پٹی اب خون سے سرخ ہو کر بھیگ رہی تھی اس کے لئے زیادہ دیر تک ایک ہی پوزیشن میں رہ کر فائرنگ کرنا بھی ممکن نہیں رہا تھا اور اب یہ احساس بھی اس کی جان کو آنے لگا تھا کہ دشمن اس کی سمت سے آگے بڑھ کر ضرور پوسٹ تک پہنچ جائے گا کیونکہ زیادہ دیر تک اس کے لئے فائر کرنا بھی ممکن نہیں تھا۔

دوسری طرف کیپٹن جاوید نے چلاتے ہوئے انہیں دوبارہ وارننگ کے انداز میں کہا تھا کہ ایک ایک گولی سنبھال کر رکھو اور دشمن کے نزدیک آنے کا انتظار کرو کیپٹن جاوید ہی کیا اس سیکشن کے کمانڈوز کو اس تلخ حقیقت کا شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ ان کے

پاس بارود نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے اور وہ ایک ایسی لڑائی لڑ رہے ہیں جس کو سوائے زیادہ تک جاری رکھنے کے اور کوئی کارنامہ انجام نہیں دے پائیں گے۔

اگر کمک پہنچنے میں اور دیر لگ گئی تو وہ سب ایک ایک کر کے شہید ہو جائیں گے۔ کیونکہ ان میں سے کوئی ایسا کمانڈو نہیں تھا جس سے یہ امید دشمن کر سکتا کہ وہ زندہ حالت میں گرفتاری پیش کر دے گا۔

نائیک شریف کے پاس شاید آخری چند گولیاں باقی رہ گئی تھیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے ایک ناقابل برداشت منظر موجود تھا۔ دشمن نے اس سمت میں جو مشین گن نصب کی تھی اسے اب آگے بڑھا رہا تھا شاید انہیں بھی نائیک شریف کی کمزوری کا علم ہو گیا تھا۔

اچانک ہی نائیک شریف کو اپنے دائیں پہلو پر "جے ہند" کے نعرے سنائی دیے اور وہ تلملا کر رہ گیا کہ اس کے دائیں سمت ایک محفوظ آڑ سے پانچ چھ انڈین فوجی میدان خالی دیکھ کر اوپر چڑھتے آ رہے تھے انہوں نے اپنے رسے بھی اپنے پیچھے آنے والوں کی آسانی کے لئے پہاڑ کی عمودی سطح پر ٹھونک کر لٹکا دیئے تھے تاکہ ان کے پیچھے آنے والے ان رسوں کی مدد سے اوپر چڑھ سکیں۔

شاید یہ ایڈوانس فوج کا ہراول دستہ تھا۔

O

نائیک شریف کے لئے اب کچھ بھی قابل برداشت نہیں رہا تھا۔

اس نے اپنی گود میں رکھی گن کو پوزیشن کیا اور خود کو گھسیٹتا ہوا دشمن کے عین سامنے آ گیا۔

بھارتیوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہاں کوئی "یمراج" (موت کا فرشتہ) ان کا منتظر ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ سنبھلیں اور اپنے ہتھیار سیدھے کریں

ایک ایک کر کے پانچوں مردار ہو گئے۔
نائیک شریف ابھی بمشکل سنبھل ہی پایا تھا جب بائیں طرف سے آنے والا برسٹ اس کے کندھے اور چھاتی میں اتر گیا۔
خون فوارے کی طرح اس کے کشادہ سینے سے ابلا اور اس کے دامن کو رنگین کر گیا۔
نائیک شریف نے آخری منظر یہی دیکھا کہ بائیں طرف سے دشمن مشین گن او پر لا رہا تھا۔ آخری لمحات میں اس نے اپنے وجود کی ساری توانائیاں مجتمع کیں اور اپنے پوری سے آخری دونوں ہینڈ گرنیڈ نکال کر دونوں ہاتھوں میں پکڑ لئے---
جسم کی ساری قوت ہاتھوں میں سمیٹ کر اس نے دونوں کی پن دانتوں سے الگ کر لی اور عین ان لمحات میں جب برفیلے آسمان سے "چولانگ لا" کی اس پہاڑی چوٹی تک حور وملائکہ نے اس کے استقبال کے لئے سرخ قالین بچھانے شروع کر دیئے تھے۔
عین ان ہی لمحات میں اللہ کے بزرگ و برتر ہونے کا نعرہ مستانہ بلند کر کے نائیک محمد شریف نے دونوں گرنیڈ بھارتی فوجیوں اور گن پوزیشن کی طرف پھینک دیے۔
زوردار دھماکہ ہوا برف کے خون میں رنگے ذرات آتشیں بگولے میں شامل ہو کر پوری قوت سے اچھلے۔
اس آتشیں بگولے میں بھارتیوں کے جسموں کے منتشر ٹکڑے اور وہ مشین گن بھی شامل تھی جس کے ذریعے انہوں نے اپنی دانست میں اس سمت سے یلغار کی راہ ہموار کر لی تھی۔
نائیک محمد شریف کی آنکھیں شاید یہ آخری منظر دیکھنے کے لئے ہی اپنی جوت جگائے ہوئے تھیں۔ مطمئن ہو کر اس نے آنکھیں بند کر لیں اور پھولوں کی اس سیج پر بیٹھ گیا جو آسمان سے اسے لے جانے کے لئے اتری تھی۔
سیالکوٹ کی تحصیل شکر گڑھ کے اسی گاؤں میں جب مؤذن عصر کی اذان بلند کر رہا تھا عین

ان ہی لمحات میں اس گاؤں کا شیر دل کمانڈو نائیک شریف اپنی جان جان آفریں کو سونپ کر آسمان سے زمین تک اپنے لئے بچھے سرخ قالینوں پر سفر کر تا جنت کی ان آرام گاہوں کی طرف محو سفر تھا جہاں حوریں دیدہ و دل فرش راہ کئے اس کی منتظر تھیں---
سپاہی محمد خاں نے زوردار دھماکے پر جب اس طرف پلٹ کر دیکھا تو نائیک محمد شریف کی پچاس انچ چوڑی چھاتی پر بہادری اور فخر کے سارے اعزازات سجے ہوئے تھے اور وہ برفیلے پتھر سے ٹیک لگائے اپنی گن گود میں رکھے اسی طرح چوکڑی مارے بیٹھا تھا جیسے دشمن کو کہہ رہا ہو کہ خبردار اس سمت سے آگے بڑھنے کی ہمت نہ کرنا۔
"استاد جی"---
سپاہی محمد خان کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور وہ رول کرتا ہوا نائیک محمد شریف تک گیا۔ اس نے نائیک شریف کو دونوں ہاتھوں سے قریباً جھنجھوڑ کر جگانا چاہا تھا۔
لیکن---شہید کے ہونٹوں پر جمی مسکراہٹ امر ہو گئی۔
سپاہی محمد خان کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا ہی نہیں اس کے کپتان صاحب اور اس یونٹ کے درجنوں کمانڈوز کا "استاد جی" شہید ہو چکا تھا۔
غیر محسوس طور پر اس کی دونوں آنکھوں سے گرم آنسوؤں کے قطرے گالوں تک آگئے۔ اس نے بڑبڑاتے ہوئے "انا للہ وانا الیہ راجعون" کہا اور اپنی گن سمیت رول کرتا ہوا اپنی پوزیشن کی طرف لوٹ آیا۔
اس کا غضب دوچند ہو چکا تھا۔
اس کے اندر کھولتے خون نے باہر کی سردی کا احساس ہی جیسے ختم کر دیا ہو۔ یہ سمت اندر سے محفوظ ہو چکی تھی کیونکہ اس نے اپنے "استاد جی" سے نشانہ بازی کی تربیت لی تھی اور اپنی ہر گولی سے ایک دشمن مردار کیا تھا۔
کیپٹن جاوید ہر مورچے پر جا کر خود اپنے جوانوں کے حوصلے بڑھا رہا تھا۔ ان کی نگرانی کر

رہا تھا۔ جب نزدیکی چٹان پر پھٹنے والی گولیوں سے برف کا ایک پتھریلا ٹکڑا اڑ کر اس کے سر کی دائیں سمت لگا اور تیز ٹیس اٹھی جس نے ایک لمحے میں سارے سر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

کیپٹن جاوید نے فوراً ہاتھ اپنے ماتھے پر رکھا تو اس کا دستانہ خون سے بھیگ گیا خیریت گزری کے گولی یا پتھر کا ٹکڑا اندر داخل نہیں ہوا تھا۔ اس نے ایک طرف ہٹ کر چٹان سے ٹیک لگاتے ہوئے اپنے ہاتھ میں پہنے دستانے سے آنکھوں کی طرف اترنے والے خون کو ماتھے پر سے صاف کیا تو سپاہی جان شیر کی نظر اس پر پڑی۔

"سر"---

جان شیر تڑپ کر اس کی طرف لپکا۔

"کچھ نہیں معمولی زخم ہے۔"

اس نے ہاتھ کے اشارے سے جان شیر کو تسلی دی جو اس کے نزدیک پہنچ چکا تھا۔

جان شیر اپنے "سر" کو زخمی دیکھ کر گھبرا گیا لیکن دوسرے ہی لمحے اس نے اپنے حواس قائم کر لئے۔ اپنی فیلڈ پٹی اس نے دو منٹ کے اندر کیپٹن جاوید کے سر پر باندھ کر وقتی طور پر خون بند کر دیا۔

کیپٹن جاوید نے اس اثنا میں سر پر دوبارہ گرم ٹوپی پہن لی اور اٹھ کھڑا ہوا

"جان شیر -- کسی کو علم نہ ہو -- چوکس رہنا۔"

اس نے اپنے جوان کو ہدایت دی اور سپاہی محمد خان کی طرف چل دیا کیونکہ اس کی سمت سے زوردار دھماکے کی آواز بھی آئی تھی۔

"محمد خان خیریت"---

اس نے جھکتے ہوئے محمد خان کے نزدیک پہنچ کر پوچھا جس کے سامنے بیس گز کے فاصلے پر سات آٹھ بھارتیوں کی لاشیں پڑی تھیں۔

"سر ---استاد جی شہید ہو گئے"---

رندھے ہوئے گلے سے محمد خان نے کہا اور کیپٹن جاوید کے سارے بدن میں جھنجناہٹ پھیل گئی۔

"کیا---"

اسے شاید اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔

"یس سر---استاد شریف صاحب شہید ہو گئے"---

محمد خان کے آنسو باقاعدہ جاری تھے۔

"اناللہ---"

کیپٹن جاوید نے بھرائی آواز سے کہا۔

اسے ابھی تک پاک آرمی کے بہترین نشانہ باز کمانڈو کی شہادت کا یقین نہیں آ رہا تھا جس نے دوران تربیت اسے قریباً ڈانٹتے ہوئے صحیح نشانہ لگانے کی تربیت دی تھی۔

اپنی پشت سے آگے نکل کر اس نے دیکھا سامنے کی چٹان سے اپنی پیٹھ لگائے شہید محمد شریف اپنے گن گود میں لئے بیٹھا تھا۔

کیپٹن جاوید آگے بڑھا اور اس نے آہستگی سے سہارا دے کر شہید کو لٹا دیا۔ شاید اسے نائیک شریف کی طویل مسافت، زخمی ہونے اور تھکاوٹ کا احساس تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ استاد محمد شریف مزید بے آرام ہو-- برف کے پتھریلے بستر پر انہیں لٹا کر اسے عجیب سی آسودگی کا احساس ہونے لگا تھا۔

محمد شریف نشانہ بازی میں ہمیشہ نمبرون رہتے تھے۔ آج شہادت میں بھی وہ اپنی کمپنی میں پہلے نمبر پر آ گئے تھے۔

کیپٹن جاوید نے اپنا دائیاں ہاتھ ماتھے تک لے جا کر انہیں نذر گزاری اور وہاں سے ہٹ گیا۔

کرنل کیانی کے لئے موسم اور راستے کبھی زیادہ اہمیت کے حامل نہیں رہے تھے--اس کا شمار ایوی ایشن کے ان پائلٹوں میں ہوتا تھا جو سب کچھ کر گذرنے کا حوصلہ رکھتے تھے۔

انتہائی پیچیدہ پہاڑی سلسلوں میں پرواز کرتے ہوئے ٹارگٹ تک پہنچنا اور اپنے جوانوں کو وہاں تک پہنچانا اس کے لئے معمول کی باتیں تھیں لیکن---سالتورو کے اس برفیلے جہنم پر پرواز کرتے ہوئے نجانے کیوں اسے اپنے بدن میں خون منجمد ہونے کا احساس ہونے لگا تھا۔

بیس کیمپ کے نقشے کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ برفیلے پہاڑوں کے بیچوں بیچ راستہ بناتا ہوا اب قریباً اسی مقام تک آ گیا تھا جسے محاذ جنگ کہا جا سکتا تھا۔

کیپٹن جاوید سے ریڈیو پر اس کا رابطہ ہو چکا تھا اور یہ اطلاع اس کے لہو میں برق دوڑا گئی تھی کہ پچھلے دو گھنٹوں سے کیپٹن جاوید کے زخمی اور بے وسیلہ کمانڈوز دشمن کے حملوں کو پسپا کر رہے ہیں۔ ان کا گولہ بارود قریباً ختم ہو رہا تھا اور اب وہ قریباً آخری گولی اور آخری آدمی کے مرحلے تک آن پہنچے تھے۔

"سر! ہماری طرف آنا ممکن نہیں ہے--کوئی راستہ نہیں ملے گا۔ میں نے اس علاقے کا سروے کر رکھا ہے--"

کیپٹن جاوید کی آواز سنائی دی۔

"ایک راستہ ہے"---

کیپٹن جاوید کو کرنل کیانی کی آواز سنائی دی اور انہوں نے رابطہ منقطع کر دیا۔

جاوید نے جان لیا تھا کہ کرنل کیانی کے اس فقرے کا مطلب کیا ہے؟ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ وہ جنوب کی طرف سے ان تک نہیں پہنچ سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنی فوجی زندگی کا خود کشی کی حد تک خطرناک فیصلہ شاید کر لیا تھا اور اب اسی پر عمل کرنے جا رہے تھے۔

اچانک ہی کرنل کیانی نے اپنے "چاپر" (ہیلی کاپٹر) کا رخ شمال کی طرف موڑ دیا اور اب وہ قدرے نیچے پہاڑی راستوں سے دشمن کے علاقے کی طرف جا رہے تھے۔

انہوں نے دشمن کی متوقع پوزیشنوں کے اوپر سے گذرتے ہوئے اسی راستے سے اپنے جوانوں تک پہنچنے کا عزم کر لیا تھا جس راستے سے دشمن ان پر حملہ آور ہو رہا تھا۔

یہ راستہ بالکل غیر محفوظ تھا اور دنیا کی کسی فوج کا پائلٹ کبھی اس طرف جانے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

لیکن---کرنل کیانی کو احساس تھا کہ اگر انہوں نے یہ خطرناک فیصلہ نہ کیا تو ایک ایک کر کے تمام کمانڈوز دشمن یا پھر موسم کے ہاتھوں مارے جائیں گے اور انہوں نے اپنی جان پر کھیل کر دشمن کے سینے پر مونگ دلتے ہوئے جو پوسٹ بنائی ہے اس پر قابض ہونے کے بعد دشمن اپنی سپلائی کے راستے محفوظ کر لے گا۔

ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا---!

اگر یہی کچھ ہونا تھا تو پھر انہیں اتنی ریاضت کی ضرورت ہی کیا تھی؟

سیاچن کے اس برفیلے جہنم میں تو گھاس کی ایک پتی بھی نہیں اگتی تھی۔ اس زمین پر سوائے موت کے اور کچھ موجود نہیں تھا---

آخر انہیں اس طرح آگے بڑھ کر موت کو گلے لگانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ وہ اپنی

محفوظ پناہ گاہوں میں بیٹھ کر دشمن کا انتظار کر سکتے تھے --اپنی سرحدوں کے اندر قلعہ بند ہو کر اس کی یلغار پسپا کر سکتے تھے ---

لیکن ---اس طرح دشمن ان کے ساٹھ ستر کلومیٹر علاقے پر قابض ہونے کے زعم میں مبتلا ہو جاتا۔

وہ دشمن کا زعم توڑنے آئے تھے ---

اس کے غرور کو خاک میں ملا کر اسے یہ بتانے آئے تھے کہ اہمیت بندوق کی نہیں۔اس کے پیچھے موجود جوان کی ہوتی ہے۔

وہ ایک لمحے کے لئے بھی دشمن کو احساس برتری سے دوچار نہیں کر سکتے تھے ---

اگر دشمن نے کئی سالوں کی تیاری اور سامان حرب و ضرب سے مکمل لیس ہو کر ان پر حملہ کیا تو کیا؟

وہ اگر نہتے بھی ہوتے تو کبھی اسے اپنی سرحدوں کا تقدس پامال کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے --- کبھی نہیں!

O

لانس نائیک حسن شاہ نے نائیک شریف والی پوزیشن سنبھال لی تھی ---

اس کے داہنے ہاتھ نائیک شریف شہید کی لاش پڑی تھی اور بائیں طرف وہ اپنی گن اور بچی ہوئی چند درجن گولیوں کے ساتھ پتھریلی چٹان سے ٹیک لگائے سامنے کے راستے پر نظر جمائے بیٹھا تھا۔

اس طرف سے فائر تو آرہا تھا لیکن ابھی تک فائر کرنے والے دکھائی نہیں دے رہے تھے شاید انہوں نے کوئی محفوظ آڑ تلاش کر لی تھی یا پھر وہ پہاڑی کی دوسری طرف اپنے توپخانے سے مدد لے رہے تھے۔

حسن شاہ کو اسی فائر سے خود کو بچانا اور برف پر گرتے گولوں کا تماشا دیکھنا تھا۔فی الوقت

وہ اس سے زیادہ کچھ کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔

نائیک شریف کی موت کی اگر تصدیق نہ ہو گئی ہوتی تو وہ اسے کبھی مردہ تسلیم نہ کرتا کیونکہ اس کے چہرے پر مردہ ہونے کے آثار تو دور دور تک دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

یوں معلوم پڑتا تھا جیسے وہ مسکرا رہا ہو ---

بالکل اسی طرح وہ مسکراتے ہوئے اور کبھی کبھی انتہائی سنجیدگی کے ساتھ انہیں ڈانٹ کر صحیح فائرنگ پوزیشن دلایا کرتا تھا۔

حسن شاہ جب اس کی طرف دیکھتا اس کا قہر بڑھنے لگتا ---اس یونٹ کا ہر جوان کو نائیک شریف کی شہادت کی خبر پہلے ہی مل چکی تھی ---

اب وہ سات "نفر" باقی رہ گئے تھے ---

تین سمتوں میں مورچہ بند ہو کر پاکستان آرمی کے یہ سات کمانڈوز اس قہر آلود موسم میں دشمن کی تباہ کن گولہ باری کا سامنا کرتے ہوئے اسے اپنے ملک کی طرف آنے والے راستے پر آگے بڑھنے سے روک رہے تھے۔

حسن شاہ اچانک ہی چونکا اس کے حساس کانوں نے کسی ہیلی کاپٹر کی آواز سنی تھی۔

یہ خبر تو ان کا "مورال" بڑھائے رکھنے کے لئے کیپٹن صاحب نے ان تک پہنچادی تھی کہ ہیلی کاپٹر کے ذریعے انہیں کمک پہنچ رہی ہے جبکہ زمینی راستے سے آنے والے جوانوں کے ساتھ ان کا رابطہ ہو چکا تھا۔

ہیلی کاپٹر کے انجنوں کی آواز اسے قدرے مانوس سی محسوس ہوئی لیکن اچانک ہی اس خیال نے اسے پریشان کر دیا کہ کہیں یہ ہیلی کاپٹر دشمن کی گولہ باری کا نشانہ نہ بن جائے ---

اسی خیال نے حسن شاہ کو قدرے بے چین سا کر دیا اور وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

اچانک ہی اس نے سامنے پڑے بھارتیوں کی لاشوں کے عقب سے سفید پوشوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا اور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

نائیک شریف کی شہادت کے بعد اسی سمت سے رکنے والی فائرنگ کے بعد دشمن کو یقین ہو چلا تھا کہ یہ سمت محفوظ ہو گئی ہے اور اب میدان خالی دیکھ کر ہی وہ اس طرف دوبارہ یلغار کر رہے تھے کسی بھی ممکنہ مزاحمت کے پیش نظر انہوں نے قریباً پندرہ بیس منٹ مسلسل اس سمت گولہ باری کروائی تھی اور اب ان کے پاس اس یقین کے کافی شواہد موجود تھے کہ اس طرف سے مزاحمت مکمل دم توڑ چکی ہے۔

بھارتیوں نے کیپٹن جاوید اور اس کے جوانوں کی طرف سے ہونے والی مزاحمت کو ختم کرنے کے لئے انہیں دوسری دونوں اطراف سے بھی ایک لمحے کے لئے فارغ نہیں رہنے دیا تھا۔

دونوں اطراف سے ان پر بے پناہ گولہ بارود پھونکا جا رہا تھا اور اتنی شدید گولہ باری کے بعد ان کی دانست میں یہاں کوئی زندہ ہی نہیں بچا تھا---

جنگی اصول کے مطابق ایک مرتبہ پھر شدید گولہ باری کے بعد میدان صاف ہونے پر وہ آگے بڑھ رہے تھے۔

یہ راستہ ایسا تھا جس پر گولہ باری کے دوران ایڈوانس کا خطرہ مول نہیں لیا جا سکتا تھا اس طرح وہ خود ہی اپنے گولوں کی زد میں آ جاتے---

O

کیپٹن جاوید اور اس کے ساتھیوں نے گولہ باری بند ہونے سے اندازہ کر لیا تھا کہ اب دشمن پھر حملہ کرے گا اور ان کی توقعات کے مطابق بھارتی کمانڈوز اپنی محفوظ پناہ گاہوں سے اندھا دھند ان کی سمت گولیاں برساتے آگے بڑھ رہے تھے۔

حسن شاہ نے محسوس کیا ہیلی کاپٹر کے انجن کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ شاید وہ سامنے والی

پہاڑی کے عقب میں کہیں راستہ تلاش کر رہا تھا اور دشمن اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

اب اس کے اور بھارتی ہراول دستے کے درمیان بمشکل پندرہ بیس گز کا فاصلہ رہ گیا تھا جب اچانک ہی وہ زمین پر کروٹ بدل کر ان کے سامنے آ گیا اور دوسرے ہی لمحے صورتحال سے بے خبر بھارتیوں پر آگ برسانے لگا۔

حسن شاہ کی لائٹ مشین گن کے پہلے ہی ہلے نے تین چار بھارتیوں کو چاٹ لیا لیکن اس مرتبہ بھارتیوں نے ممکنہ مزاحمت کو نظر انداز نہیں کیا تھا اور انہوں نے پوزیشن بھی اس طرح لی ہوئی تھیں۔

ان لمحات میں جب حسن شاہ ماہر نشانہ بازوں کی طرح ایک ایک بھارتی کو نشانے پر لے کر ان کو جہنم رسید کر رہا تھا۔ اچانک ہی اسے اس تلخ حقیقت کا احساس ہوا کہ اس کے پاس بمشکل پندرہ بیس گولیاں باقی بچی ہیں۔

یہ گولیاں اسے آخری لمحات کے لئے بچانی تھیں۔ یہ سوچ کر اس نے اپنے پاس محفوظ دونوں ہینڈ گرنیڈ نکال لئے اور ایک گرنیڈ کی پن نکال کر سامنے سے آنے والے بھارتیوں پر پھینک دیا۔

دوسرے گرنیڈ کی پن وہ نکال ہی رہا تھا جب اچانک اپنے پیٹ اور سینے میں پگھلتا ہوا سیسہ اترنے کا احساس ہوا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی گردن میں بالکل سامنے کی طرف سے ایک مشین گن کی گولی گھس گئی۔

دم توڑتے لانس نائیک حسن شاہ نے گرینڈ دشمن کی طرف پھینکا اس کی آنکھیں ابھی تک زندہ تھیں ---

آخری منظر اس کے سامنے تھا۔ کچھ بھارتیوں کی لاشیں واپس بھاگتے بھارتی اور ان کے پہلو سے نمودار ہوتا کرنل کیانی کا ہیلی کاپٹر---!

اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی---

اور---روح اپنے بدن سے نکل کر قالینوں سے سجے اس راستے پر گامزن ہو گئی جس پر
چل کر اس سے پہلے اس کے تین ساتھی جنت مکان ہو گئے تھے---

لانس نائیک حسن شاہ اپنے کشادہ سینے پر دشمن کی گولیوں کے میڈل سجائے بڑی آن
بان سے ان حوروں کی طرف بڑھ رہا تھا جو "چشم ما روشن دل ماشاد" کے ساتھ بانہیں
پھیلائے اس شہید کی منتظر تھیں---

O

کرنل کیانی کو خود یقین نہیں آرہا تھا کہ اس سے کیا کارنامہ سرزد ہو گیا---حیرت انگیز
طور پر وہ دشمن کے سروں پر پرواز کرتا کیپٹن جاوید کی پوسٹ تک پہنچنے میں کامیاب
ہو گیا تھا۔

کیپٹن جاوید سے اس کا رابطہ مسلسل قائم تھا گو کہ اس کی کسی بات سے کرنل کیانی کو یہ
احساس نہیں ہوتا تھا کہ جاوید اور اس کے ساتھی کسی کمزوری کا مظاہرہ کر رہے ہیں
لیکن ان کی طرف سے ہونے والی فائرنگ سے کرنل کیانی اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ کس
صورتحال سے دوچار ہیں۔

وہ اپنا "پوما" ہیلی کاپٹر یوں اڑا رہے تھے جیسے سرکس میں لگے موت کے کنویں میں کوئی
ماہر موٹر سائیکل چلاتا ہے۔

کیپٹن جاوید کو دوربین کے بغیر ہی کرنل کیانی کا ہیلی کاپٹر دکھائی دے رہا تھا اور اس سے
زیادہ بھارتی فوجی حیرانگی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

یوں دکھائی دیتا تھا جیسے واقعی وہ اب تک اندھے ہو چکے تھے اور انہیں اب علم ہوا تھا کہ
ان کے سروں سے پرواز کر کے کوئی پاکستانی ہیلی کاپٹر بھی یہاں تک پہنچ گیا ہے۔

بوکھلائے ہوئے بھارتیوں نے اپنی گنوں کا منہ ان کی طرف کر دیا--

لیکن--بلندی اور تہہ در تہہ پہاڑی سلسلوں کی وجہ سے وہ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

کرنل کیانی نے انتہائی مہارت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک تنگ درے سے اپنا "پوما"
گذار کر اسے سیدھا کیا اب وہ کیپٹن جاوید کے عقب میں بالکل محفوظ ہو چکے تھے۔

ایک قدرے ہموار جگہ دیکھ کر انہوں نے اپنا ہیلی کاپٹر وہیں اتارنے کا فیصلہ کیا تھا اور
اب اس انتہائی خطرناک فیصلے پر عمل بھی کرنے جا رہے تھے---

کیپٹن جاوید سے زیادہ صورتحال کی سنگینی کا اندازہ اور کون کر سکتا تھا---اس نے اپنے
باقی ساتھیوں کو دشمن کو مکمل انگیج رکھنے کے احکامات کے ساتھ نئی ترتیب کے ساتھ
پھیلا دیا تھا۔

اور---وہ خود اپنے ایک جوان کے ساتھ اس قدرے ڈھلوان جگہ کی طرف رینگ
رہے تھے جہاں کرنل کیانی کا ہیلی کاپٹر معجزاتی طور پر لینڈ کر چکا تھا۔

کرنل کیانی اب اپنے پاس موجود سامان اتارنے میں مصروف تھے--وہ خود ہیلی کاپٹر
کے انجن سٹارٹ رکھ کر نیچے اتر آئے تھے۔ عام حالات میں شاید وہ ایسا نہ کرتے لیکن
ان کے لئے یہ ممکن نہیں رہا تھا کہ اپنے اس زخمی ہیرو کو بڑھ کر گلے نہ لگائیں۔

"ویل ڈن---"

انہوں نے بے اختیار دونوں بانہیں پھیلا کر کیپٹن جاوید کو گلے لگا لیا جس کے سر پر
بندھی پٹی رنگین ہو رہی تھی۔ بے اختیار ہو کر انہوں نے یہی عمل اس کے جوان کے
ساتھ بھی دہرایا اور اب تینوں مل کر سامان اتار رہے تھے۔

کرنل کیانی کے لئے یہاں زیادہ دیر قیام کرنا ممکن نہیں تھا---

قریباً دس پندرہ منٹ کے درمیان انہوں نے اپنا "پوما" خالی کر دیا---

کیپٹن جاوید کی خواہش تھی کہ اس کے ساتھ موجود دو شدید زخمی کرنل صاحب کے
ساتھ واپس چلے جائیں

لیکن---انہوں نے واپس جانے سے انکار کر دیا تھا۔

اور ---اب سولہ ہزار فٹ کی اس بلندی پر اپنے دو شدید زخمی اور چار تھکے ہوئے کمانڈوز کے ساتھ زخمی کیپٹن جاوید پھر بھارتیوں کے سامنے سیسہ پلائی دیوار بن چکا تھا۔

ان کے پاس کمک پہنچ گئی تھی---

گولہ بارود، ادویات اور کچھ اشیائے خورد و نوش آچکی تھیں۔ اپنی بے پناہ خستہ حالی کے باوجود کیپٹن جاوید کو ایمان کی حد تک اس بات کا یقین تھا کہ جب تک اس کے کسی جوان کے پاس ایک بھی گولی باقی ہے وہ دشمن کو اس پوسٹ پر قابض نہیں ہونے دیں گے۔

ایک مرتبہ پھر وہ نئے عزم اور تازہ ولولوں کے ساتھ دشمن کو لوہے کے چنے چبانے پر مجبور کر چکے تھے۔

اگلے ڈیڑھ گھنٹے تک انہوں نے دشمن کی یلغار روکے رکھی۔

اور عین ان لمحات میں جب ان کے بازو شل ہو چکے تھے۔ خون ان کی رگوں میں شدید سردی سے منجمد ہو رہا تھا۔

عین ان ہی لمحات میں ان کے عقب سے "نعرۂ تکبیر" بلند ہوئے اور اللہ کی بزرگی و برتری کا اعلان کرتے ناردرن لائٹ انفنٹری کے جوانوں کا پہلا دستہ کیپٹن شیر دل کی کمان میں ان کی مدد کو پہنچ گیا تھا---

اپنے جسموں سے لپٹے رسوں کی مدد سے این ایل آئی کے جوان عمودی پہاڑی چوٹی پر چڑھتے دیوانہ وار اپنے ساتھیوں کی مدد کو آرہے تھے۔

انہوں نے جلد ہی پوزیشنیں سنبھال لی تھیں۔

کیپٹن شیر دل اور ان کے ساتھی حیرت اور عقیدت کے بے پناہ جذبات سے باری باری ان کمانڈوز سے بغل گیر ہو رہے تھے جنہوں نے عسکری تاریخ کا ناقابل یقین کارنامہ انجام دیا تھا۔

یہ جوان اپنے ساتھ ضروریات کا سامان بھی لے کر آئے تھے گو کہ وہ بھی چھ گھنٹے کا

طویل اور تھکا دینے والا سفر کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے تھے۔

لیکن---بالکل تازہ دم تھے۔

پہلے سے موجود اپنے ساتھیوں کی ناقابل یقین بہادری نے ان کے حوصلے یوں بھی دوچند کر دیئے تھے---

شہداء کے جواں لاشے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔

کیپٹن شیر دل نے کیپٹن جاوید کو بہت منت سماجت کے بعد اس خیمے تک جانے پر رضامند کیا جو اس کے زخمی ساتھیوں کے لئے لگایا گیا تھا اور این ایل آئی کے ایک ڈاکٹر نے جو اس گروپ کے ساتھ آیا تھا کیپٹن جاوید کی پٹی دوبارہ کر کے اسے زمین پر بچھے کمبل پر لٹا دیا تھا۔

اس کے باقی زخمی ساتھیوں کی مرہم پٹی ہو رہی تھی--این ایل آئی کے جوانوں کی آمد نے بھارتیوں کی رہی سہی کمر ہمت بھی توڑ دی تھی۔

اگلے تین گھنٹوں میں---

کمانڈوز کا ایک اور سیکشن ان کی مدد کو پہنچ گیا تھا۔

کرنل کیانی اس مرتبہ بڑے ہیلی کاپٹر ایلویٹ میں تازہ دم کمانڈوز اور سامان حرب و ضرب کے ساتھ آئے تھے۔

اور---

اس ہیلی کاپٹر میں کیپٹن جاوید اپنے چار کمانڈوز کی لاشیں اور زخمی ساتھیوں کے ساتھ فاتحانہ انداز میں واپس بیس کیمپ کی طرف پرواز کر رہا تھا۔

گورجیت سنگھ آج بہت خوش تھا۔

آج پرمود نے اسے ویزہ لگا پاسپورٹ اور ٹکٹ دے کر اس کو روانگی کی تاریخ سے آگاہ کرنا تھا۔

اس نے ابھی تک اپنی بیوی کو رازدار نہیں بنایا تھا لیکن دو روز پہلے اسے بھی ساری کتھا کہانی سنا دی تھی۔ اپنی ساری کہانی اور پرمود کا تعارف کروانے کے بعد اس نے اپنی مونچھوں پر تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

"کیوں گوروندر کور---ہمیں مانتی ہے ناں--کیسا بیوقوف بنایا سالے کو--بڑا ہوشیار بنتا تھا--ارے بھئی میرا کیا گیا---مہمانوں کی لسٹیں ہی دی ہیں ناں--ہم نے کون سے ملٹری والوں کے راز دے دیئے ہیں--اور دیکھ لو گوروندر کور---ہم نے کیسا الو بنایا ہے اسے---کیسا سودا کیا ہے---مہمانوں کے نام بتا بتا کر امریکہ کا تمہارا اور اپنا ویزہ حاصل کر لیا---کسی کو بتانا نہیں۔ پرمود نے کہا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہونی چاہئے---"

اس نے اچانک ہی بڑی رازداری سے اپنی بیوی کے کانوں کے نزدیک منہ لے جاتے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں سردار جی---لو ہم نے کوئی غیر قانونی کام کیا ہے--ہم کیوں اس طرح

چوری چھپے جائیں گے۔ میں تو ساری کالونی کو بتا کر جاؤں گی---سب کے سینے پر مونگ دل کر جاؤں گی--ان کو پتہ تو لگے کہ میں کس کی سنگھنی ہوں۔"

اس نے سر جھٹک کر کہا۔

سالی---چپ کر--بات کو سمجھا کر۔ مروائے گی مجھے بھی تو--کوئی عقل کر--میں جو تجھے کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرنا۔ خبردار کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو"---

گورجیت سنگھ کا پارہ چڑھ گیا تھا۔

"سردار جی کوئی اور مصیبت تو نہیں آنے والی"---

اچانک ہی گوروندر کور نے عجیب سی بات کہہ دی تھی۔

"شبھ شبھ بول---"

گورجیت سنگھ کو غصہ آنے لگا تھا۔

"واہگورو خیر ہی رکھے۔ آپ نے جو بھی کرنا ہے جلدی کر لیں وہ لکھو رام والی بات یاد ہے ناں" اس نے قدرے غیر مطمئن ہو کر کہا۔

لکھو رام یہاں کا ایک مالی تھا---اسے تین چار ماہ پہلے ایک روز علی الصباح اس کے گھر سے کچھ سفید پوش اغوا کر کے لے گئے تھے۔ اس کالونی میں کسی سویلین کی آمد اور ایسی اغوا کی واردات کر جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ یہ بات تو طے تھی کہ اسے کسی سرکاری محکمے کے لوگوں نے ہی اغوا کیا ہے۔

اور---چند روز بعد یہ عقدہ بھی کھل گیا

لکھو رام کو "را" کے لوگ پکڑ کر لے گئے تھے کیونکہ وہ پاکستان کے لئے جاسوسی کر رہا تھا۔ کالونی کے لوگوں کو یہ بات ابھی تک ہضم نہیں ہو رہی تھی کہ ایک مالی کس طرح کس کے لئے جاسوسی کر سکتا ہے۔

لیکن---انہیں اس بات کا یقین تھا کہ جس ایجنسی نے لکھو رام کو اٹھایا ہے وہ غلط نہیں

ہو سکتی۔ کچھ دنوں بعد لکھورام کے گھر کی تلاشی لی گئی تو وہاں سے کچھ نقد روپیہ برآمد ہوا جس کے بعد اس کی بیوی اور سالے کو بھی خفیہ پولیس والے اپنے ساتھ لے گئے اور اس کے کوارٹر کو ابھی تک تالا لگا ہوا تھا۔

گورجیت سنگھ کا دھیان کبھی لکھورام کی طرف نہیں گیا تھا۔

لیکن --- آج نجانے کیوں اسے اچانک لکھورام یاد آ گیا۔

"کہیں وہ تو پاکستان انٹیلی جنس کے پاس نہیں پھنس گیا؟"

اس نے سوچا پھر خود ہی مطمئن ہو کر گردن نفی میں ہلا دی۔ اس کے پاس بڑی مضبوط دلیل موجود تھی کہ وہ تو امریکنوں کے لئے کام کر رہا ہے اور جس شخص کے ذریعے کام کر رہا ہے وہ بھی کوئی مسلمان نہیں ہندو ہے --- پرمود نام ہے اس کا ---

آج اسے پرمود سے آخری ملاقات کرنی تھی کم از کم اس نے یہی کہا تھا کیونکہ اس ملاقات کے بعد انہوں نے پھر کیلیے فورنیا میں ملنا تھا۔

امریکی ریاست کیلیفورنیا اس کی ہمیشہ سے کمزوری رہی تھی۔ یہاں کے سمندر، ساحل، ریتلے کنارے اور خاص طور سے "سان فرانسسکو" --- پرمود سے جب اس نے ذکر کیا تھا سان فرانسسکو کا تو اس نے گورجیت سنگھ سے کہا تھا کہ اب اس کی اگلی منزل یہی ہو گی۔

"ایک سال کے لئے تو تمہیں سان فرانسسکو کی "کرکڈ سٹریٹ" پر ہی اپارٹمنٹ مل جائے گا --- اس کے بعد جہاں پسند کرو --- یار یہ امریکن سالے بڑے پاگل ہیں۔ ان کو ایک مرتبہ خوش کر دو تو جو مرضی ان سے لے لو ---"

اس روز پرمود نے اس کے ہاتھ پر بے تکلفی سے ہاتھ مارتے ہوئے اسے حسب سابق مستقبل کے سنہرے خواب دکھاتے ہوئے کہا تھا۔

گورجیت سنگھ نے اس روز سے سان فرانسسکو کے خواب دیکھنے شروع کر دیئے تھے اور

سان فرانسسکو کے لئے وہ اس سے زیادہ بھی بہت کچھ کرنے کو تیار تھا جو کچھ کرنے کے لئے اسے پرمود نے کہا تھا۔

O

اس روز بڑا محتاط ہو کر وہ اپنے کوارٹر سے نکلا تھا اس کی خواہش تھی کہ آج اسے گھر سے باہر جاتے ہوئے کوئی نہ دیکھے۔

پرمود نے یہی اسے سمجھایا تھا کہ اب اس کے بھارت میں تین چار دن ہی باقی رہ گئے ہیں اس لئے وہ محتاط رہا کرے۔

کالونی کا مین گیٹ عبور کرتے ہوئے اسے پکا یقین تھا کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا لیکن --- وہ نہیں جانتا تھا کہ گذشتہ پانچ روز سے اس کی مسلسل نگرانی کی جا رہی ہے ---

یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ اس نے اپنی بیوی کو اعتماد میں لیا ---

گوروندر کور نے اسی روز شام کے بعد اپنی سہیلی نیلما کو "اعتماد" میں لے کر ساری بات بتا دی تھی۔ سیدھی سادی سنگھنی کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ نیلما کا خاوند رنجیت انٹیلی جنس کا مخبر تھا۔

"را" نے صفدر جنگ کے تمام سرکاری دفاتر میں ایسے مخبروں کا جال بچھا رکھا تھا جنہیں اپنے کسی بھی ساتھی سے متعلق کوئی بھی "کام کی خبر" پہنچانے پر انعام واکرام سے نوازا جاتا تھا کالونی والوں کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ لکھورام کی جڑوں میں رنجیت ہی بیٹھا تھا۔ اس نے لکھورام کو دو مرتبہ ایک اجنبی سے جو خاصے کھاتے پیتے گھرانے کا فرد دکھائی دیتا تھا ملاقات کرتے دیکھ لیا تھا اور اس ملاقات کی خبر اس نے خاصی بڑھا چڑھا کر انسپکٹر چھاگلا کو دی تھی ---

اس کے بعد لکھورام کی نگرانی ہونے لگی تھی اور ایک دن وہ قابو آ گیا --- جس روز لکھورام پکڑا گیا اس سے اگلے روز رنجیت کو دو ہزار روپے کا انعام ملا تھا اور ایس پی

صاحب نے اس کی کمر ٹھونکتے ہوئے کہا تھا کہ وہ ایسی معمولی سے معمولی خبریں انہیں ضرور پہنچایا کرے۔

نیلما ان کے ہمسائے میں رہتی تھی۔

گورجیت سے اگلا کوارٹر اس کا تھا اور اس کی شادی کو ابھی ڈیڑھ دو سال ہی ہوئے تھے پنجاب کی سیدھی سادی جٹی گوروندر کور اس کی لچھے دار باتوں میں آکر پہلے ہی روز اس کی خاصی سہیلی بن گئی تھی کیونکہ دونوں کی ایک عادت بڑی ہی مشترک تھی کہ دونوں اپنے ہمسایوں کی عورتوں سے متعلق ہر وقت کوئی نہ کوئی غلط خبر سننے یا پھر سنانے کے لئے بے چین رہا کرتی تھیں۔

یوں تو نیلما نے اس سے کرید کرید کر وہ ساری تفصیلات اگلوالی تھیں جن کے ذریعے رنجیت کو آگے نمبر بنانے کا موقعہ مل جاتا لیکن وہ بھی گورجیت کی طرح یہ کہنا نہیں بھولی تھی کہ وہ اب یہ بات آگے ہرگز نہ کرے کیونکہ کالونی کی تمام عورتیں ان دونوں کے حسن وجوانی سے پہلے ہی حسد کرتی ہیں اور اگر انہیں گورجیت اور گوروندر کور سے متعلق یہ خبر بھی مل گئی کہ وہ دونوں امریکہ جانے والے ہیں تو نجانے حسد میں آکر کہیں کوئی الٹا ناپ شناپ نہ کروادے۔

"لو--- میں کوئی پاگل ہوں۔ تمہیں اپنی جان کر بات کرلی ہے حالانکہ "انہوں" نے سختی سے کسی سے بھی بات کرنے سے منع کیا تھا۔

گوروندر کور نے سیانی بنتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے"---

نیلما نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

رنجیت کے لئے یہ خبر کیا تھی گویا اس کی لاٹری نکل آئی۔

نیلما نے تو یہ بھی جان لیا تھا کہ جو شخص انہیں امریکہ لے کر جائے گا اس کا نام پرمود

ہے اور وہ گورجیت سنگھ سے یہاں آنے والے مہمانوں کی لسٹیں لیتا رہا ہے---رنجیت نے ایک لمحہ توقف کئے بغیر یہ خبر آگے پہنچادی۔ انسپکٹر چھاگلا نے اسے پانچ سو روپیہ انعام دیا تھا اور تنبیہ کی تھی کہ وہ اب اس بات کو بھول جائے کہ اس نے ایسی کوئی اطلاع دی ہے اس کے بعد دونوں الگ ہوگئے---

رنجیت پانچ سو روپیوں کے ساتھ سیدھا شراب خانے کی طرف گیا تھا جہاں اس نے آدھے پیسے آدھی رات تک لٹا کر اپنے گھر کا رخ کیا۔

○

گورجیت سنگھ کو علم نہیں تھا کہ پرائم منسٹر ہاؤس کے ایک کونے میں موجود سرونٹ کالونی کے سامنے والے میدان کے گھنے درختوں کے پیچھے سے طاقتور دوربین اس کے گھر کے دروازے پر نصب تھی۔

یہاں سے اس کی روانگی اور مین گیٹ سے باہر آنے تک کوئی اس کے نزدیک بھی نہیں پھٹکا تھا۔

جب قریباً ایک فرلانگ پیدل جانے کے بعد اس نے ایک ٹیکسی کے ذریعے ہوٹل تاج محل کی طرف سفر شروع کیا تو اس ٹیکسی کے آگے پیچھے تین کاریں اور ایک موٹر سائیکل اس کا پیچھا کر رہے تھے اور گورجیت عقل کا اندھا اپنی دھن میں مست چلتا چلا جا رہا تھا۔

ٹیکسی اس نے ہوٹل کے باہر مین گیٹ کے نزدیک رکوائی تھی جبکہ اس کے آگے والی کار آگے نکل گئی۔ پچھلی کار ہوٹل کی پارکنگ کی طرف چلی گئی اور موٹر سائیکل سوار تیسری کار والوں کے ساتھ باہر موجود رہا۔

گورجیت سنگھ سیدھا کاؤنٹر کی طرف گیا تھا جہاں اس نے مسٹر پرمود مہرہ کا کمرہ نمبر بتا کر ان سے بات کرنے کے لئے کہا تھا۔

"لیکن سر---205 نمبر میں تو مسٹر بھاٹیہ نامی ایک صاحب ٹھہرے ہوئے ہیں"---

استقبالیہ کلرک لڑکی نے اپنے سامنے موجود "مانیٹر" کی سکرین پر نظر ڈالنے کے بعد کہا۔

"کیا مطلب؟"---

گورجیت سنگھ نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یس سر! وہاں مسٹر بھاٹیہ ٹھہرے ہوئے ہیں"---

لڑکی نے بڑے اعتماد سے کہا۔

"لیکن تین روز پہلے تو مسٹر پرمود مہرہ--- شاید میں کمرے کا نمبر بھول گیا ہوں۔ پلیز! آپ ذرا نام سے چیک کر لیں"

گورجیت سنگھ نے قدرے بے یقینی کے لہجے میں کہا۔ اسے کاؤنٹر پر کھڑی خاتون کی بات کا یقین نہیں آ رہا تھا۔

لڑکی نے اس سے زیادہ خود کو مطمئن کرنے کے بعد دوبارہ اپنے "کی بورڈ" پر انگلیاں دباتے ہوئے سکرین پر نظر جما دی۔

"سوری سر! اس نام کے کوئی صاحب گذشتہ ایک ہفتے سے ہمارے ہوٹل میں نہیں ہیں۔"

اس مرتبہ لڑکی نے حتمی لہجے میں بات کی تھی۔

"او۔ کے"---

قدرے گھبرائے ہوئے گورجیت نے کہا اور واپس مڑ گیا۔

اسے ابھی تک اس بات کا یقین نہیں آ رہا تھا کہ پرمود یہاں موجود نہیں ہے۔ اس نے تو پندرہ بیس روز مسلسل پرمود سے یہاں ملاقات کی تھی اور اس کے کمرے میں بھی جاتا رہا تھا۔

"کہیں یہ بھی وہی لکھورام والا چکر تو نہیں"---

اچانک ہی ایک خیال نے اسے بوکھلا کر رکھ دیا۔

اور---وہ پریشانی ہی کی حالت میں باہر آ گیا۔

گورجیت سنگھ کو اس بات کی کانوں کان خبر نہ ہو سکی کہ جیسے ہی وہ کاؤنٹر سے ہٹا اس کے ساتھ ہی اندر آنے والے ایک نوجوان نے جو اس کا تعاقب کرنے والی کار میں بیٹھا اور اب اندر آ گیا تھا کاؤنٹر والی لڑکی سے رابطہ کیا تھا۔

اس نے اپنا تعارف کروانے کے بعد لڑکی سے پوچھا کہ گورجیت سنگھ یہاں کس سے ملنے آیا تھا اور اس کی طرف سے ملنے والا جواب اپنے پاس موجود چھوٹی سی ڈائری میں لکھ کر تیزی سے باہر آ گیا تھا۔

گورجیت باہر کھڑا کچھ سوچ رہا تھا جب وہ نوجوان سیدھا اس کی طرف گیا۔

"آپ کو مسٹر پرمود سے ملنا ہے"---

اس نے بغیر کسی تعارف اور دعا سلام کے گورجیت سے براہ راست اور اچانک سوال کر دیا۔

"ہاں"---

بے ساختہ گورجیت کے منہ سے نکلا

"شما (معاف) کیجئے--- آپ کو زحمت ہوئی، دراصل وہ آپ کا انتظار کر کے ابھی گئے ہیں۔ دراصل کمرہ میرے نام پر بک تھا انہیں ایک ضروری کام سے جانا پڑا لیکن انہوں نے مجھے آپ کے لئے یہاں چھوڑا تھا--- آیئے آپ کو ان سے ملا دوں"---

نوجوان نے بڑی بے تکلفی سے کہا۔

گورجیت بالکل بوکھلا گیا تھا۔ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔

"آیئے گورجیت سنگھ جی --- میرا نام پشپال سنگھ ہے"---

اس نے گورجیت کو اس کا نام لے کر مخاطب کرتے ہوئے اپنا تعارف بھی کروا کر جیسے گورجیت کے ڈگمگاتے اعتماد کو سہارا دینے کی کوشش کی تھی۔

"کہاں جانا ہے"---

گورجیت نے اچانک ہی اس سے پوچھا۔

"ارے مہاراج آیئے آپ کو ملائیں۔"

یہ کہہ کر اس نوجوان نے گورجیت کا ہاتھ پکڑا اور اپنے نزدیک ایک رکنے والی کار کی طرف بڑھا جس سے دو ہٹے کٹے نوجوان باہر آرہے تھے۔

اس سے پہلے کہ گورجیت کو کچھ سمجھ آتی انہوں نے اسے دھکا دے کر کار میں پھینکا اور چیختے چلاتے گورجیت سنگھ کو قابو کر کے چل دیئے---

گورجیت سنگھ کو انہوں نے دو چار ہاتھ لگا کر ہی قابو کر لیا تھا اور اگلے پندرہ منٹ کے بعد وہ "را" کے ایک خفیہ تفتیشی مرکز میں پہنچا دیا گیا تھا۔

O

جنرل چبر کے لئے یہ خبر بڑی پریشان کن تھی کہ سیاچن پر حملے کی خبر پاکستان انٹیلی جنس کو پہلے ہی سے پہنچ گئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کا اچانک حملے کی "حیران کن" کارروائی کا خواب منتشر ہو کر رہ گیا تھا۔

"ناقابل یقین بات ہے"---

جنرل نے اپنے سامنے دھری رپورٹ پر نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔

"سر! یہ بڑے تیز لوگ ہیں۔ بہت سمارٹ"---

کرنل کھیرا نے جو رپورٹ لے کر آیا تھا اس سے کہا

"تو کرنل--- میں سمجھتا ہوں تم لوگ بے وقوف ہو---اس ڈیم فول سیکورٹی چیف کو اگر میرے اختیار میں ہو تو ابھی شوٹ کر دوں جس کے ذمہ پرائم منسٹر ہاؤس کی سیکورٹی کا بندوبست لگایا گیا ہے---اس گدھے کی بے وقوفی نے سارا کھیل بگاڑ دیا---"

جنرل چبر نے غصے سے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

"سر! اسے سوائے بد قسمتی کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا"---

کرنل کھیرا نے تاسف سے کہا۔

"اسے سوائے بے وقوفی کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا"---

جنرل چبر نے غصے سے قریباً چیختے ہوئے کہا اور اپنا سگار سلگانے لگا۔

"کس گدھے نے اس سے کہا تھا کہ اس مسئلے پر پروٹوکول کو بھی انوالو Involve کرلے--- ہم سالے کوئی غیر ملکی مہمان تھے جن کی پسند ناپسند کا خیال رکھا جاتا--- ہم کوئی وہاں کاک ٹیل پارٹی میں شرکت کرنے گئے تھے-- آخر اسے ایک ایک مہمان کا نام لکھ کر باورچیوں کو دینے کی ضرورت کیا تھی---"

جنرل چبر کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا---

کرنل کھیرا جان سکتا تھا کہ اس وقت جنرل چبر کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ اپنے ڈویژن کا انٹیلی جنس چیف ہونے کے ناطے کرنل کھیرا کے پاس سب سے پہلے یہ اطلاعات پہنچ چکی تھیں کہ حیرت انگیز طور پر نہ صرف پاکستانیوں نے ان کی پیش قدمی روک دی ہے بلکہ انہوں نے "بلافون لا"، "سیالا" اور "گیانگ لا" میں بڑی محفوظ اور مضبوط پوزیشن بھی لے لی ہیں---

یہ سب کیسے ہو گیا؟

اس بات کی سمجھ جب اس کے جرنیلوں کو نہیں آرہی تھی تو اسے کس طرح آتی؟

"مجھے تو شک ہے کہ ان لوگوں نے ہمیں نامکمل اطلاعات دی تھیں"---

جنرل چبر نے کرنل کھیرا کی طرف دیکھ کر ملٹری انٹیلی جنس سے متعلق ریمارک دیا تو کرنل کھیرا قدرے گھبرا گیا۔

"نو سر--- میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پاکستانیوں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ ہم ان پر سیاچن سے حملہ کریں گے--- سر! ان کے پاس تو اس علاقے میں زندہ رکھنے والی یونیفارم بھی نہیں ہے-- جہاں انہیں لڑنا پڑ رہا ہے وہاں ممکنہ جنگ کا

انہوں نے شاید ماضی میں تصور بھی نہیں کیا ہوگا---"

کرنل کھیرا نے بڑے تیقن سے کہا۔

"کرنل وہ گوشت پوست کے انسان ہیں یا کوئی غیر مرئی مخلوق؟"

جنرل چبر نے قدرے نارمل ہو کر طنز کیا۔

"سر! بظاہر تو آپ کا دوسرا خیال صحیح دکھائی دیتا ہے---انہوں نے پیدل دستوں کو ساٹھ ستر میل کا ناقابل عبور سفر طے کروانے کے بعد معمول کی یونیفارم کے ساتھ تمام محاذوں پر پہنچایا ہے--اور اب وہ انہیں "ایلویٹ" اور "لاما" کے ذریعے مدد پہنچا رہے ہیں--یہ ان کے لئے پہلا تجربہ ہے"---

کرنل کھیرا نے اس کے طنز کو لوٹاتے ہوئے کہا۔

"مائی گاڈ--- بہت سبکی ہوئی---جی ایچ کیو والے تو پہلے ہی ہماری مخالفت کر رہے تھے---"

جنرل چبر نے قدرے پریشانی سے کہا۔

اسے اس تلخ حقیقت کا ادراک ہو گیا تھا کہ اس نے ناردرن کمانڈ کے افسر اعلیٰ کی حیثیت سے اپنی زندگی کا سب سے خطرناک اور جاہلانہ فیصلہ کر کے اپنی ساری سروس داؤ پر لگا دی ہے۔

جب اس نے اپنا منصوبہ جی ایچ کیو کے سامنے رکھا تھا تو انہوں نے اس پر "ناقابل عمل --ناقابل یقین" کے الفاظ لکھ کر "معذرت" کے ساتھ واپس لوٹا دیا تھا۔

لیکن---نجانے کس منحوس گھڑی پر اس نے ڈیفنس سیکرٹری کے سامنے اس منصوبے کا ذکر کیا جس سے بات آر۔این۔کاؤ تک پہنچی جس نے ایک روز اس سے "را" کے ہیڈ کوارٹر میں خفیہ میٹنگ کرنے کے بعد اس کے خیالات اپنی "پرائم منسٹر" تک پہنچا دیے تھے---

اور---ایڈونچر پسند پرائم منسٹر نے بنگلہ دیش کی طرح اپنے سر پر ایک اور کامیابی کا تاج سجانے کے لئے فوراً اس پر صاد کر دیا---

جنرل چبر جانتا تھا کہ چیف آف سٹاف نے یہ بات ضرور اپنے دل میں رکھی ہوگی کہ اس نے پرائم منسٹر کی رضامندی حاصل کرنے کے بعد یہ منصوبہ جی ایچ کیو تک پہنچایا تھا---

اور---یہ فوجی ڈسپلن کی خلاف ورزی تھی---

بہر حال اس سے یہ کچھ لاشعوری طور پر سرزد ہو گیا تھا۔ اس کے سٹاف آفیسر کرنل کمار نے اسے انگیخت کیا تھا کہ اپنی خصوصی تربیت یافتہ مونٹن ڈویژن کے ساتھ وہ یہ ناقابل یقین کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔

جنرل چبر کو کچھ کچھ پچھتاوے کا احساس ہو رہا تھا۔ لیکن وہ اس کا اظہار کر کے اپنی جگ ہنسائی کا سامان نہیں چاہتا تھا۔

ماضی کی تاریخ اس کے سامنے تھی اسے اچھی طرح یاد تھا کہ 62ء میں جنرل بی ایم کول نے جب چین کے ساتھ نیفا کے محاذ پر جنگ ہاری تھی تو اسے کتنا بے عزت کر کے آرمی سے ریٹائر کیا گیا تھا۔

وہ کم از کم جنرل کول کی طرح اپنا نام فوج کی تاریخ میں نہیں لکھوانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے اپنی ضد پر اڑے رہنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

"Look کرنل کمار---اب جو بھی ہم نے کیا وہ اپنی اچھائی برائی سمیت ہمیں قبول کرنا ہی پڑے گا---اپنی تمام طاقت سیاچن میں جھونک دو--ان کے پاس ضروریات زندگی ہی مکمل نہیں---وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ایسے خطرناک اور قاتل موسم کا مقابلہ دشمن صرف اپنے جذبے سے کب تک کر سکتا ہے---کرنل کمار ایک آرمی آفیسر کی حیثیت سے مجھے ہی نہیں ہم سب کو یہ بات تسلیم کر لینی چاہئے کہ ہم پہلے

مرحلے پر یہ جنگ ہار گئے ہیں---انہوں نے ہمارا حملہ روک دیا ہے---اور وہ بھی
اتنے نامساعدہ حالات میں اتنی بے سروسامانی کے ساتھ --- لیکن تم "مونٹنیز"
Mountainer ہو--- تمہیں اپنا حوصلہ برقرار رکھنا ہے---تازہ دم یونٹس میدان
میں لاؤ--میں دیکھوں گا وہ کب تک ہمیں روک پائیں گے"---

اس نے قدرے تلخ لہجے میں یہ باتیں کی تھیں---

"سر! آپ مطمئن رہیں۔ ہم دیکھتے ہیں ان میں کتنی سکت ہے--اس وقت تو جوش و
جذبے سے انہوں نے کام کر لیا لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جلد ہی ان کا دم خم
ٹوٹ جائے گا---بہت جلدی وہ پسپائی اختیار کر لیں گے---اور سر! اگر انہوں نے
بھاگنا شروع کیا تو پھر گلگت تک ہم انہیں سانس لینے کے لئے بھی رکنے کا موقعہ نہیں
دیں گے"---

کرنل کمار نے بظاہر تو یہ باتیں کر کے جنرل چیمبر کو مطمئن کرنا چاہا تھا۔

لیکن---

ایک خلش سے اس کے ضمیر میں پھانس کی طرح اٹک چکی تھی--وہ سوچ رہا تھا کہ جو
کچھ اس نے کہا ہے ایسا کبھی ہو بھی سکے گا یا نہیں!

O

آر۔این۔کاؤ کے سامنے تمام رپورٹس دھری تھیں---

ملٹری انٹیلی جنس نے واقع طور پر اس حملے کو اپنی شکست مان لیا تھا کیونکہ فوجی زبان میں
ہر وہ حملہ جو مطلوبہ نتائج حاصل نہ کر سکے اسے ناکام حملہ ہی تصور کیا جاتا ہے---

اس دلیل کو بنیاد بنا کر ملٹری انٹیلی جنس چیف نے اپنی رپورٹ پرائم منسٹر کے لئے تیار کی
تھی---

لیکن---یہ الگ بات کہ پرائم منسٹر کے لئے تیار ہونے والی ہر انٹیلی جنس سمری پہلے

"را" کے ڈائریکٹر جنرل آر۔این۔ کاؤ کی میز پر ہی پہنچتی تھی--کیونکہ وہ پرائم منسٹر کا
سیکورٹی ایڈوائزر بھی تھا---

دوسری رپورٹ ناردرن کمانڈ کی طرف سے بھیجی گئی تھی جس کے مطابق انہوں نے
پاکستانی علاقے کے اندر اپنی مضبوط پوزیشنیں قائم کر لی ہیں اور اپنے حملے کے مقاصد
بھی کافی حد تک حاصل کر لئے ہیں---

آر۔این۔کاؤ نے ملٹری انٹیلی جنس کی رپورٹ کی سمری الگ سے اس کے تمام منفی
پوائنٹس نکال کر تیار کروائی اور ناردرن کمانڈ کی رپورٹ کو اس کے ساتھ مربوط کر کے
ایک نئی فائل کے ساتھ پرائم منسٹر کے پاس پہنچ گیا۔

پرائم منسٹر سے اس کے تعلقات سرکاری سے زیادہ ذاتی نوعیت کے تھے۔

71ء میں پاکستان کو دولخت کرنے کا جو تاج بھارتی پرائم منسٹر نے اپنے سر پر سجا رکھا تھا اس
تاج کو ان کے سر پر رکھنے والے ہاتھ اسی آر۔این۔کاؤ کے تھے---

کاؤ نے "را" کو بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی سے زیادہ پرائم منسٹر کی ذاتی انٹیلی جنس کمپنی بنا
کر رکھ دیا تھا۔

اس نے پرائم منسٹر کی ہر جائز ناجائز خواہش کو حکم کا درجہ دے کر اس کی اطاعت کی تھی
اور ان کی اطاعت میں بھارت کی قریباً ہر سیاسی جماعت کو اپنا دشمن بنا لیا تھا۔

اس نے بطور خاص کانگریس کو برسر اقتدار رکھنے کے لئے "را" میں سیاسی سیل قائم کیا
تھا جس کا مقصد صرف پرائم منسٹر کے مخالف سیاستدانوں کی کمزوریاں پکڑ کر انہیں ڈرانا
دھمکانا اور بلیک میل کرنا تھا---

اپنے انہی کرتوتوں کی بنا پر اس نے ایک مرتبہ پرائم منسٹر مسز اندرا گاندھی کو راج پاٹھ
سے چھٹکارا بھی دلا دیا تھا اپنی بھی چھٹی کروالی تھی۔

لیکن---

جیسے ہی دوبارہ مسز اندرا گاندھی برسر اقتدار آئیں انہوں نے سب سے پہلے اپنے اس پرانے جانثار کو بلا کر دوبارہ "را" کی سربراہی اور اپنے سیکورٹی ایڈوائزر کی گدی بھی سونپ دی تھی۔

بھارتی بیورو کریسی کے تمام ستون آر۔ این۔ کاؤ کی پسند ناپسند پر قائم رہتے اور منہدم ہوتے تھے۔

کوئی بھی اہم رپورٹ پرائم منسٹر کی میز تک کاؤ کی نظروں سے بچ کر نہیں پہنچ سکتی تھی وہ نہ صرف پرائم منسٹر کا سیکورٹی ایڈوائزر تھا بلکہ ان کا "بزنس پارٹنر" بھی رہ چکا تھا---

مسز اندرا گاندھی نے اپنے سامنے دھری فائل کی موٹائی پر ایک پھسلتی ہوئی نظر ڈالی اور اس سے مخاطب ہوئیں۔

"مسٹر کاؤ--- آپ موٹے موٹے پوائنٹس مجھے تیار کر دیں۔ میں کہاں اس پلندے کو پڑھتی پھروں گی"---

"میڈم پرائم منسٹر میں نے آپ کی گوناگوں مصروفیات کا اندازہ کرتے ہوئے یہ کام پہلے سے کر رکھا ہے---"

یہ کہتے ہوئے اس نے دوسری مختصر سی فائل جو ابھی اس کی بغل میں دبی ہوئی تھی پرائم منسٹر کو پیش کر دی۔

"ویل ڈن مسٹر کاؤ"---

پرائم منسٹر نے اسے تحسین آمیز نظروں سے دیکھتے ہوئے اثبات میں گردن ہلائی۔

"تھینک یو میڈم"---

کاؤ نے مسکراہٹ ہونٹوں پر جماتے ہوئے کہا۔

اس کی موجودگی ہی میں مسز اندرا گاندھی نے تمام پوائنٹس نہ صرف پڑھ لئے بلکہ ایک ایک پوائنٹ پر اس کی رائے بھی لے لی تھی۔

اور---

قریباً دو گھنٹے کی اس طویل میٹنگ کے بعد اس نے بھارتی فوج کے اس آپریشن کو کامیاب قرار دے کر جنرل چبر کے لئے مبارکباد کا پیغام بھی روانہ کر دیا تھا۔

پاکستانی فوج کے شیر دل جوانوں نے دشمن کا ابتدائی حملہ پسپا کر کے ایک مرتبہ تو اسے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا لیکن یہ بات ہر سینئر آفیسر کے علم میں تھی کہ دشمن اپنی ہزیمت پر چپ نہیں بیٹھے گا اور اپنی رسوائی کا داغ دھونے کے لئے اپنا سب کچھ میدان جنگ میں جھونکنے سے گریز نہیں کرے گا۔

بھارتی مداخلت کے بعد گو کہ سیاچن کے ہر قابل ذکر محاذ پر جوانوں نے دشمن کے سامنے مورچے قائم کر لئے تھے لیکن اپریل 84ء سے نومبر تک کے سات گرم مہینوں کے لئے جوانوں کو ہنگامی بنیادوں پر رہائش، اسلحہ، لباس، راشن، کیروسین آئیل، تیل کے چولہے اور فائبر گلاس کے "اگلوز" Igloos پہنچانا ناگزیر تھا--- کیونکہ اس کے بعد کے پانچ مہینوں میں تو اس علاقے میں انسانی نقل و حرکت ہی قریباً ناممکن ہو جاتی تھی۔

حالت یہ تھی کہ یہاں گرمیوں کے موسم میں بھی اگلی پوسٹوں پر ہفتے میں تین روز مسلسل برف باری ہوتی رہتی تھی۔

ہیلی کاپٹر استعمال کرنے کے لئے کم از کم سامنے کا منظر صاف ہونے کی جہت ضرور پوری کرنی پڑتی ہے اور یہاں مسلسل برفباری کی وجہ سے عموماً موسم ہیلی کاپٹر کی پرواز کے لئے موزوں نہیں رہتا تھا۔ اس لئے ان پر ہی انحصار ممکن نہیں تھا--- خاص طور پر موسم سرما میں جب کہ اگلی پوسٹوں پر مسلسل برفباری ہوتی رہتی تھی ہیلی کاپٹروں کا

پرواز کرنا بھی ناممکن ہو جاتا تھا۔

پاک آرمی کے پاس پوما (Puma) اور ایلویٹ III (Aloutte-3) ہیلی کاپٹر اتنے بڑے لاجسٹک مسئلے کا حل بھی نہیں تھے---

ایلویٹ III تو سولہ ہزار فٹ کی بلندی تک زیادہ سے زیادہ سو کلو گرام وزن پہنچا سکتے تھے جبکہ ایک پوسٹ پر جلنے والے تیل کے چولہوں کے لئے جن پر اس پوسٹ پر متعین جوانوں کی زندگی کا انحصار تھا ہر دوسرے دن پندرہ کلو وزن ایک جیری کین Jerri Cane مٹی کے تیل کی ضرورت ہوتی تھی---

اور--- ہیلی کاپٹر بمشکل ایسے چھ جیری کین اٹھا سکتا تھا۔

آسمان کی بلندیوں کو چھوتی ان برفیلی اور نوکدار پہاڑی چوٹیوں تک پہنچنا، وہاں اپنی پوسٹیں قائم کرنا۔ اپنی پوزیشنیں مضبوط کرنا اور پھر زندہ رہنے کے لئے دشمن کی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لئے جو سامان حرب و ضرب درکار تھا اس کی رسائی ممکن بنانا کارے دارز تھا--

ایک بڑا اور مشکل چیلنج جوانوں کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا---

ذرائع آمد و رفت مسدود ہونے سے تو رہی سہی کسر بھی پوری ہو جاتی تھی پوسٹوں کے نزدیک ترین بھی جو انتظامی ہیڈ کوارٹر تعمیر کئے گئے تھے وہاں سے پوسٹ تک ایک جوان یا پورٹر اپنی خوراک کے علاوہ زیادہ سے زیادہ بارہ تا پندرہ کلو وزن اٹھا کر مسلسل پانچ دن برف کے اس جہنم زار پر سفر کرنے کے بعد پوسٹ تک پہنچا تھا-- جہاں سے واپسی کا سفر پھر پانچ دنوں پر مشتمل تھا---

دس روز میں ایک جوان بمشکل دس کلو گرام وزن پوسٹ تک پہنچا سکتا تھا---

دس دن کی جان لیوا مسافت طے کرنے کے بعد ایک تربیت یافتہ اور تجربہ کار پورٹر کم از کم پانچ دن آرام کرنے کے بعد ہی اگلی منزل پر روانہ ہو سکتا تھا۔

رگوں میں خون منجمد کرنے والی سردی اور آکسیجن کی کمی کے ساتھ سولہ ہزار فٹ سے
زیادہ بلندی پر سفر کرنے سے کئی پورٹر ابتدا ہی میں پیچیدہ بیماریوں کا شکار ہونے لگے--
اعلیٰ کمان کے اندازوں کے مطابق ایک پوسٹ پر سال بھر کے تقریباً تین ہزار کلوگرام
وزنی راشن، ایمونیشن، مٹی کا تیل اور دوسری ضروریات زندگی درکار تھیں۔ دشمن
نے پاک فوج کو جنگ سے زیادہ انتظامی طور پر خطرناک چیلنج دیا تھا جس سے عہدہ برا
ہونے کے لئے جوانوں نے اپنی زندگیاں داؤ پر لگا دیں۔

آرمی کی تربیت کے سارے اصول ایک طرف رکھ کر ریگولر فوج کے جوانوں نے محض
اپنی قوت ایمانی کے بل پر محیر العقول کارنامے سرانجام دیے-- شاید قدرت ان کی
جواں ہمتی پر مہربان تھی کہ ملک ہی میں ان کے لئے فائبر گلاس کے اگلوز Igloos تیار
ہونے لگے-- کیونکہ ان علاقوں میں جسم و جان کا رشتہ برقرار رکھنے کے لئے اگلوز
ناگزیر تھے---

لاہور کی ایک فرم نے چھ ماہ میں ایک سو سے زائد مختلف سائز کے گلیشیائی خیمے تیار کر
کے فوج کے حوالے کر دیئے---

اور--- شیر دل جوانوں نے ان اگلوز کو طویل برفیلے جہنم پر اپنے کندھوں پر اٹھا کر
پوسٹوں تک پہنچا دیا---

وزن اٹھا کر سفر کرنا اس برف زار میں--- بڑا جان لیوا عمل تھا---

جوانوں کے کندھوں سے مسلسل وزن باندھے رکھنے سے خون بہنے لگتا تھا--- جب وہ
پوسٹوں تک مٹی کے تیل کے جیری کین اور فائبر گلاس کے خیمے پہنچاتے تو ان پر ان کا
جواں خون بھی جما ہوتا تھا---

لیکن--- یہ اس خون کی گرمی تھی جس نے دو ہزار فٹ بلندی پر جمی برف کو پگھلا دیا۔
منفی پچاس ڈگری سینٹی گریڈ کا انسانی گمان سے مبرا، ہڈیوں کا گودا جما دینے والی قہر آلود

سردی میں اللہ کے ان پراسرار بندوں نے مادر وطن کا دفاع کیا---
انہوں نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا---

انسانی عزم و استقلال کی تاریخ جب بھی لکھی جائے گی۔ ابتدائی دنوں میں اپنی جانیں
ہتھیلی پر لے کر مادر وطن کا دفاع کرنے والے ان گمنام جوانوں اور افسروں کو تاریخ اپنا
خراج تحسین ضرور ادا کرے گی جنہوں نے اپنا آج پاکستان کے کل کے لئے قربان کر
دیا---

سلامتی ہو ان ماؤں پر جن کے وہ جنے ہیں---
سلامتی ہو ان بہنوں پر جن کے وہ بھائی ہیں---
اور--- سلامتی ہو ان سہاگنوں پر جن کا وہ سہاگ ہیں---

دو سال کی قلیل مدت میں پاکستان آرمی کی انجینئرز کور نے بھارتیوں کو ایک زبردست
ذہنی دھچکا لگایا جب انہوں نے کچھوے کی چال چلتے ہوئے بلافون، گیانگ، چولانگ
اور کندوس کے برف زاروں میں پھیلے گلیشیرز کے دہانوں تک سڑکیں تعمیر کر دیں---
ان سڑکوں نے انتظامی معاملات کو قدرے آسان بنا دیا---
انہیں اپنے گھٹیا دشمن پر انتظامی برتری حاصل ہو گئی---
دوسری طرف دشمن جو اپنے ماؤنٹین بریگیڈ پر بڑا متکبر ہو کر سرکاری سانڈ کی طرح
پاکستانی سرحدوں میں گھس آیا تھا اپنے ہی کھودے ہوئے کنویں میں پھنس کر رہ گیا۔
بھارتی سورماؤں کو اپنے مرکزی انتظامی ہیڈ کوارٹر "زنگ رولما" سے اگلے مورچوں تک
رسد پہنچانے کے لئے سیاچن گلیشیر پر سے ہی گزر کر جانا پڑتا ہے---
یہ گلیشیر کوہ سلتورو کے متوازی واقع ہے اور اب صورتحال یہ ہو گئی کہ "سیالا، بلافون،
چھومک اور گیانگ لا میں بھارتی فوجیوں کے راستے غیر محفوظ ہو گئے---
وہ پاکستانی دیدبانوں کی عقابی نظروں کے سامنے رہنے لگے جہاں سے انہوں نے

بھارتیوں کے لئے سامان حرب وضرب لے جانا ناممکن بنادیا---

بھارتی علاقے سے سڑک وادی "نوابرہ" سے شروع ہو کر سیاچن کے دھانے پر آ کر ختم ہو جاتی ہے اور یہاں سے آگے وہ پاکستانی توپخانے کی زد میں آجاتے---

اب بھارتی پچھتر (75) کلو میٹر کا پیدل سفر طے کرنے کے بعد ہی اپنی پوسٹوں تک پہنچ سکتے ہیں---

یہ سفر بڑا جان لیوا ہوتا---

بھارتی فوج کا بڑا حصہ اس سفر کی بھینٹ چڑھ چکا ہے---

O

جنرل صاحب کے سامنے اس وقت تین اہم افسران موجود تھے---

اس ایریا کے کمانڈنگ آفیسر، بریگیڈئر صاحب اور فسٹ کمانڈوز بٹالین کے بٹالین کمانڈر---

جنرل صاحب کی نظریں "بلافون لا" کے اس تنگ راستے پر جمی تھیں جس کے مشرق میں قریباً دو ہزار فٹ کی بلندی پر انہوں نے ایک پوسٹ قائم کرنے کی پلاننگ کی تھی۔

دو دن تک مسلسل غور وخوض کرنے اور مصروف جہاد افسران سے مشاورت کے بعد جنرل صاحب اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ اگر وہ "بلافون لا" کے جنوب مشرق میں دو ہزار فٹ کی بلندی پر چوکی قائم کر لیں تو یہاں سے نہ صرف سیاچن گلیشیر پر نقل و حرکت کرنے والی بھارتی فوج ان کی نظروں میں آجائے گی بلکہ وہ دیکھ بھال کی اس چوکی پر موجود دیدبان (او۔پی) کی مدد سے بھارتیوں پر توپ خانے کا کارگر فائر بھی گرا سکتے تھے---

دو ہزار فٹ کی بلندی پر یہ "بلافون لا" میں بلند ترین اور تزویراتی لحاظ سے اہم ترین پوسٹ ہوتی---

اس پوسٹ کو قائم کرنے کی سعادت فسٹ کمانڈو بٹالین کی "قائد کمپنی" کو سونپی گئی--- بھارتی فوج سے نبرد آزما ہوتے اب ان شیر دل جوانوں کو ڈیڑھ سال ہونے کو آیا تھا اب انہوں نے دشمن کے دانت دیکھ لئے تھے---

دشمن کو بھی اندازہ ہو چلا تھا کہ اس نے کس تاریخی جرم کا ارتکاب کر لیا ہے---

قائد کمپنی نے شام ڈھلے نعرۂ تکبیر کی گونج اور اللہ کے حضور دعاؤں کے ساتھ اپنے سفر کا آغاز کیا---

موسم کی قہرناکیوں کو اپنے فولادی سینوں پر جھیلتے، دشمن کے تکبر اور رعونت کو اپنے پاؤں تلے روندتے فسٹ کمانڈو بٹالین کے یہ جانباز بالآخر "بلافون لا" کے جنوب مشرقی پہلو پر بیس ہزار فٹ کی بلندی پر اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہو گئے۔

پاکستانی پوسٹ کے بالمقابل بلافون لا کے شمال مشرقی پہلو پر بھارتی فوج کی جو پوسٹ موجود تھی اس کی اونچائی انیس ہزار فٹ تھی اس طرح قائد پوسٹ کو اس پر برتری حاصل ہو گئی۔

قائد او۔پی کے بالکل سامنے مشرق کی جانب سیاچن گلیشیر کے مغربی کنارے کے ساتھ ساتھ موجود پہاڑی سلسلے کی دو بلند چوٹیوں پر بھارتیوں نے بڑے جانفشانی سے اپنی آبزرویشن پوسٹ "پریم" اور انڈیا تھری پوسٹیں قائم کر رکھی تھیں ان دونوں پوسٹوں کی اونچائی بھی "قائد پوسٹ" سے کم تھی---البتہ بھارتیوں کو اب دن کی روشنی میں اپنی پوسٹوں سے "قائد پوسٹ" دکھائی دے سکتی تھی۔

بھارتیوں نے اس سیکٹر میں اپنی اہم ترین پوسٹ انڈیا تھری قائم کی تھی لیکن یہ امر ان کے لئے بے حد باعث تشویش تھا کہ جس پہاڑ کی چوٹی پر انہوں نے انڈیا تھری قائم کی تھی اس کے دوسرے کونے پر اب پاکستانی مجاہد ان کے سروں پر براجمان ہو گئے تھے---البتہ ان کے اور پاکستانی پوسٹ "قائد" کے درمیان پہاڑ کی نوکدار چٹانوں کا

ایسا خطرناک راستہ تھا جسے عبور کرنا ممکن دکھائی نہیں دیتا تھا۔

وہ آسانی سے "قائد" تک پہنچ ہی نہیں سکتے تھے---کیونکہ یہاں سے "قائد پوسٹ" تک عمودی چڑھائی بہت خطرناک اور قریباً ناممکن تھی، البتہ ایک "ایج" انہیں حاصل تھا کہ وہ اپنی پوسٹ انڈیا تھری سے پاکستانی قائد پوسٹ اور "قائد او۔پی" کے درمیان ہونے والی نقل و حرکت کا جائزہ لے سکتے تھے۔

اس طرح پاکستانی جوانوں کے لئے دن میں نقل و حرکت ممکن نہیں رہی تھی وہ اپنی تمام نقل و حرکت رات کے اندھیرے میں کرتے تھے---

پہاڑی کی چوٹی پر جہاں "قائد او۔پی" بنائی گئی تھی وہ جگہ اتنی تنگ اور خطرناک تھی کہ وہاں تک بمشکل ایک "اگلو" پہنچ سکا تھا اور دو مورچے بنائے گئے تھے---

"قائد او۔پی" کی حیثیت دیکھ بھال کرنے والی ایک پوسٹ کی سی تھی۔ یہاں ڈھنگ سے دفاعی مورچے بنانا بھی ممکن نہیں تھا نہ ہی اسلحہ اور خوراک ذخیرہ کرنے کی گنجائش ہی موجود تھی---

دو مورچے صرف اس لئے بنائے گئے تھے کہ جب دشمن یہاں فائرنگ کرے تو جوان ان مورچوں میں بیٹھ کر اپنا دفاع کر سکیں---

دن کے اوقات میں پاکستان "دیدیان" برف کی ان قبروں میں بیٹھ کر اپنے فرائض انجام دیا کرتے تھے---

پاکستانی فوج نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ دشمن کو ان کی "او۔پی" پوزیشن کا علم نہ ہو سکے اس لئے پہاڑی چٹان کی اوٹ میں بظاہر دشمن کی نظروں سے چھپا کر یہاں ایک "اگلو" Igloo رکھا گیا تھا---

فسٹ کمانڈوز بٹالین کے افسران نے انتہائی جنگی مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے کسی بھی ہنگامی صورتحال میں او۔پی پوسٹ تک سامان حرب و ضرب پہنچانے کے لئے اپنی

آبزرویشن پوسٹ کے نیچے پہاڑی ڈھلوان پر "قائد پوسٹ" قائم کی تھی۔

اس پوسٹ پر عام حالات میں ایک آفیسر اور پندرہ جوانوں کو رکھنے کی گنجائش پیدا کی گئی تھی جن کے ساتھ کچھ سامان بھی ذخیرہ رکھا جا سکے---

خطرناک ڈھلوان کے اوپری حصے پر موجود "قائد او۔پی" تک جانے کے لئے "قائد پوسٹ" تک کوئی راستہ نہیں تھا۔ صرف رسوں کی مدد سے ہی اوپر نیچے آیا جایا جا سکتا تھا---

پوسٹ سے "او۔پی" تک ایک وقت میں صرف ایک جوان ہی پہنچ سکتا تھا اور اس عمل میں بھی کئی گھنٹے لگا کرتے تھے---

بھارتیوں کو اس کمزوری کا علم تھا کہ ان دونوں کے درمیان رابطے کا واحد ذریعہ صرف نائیلین کے رسے ہیں---

"قائد او۔پی" بھارتیوں کے لئے لاینحل مسئلہ بن چکی تھی---

یہاں سے ان کے گلیشیر پر موجود بیس کیمپوں پر فائرنگ نے ان کی دن میں نقل و حرکت کو تو ناممکن بنا دیا تھا۔ رات کو بھی وہ بہت خطرہ مول لینے کے بعد ہی اس علاقے میں نقل و حرکت کرتے تھے۔

ان کے ٹرانسپورٹ جہاز اس سے پہلے ان کی پلٹوں کے نزدیک سامان رسد گرایا کرتے تھے لیکن اب یہاں پر جہازوں کی ٹرانسپورٹ ممکن ہی نہیں رہی تھی---کیونکہ ان کے تمام ڈراپ زون (Drop Zone) قائد پر موجود او۔پی کی عقابی نظروں میں رہتے تھے---

اور---ان کے لئے اب اس "ڈراپ زون" میں گھسنا ہی پاکستانی توپخانے نے ناممکن بنا دیا تھا۔

ایک روز---

بھارتیوں نے بالآخر تنگ آکر اپنا "ڈراپ زون" تبدیل کر لیا۔

نئے "ڈراپ زون" بھارتی پوسٹوں سے بہت دور تھے۔ جہاں سے سامان اٹھا کر بھارتی پوسٹوں تک پہنچانا بھارتیوں کے لئے عذابناک مشقت کی حیثیت رکھتا تھا---

یہی صورتحال "سیالا" کی تھی---

یہاں بھی بھارتی فوجیوں کے لئے راشن اور ایمونیشن لے جانے والے پورٹر اور فوجی "قائد" پر موجود او۔پی کی زد میں رہتے تھے اور ان پر انتہائی کارگر فائر گرایا جا رہا تھا---

بھارتیوں کے لئے پریشانی کی بات یہ بھی تھی کہ ابھی تک وہ اس "قائد او۔پی" کا سراغ ہی نہیں لگا سکے تھے جہاں سے ان کے سروں پر قیامت ٹوٹا کرتی تھی--- ان کی اب ہر ممکن کوشش یہی تھی کہ جیسے بھی ممکن ہو اس او۔پی پوسٹ کا سراغ لگا کر اسے تباہ کریں---

○

محاذ کی تازہ ترین رپورٹ جنرل سندرجی کے سامنے دھری تھی اور وہ رات دیر گئے تک اس کا مطالعہ کرنے کے بعد اب گہری فکر میں مبتلا دکھائی دے رہا تھا---

جنرل سندرجی کو اس بات کا علم تھا کہ پنجاب کی شورش میں اس کی فوج نے کوئی خاصی نیک نامی نہیں کمائی۔

جنرل اروڑہ نے 71ء میں سات ڈویژن فوج کے ساتھ مشرقی پاکستان پر حملہ کر کے متوقع نتائج حاصل کر لئے تھے جبکہ تیرہ سال بعد 84ء میں بھارتی فوج نے ایک نرالا معرکہ مارا۔

بھارتی جرنیلوں نے سات ڈویژن فوج اپنے ہی ملک کے دو صوبوں پنجاب اور ہریانہ پر چڑھا دی۔

یہ فوج پاکستان سے لڑنے کے لئے نہیں۔ بلکہ بھارتی شہریوں کو جو سکھ تھے اور جن کا

گناہ صرف اپنے لئے آزاد شہری کی زندگی کا مطالبہ تھا۔ کو کچلنے پر مامور کر دی---

جنرل سندرجی کے پاس موجود محتاط ترین اندازوں کے مطابق اس جنگ میں جو بھارتی فوجیوں اور شہریوں کے درمیان لڑی گئی تھی بھارتی فوج کے ڈھائی سو سے زائد افسران سکھ دہشت پسندوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے---!!

بھنڈرانوالہ کو مارنے کے لئے بھارتی فوج کے ٹینکوں کو دربار صاحب امرتسر میں داخل کرنا پڑا اس صورتحال کے نتیجے میں ہندوؤں کے خلاف کبھی نہ ختم ہونے والی نفرت نے سکھوں کے دلوں میں جنم لیا---

اس نفرت نے بالآخر بھارتی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کو بھی نگل لیا اور وہ سیاچن کے ذریعے شاہراہ ریشم تک پہنچنے کا خواب اپنی آنکھوں میں سجائے "پرلوک سدھار" گئیں---

مسز گاندھی اپنے ذاتی باڈی گارڈز کے ہاتھوں قتل ہوئیں تو شمال مغربی بھارت کا بڑا حصہ فرقہ وارانہ فسادات کی لپیٹ میں آ گیا۔

بھارتی جرنیلوں کو بادل نخواستہ اپنی فوج کی ایک تہائی طاقت کو اندرون سلامتی کے لئے مامور کرنا پڑا--- البتہ بھارت کے تمام یعنی گیارہ ڈویژن اس کام پر نہیں لگائے گئے دو ڈویژن تو معمول کے مطابق شمال مشرق میں موجود تھے جبکہ کچھ بریگیڈ جموں کشمیر کی "اندرون سلامتی" کے لئے وہاں ڈیرے جمائے بیٹھی تھی---

دہلی میں ان دنوں تقریباً تین ڈویژن فوج تعینات کی گئی تھی---

اور--- دہلی کے شہریوں نے تب یہ منظر بھی دیکھ لیا کہ وسطی ہند ہند میں مقیم "بی ایم پی۔ ون" انفنٹری ڈویژن کی بکتر بند گاڑیاں دہلی کے گلی محلوں میں شرپسندوں کا تعاقب کر رہی تھیں۔

65ء میں چھمب اکھنور سیکٹر میں بھارت نے تین ڈویژن فوج کے ساتھ حملہ کر دیا تھا۔

جبکہ 86ء میں دہلی میں امن وامان قائم رکھنے کے لئے بھی تین ڈویژن فوج استعمال کی گئی---

بھارتی فوج کا امیج بری طرح تباہ ہو رہا تھا---

سیاچن میں ہونے والے بھارتی نقصانات کی خبریں اخبارات بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے تھے---

بھارتی جرنیلوں کو ذمہ دار قرار دیتے ہوئے ان پر زبردست تنقید کی جا رہی تھی اور جنرل سندر جی بھارتی فوج کے آرمی چیف کی حیثیت سے ان خبروں کو سن کر بہت پریشان تھا---

وہ ایک پیشہ ور فوجی کی حیثیت سے تاریخ میں اپنا نام لکھوانا چاہتا تھا لیکن یہاں آئے روز کوئی نہ کوئی بدنامی اس کے ماتھے کا جھومر بن جاتی تھی---

"قائد پوسٹ" کے قیام اور بھارتیوں پر ہونے والے حملوں کے بعد سیاچن میں بھارتی فوج کی مخدوش حالت کے افسانے زبان زد خاص وعام ہو رہے تھے---

بھارتی یونٹوں میں سیاچن سے آنے والے زخمی اور ہلاک شدگان بددلی پھیلا رہے تھے---

پاکستانی فوج بظاہر کم تربیت یافتہ اور پہاڑی خصوصاً برفیلے میدانوں میں جنگ کا کوئی تجربہ نہ رکھنے والی فوج جان کر بھارت نے سیاچن میں ایڈونچر کا خطرہ مول لیا تھا---

لیکن---

یہاں تو گنگا ہی الٹی بہنے لگی تھی---

سیاچن اب بھارتیوں کے لئے برف کی اندھی قبر بن گیا تھا۔

پاکستانی جرنیلوں نے انہیں تاریخ کا بدترین سبق سکھایا تھا۔ انہوں نے اس کامیابی سے "لاجسٹک جنگ" لڑنی شروع کی تھی کہ بھارتیوں کو چھٹی کا دودھ یاد دلا دیا---

بھارتی فوجیوں کی اموات پاکستانیوں کی گولیوں سے کم اور موسم کی شدت سے زیادہ ہونے لگی تھیں---

پاکستانی فوج کے افسران بڑی ہوشیاری سے بھارتیوں کو ان کے برفیلے مورچوں میں قید کرنے کے بعد ان پر رسد اور رسل ورسائل کے راستے بند کر کے ان مورچوں کو ان کی قبروں میں تبدیل کرنے لگے تھے---

ہر آنے والی لاش بھارتی فوج کے مورال کو گرا رہی تھی---

جب بھی کوئی زخمی واپس لوٹتا ساری یونٹ کو بددل کر دیا کرتا تھا بھارتی فوج کے اپاہج الگ مسئلہ بن رہے تھے---

جنرل سندر جی کو بھگوڑے فوجیوں کی روز بروز بڑھتی شرح اضافہ نے پریشان کرنا شروع کر دیا تھا۔

ان حالات میں اس نے انتہائی خطرناک فیصلہ کر لیا---

ابھی تک یہ فیصلہ اس کے ذہن میں ہی محفوظ تھا لیکن جلد ہی وہ وزیراعظم اور وزیر دفاع کو اعتماد میں لے کر اس پر عمل کرنے جا رہا تھا۔

87-86ء کے موسم سرما میں بھارتی فوج نے اپنی تین سالہ مشقیں کرنا تھیں۔ جنرل سندر جی نے ایک منصوبہ بنانے کے بعد ان مشقوں کو Exercise Brass Tacks کا نام دیا---

جنرل سندر جی کا مقصد ان مشقوں کے ذریعے پاکستان پر دباؤ بڑھانا اور ایک سطح پر اسے اشتعال دلا کر جنگ کرنے کے لئے مجبور کرنا تھا---

اس کے امریکیوں کے مطابق آپریشن Opration اور دیکھ بھال Maintenance کے طرز پر ان مشقوں کا آغاز کیا تھا---

جنرل سندر جی کو اس خطرناک ایڈونچر کے لئے اکسانے میں بنیادی کردار بھارتی انٹیلی جنس ایجنسی "را" کا تھا--- گو کہ پاکستان کے خلاف نظام جاسوسی اور دہشت گردی کو منظم کرنے میں بھارت کی دو اور ایجنسیاں آرمی ڈائریکٹوریٹ آف ملٹری انٹیلی جنس (DMI) اور بی ایس ایف بارڈر سیکورٹی فورسز زیادہ اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ جبکہ Raw "را" ان دونوں سے زیادہ اہمیت اختیار کر چکی ہے--- کیونکہ یہ دونوں ایجنسیاں "را" کی طرح پاکستان سے متعلق تفصیلی معلومات نہیں رکھتیں اور نہ ہی پاکستان کے اندر ان کا "نیٹ ورک"، "را" کے مقابلے میں کوئی اہمیت رکھتا ہے---

کچھ عرصہ سے "را" اپنے وزیراعظم راجیو گاندھی پر زور دے رہی تھی کہ وہ پاکستان کی پنجاب میں مداخلت اور مسز اندرا گاندھی کے قتل کا بدلہ لینے کے لئے جس کا پاکستان سے کوئی تعلق بھی نہیں تھا۔ پاکستان پر خصوصاً سندھ پر حملہ کرے---

"را" کا خیال تھا کہ دونوں معاملات میں پاکستان ملوث ہے---

اکتوبر 86ء میں "راج گھاٹ" پر راجیو گاندھی اور دوسرے سیاسی لیڈروں کو سکھ انتہا پسندوں کی طرف سے قتل کرنے کی سازش میں بھی "را" نے پاکستان کو ملوث کر دیا۔

بھارتی وزیر دفاع ارون نہرو کی مکمل حمایت "را" کو حاصل تھی اور وہ خود اس نظریئے کا پرچارک تھا کہ پاکستان کی طرف سے ممکنہ خطرات کے خاتمے کے لئے پاکستان ہی کو تباہ کر دیا جائے--اس کے بعد چین کے زیر قبضہ بھارتی علاقے آزاد کروائے جائیں---

اس کی سوچ ایران کے بدقسمت شہنشاہ شاہ ایران جیسی تھی وہ بھی یہی چاہتا تھا کہ بھارتی بحریہ کو بحر ہند پر مکمل کمانڈ حاصل ہو جائے اس سمندر میں بھارت کی اجازت کے بغیر کوئی ماہی گیر مچھلیاں ہی نہ پکڑ سکے۔

○

جنرل سندر جی نے جیسے ہی "براس ٹیکس" آغاز کا اعلان کیا۔ دہلی میں کھلبلی مچ گئی۔ جتنے

بڑے پیمانے پر وہ مشقیں کرنے جا رہا تھا اس کی مثال دنیا کی حربی تاریخ میں نہیں ملتی تھی---

نیٹو (NATO) نے اپنی سب سے بڑی جنگی مشق میں ایک لاکھ بیس ہزار فوجیوں کو شامل کیا تھا جبکہ جنرل سندر جی چھ ڈویژن اور دو کوروں کے ساتھ جن کی نفری تین لاکھ سے زیادہ بنتی تھی جنگی مشقیں کرنے جا رہا تھا---

"را" نے اس تک یہ خبر پہنچا کر اسے مزید متحرک کر دیا کہ پاکستان 26 جنوری 87ء کو پنجاب کے شورش پسندوں کی مدد کرنے کے لئے پنجاب پر حملہ آور ہوگا اور خالصتان کا اعلان کر دیا جائے گا---

"براس ٹیک" کے مقاصد بتانے سے دسمبر 86ء کے آخر تک جنرل سندر جی انکار کرتا رہا---

اس نے پاکستان کی طرف سے وضاحت طلب کرنے کا بھی کوئی نوٹس نہ لیا۔

دسمبر کے آخر میں جب اس کی طرف سے اعلان ہوا کہ پاکستان بھارت پر حملہ کرنے والا ہے---

تو---پاکستانی جی ایچ کیو ہوشیار ہو گیا۔

پاکستان کسی بھی ہندو جرنیل کی طرف سے اس اعلان کا مقصد سمجھتا تھا---

اپنی چانکیائی ذہنیت کے مطابق جنرل سندر جی پاکستان کے حملے کا ہوا کھڑا کر کے دراصل پاکستان پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا---

اس سے پہلے سیاچن میں بھارتی جارحیت کی ناکامی اور اب جنرل سندر جی کا یہ اعلان---!

پاکستانی جرنیلوں کے سامنے سارا منظر واضح تھا---

افغانستان میں روسی فوجیں مجاہدین سے مصروف جنگ تھیں اور پاکستانی سرحدوں پر

مہاجرین کا دباؤ بڑھتا چلا جا رہا تھا---

سیاچن میں پاکستان کے خلاف دو سال پہلے بھارت نے ایک اور محاذ کھول دیا تھا اور اب جنرل سندر جی اسے نہایت مناسب موقعہ جان کر پاکستان پر حملہ آور ہونے کے لئے پر تول رہا تھا---

ہنگامی بنیادوں پر پاکستانی ماہرین حرب و ضرب نے دشمن کی ہر ممکنہ جارحیت کا تدارک کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا---

دسمبر کے آخری ہفتے میں پاکستانی چیف آف سٹاف کی زیر قیادت ہونے والے اہم اجلاس کی کارروائی جاننے کے لئے بھارتی سرگرم تھے---

لیکن---ان کی کسی ایجنسی کی رسائی ان معلومات تک نہیں تھی---

اگلے چند دنوں میں پاکستان نے تیزی سے اپنی فوجوں کو نقل و حرکت دی اپنے جنوبی آرمڈ ڈویژن نمبر ون اور 37ویں ڈویژن کو جو رحیم یار خاں کے نزدیک مشقوں میں مصروف تھا پنجاب کی سرحدوں پر پہنچانا شروع کر دیا---

پاکستانی جنرل بھارت کی سندھ میں ممکنہ پیش قدمی کے پیش نظر اسے پنجاب کے غیر محفوظ ہونے کا یقین دلانے میں کامیاب رہے---

کسی بھی افراتفری کے بغیر نہایت اطمینان سے پاکستان نے بارہ دنوں میں قریباً پانچ سو کلو میٹر کے فاصلہ پر ایک کور کے برابر فوج کو دوبارہ تعینات کر دیا جبکہ پاکستان کی جنوبی ریزرو فوج پہلے ہی محاذ جنگ پر موجود تھی---

چھٹا آرمڈ ڈویژن اور 17واں ڈویژن کھاریاں میں تیار کھڑا تھا---

اس حربی چال نے بھارتیوں کے ہاتھوں کے طوطے اڑا دیئے---جنرل سندر جی یوں تو پریس کے سامنے بڑھکیں ہانکتا رہا اور دعویٰ کرتا رہا کہ بھارتی انٹیلی جنس کو پاکستان کی ٹرینوں کے ہر ڈبے میں سفر کرنے والے فوجیوں کی تعداد کا علم بھی ہے---

لیکن--- عملاً وہ مایوسی کا شکار ہو رہا تھا۔

سترہ دن کی خاموشی اختیار کرنے کے بعد اس نے 22 جنوری کو بھارتی کابینہ کو اپنے عزائم پر بریفنگ دی--

اور---23 فروری کو بھارتی فوجوں کو حرکت کرنے اور جنگ کی تیاری کے احکامات جاری کر دیئے---

فوجوں کی نقل و حرکت کے معاملات خفیہ رکھے گئے---

جنرل سندر جی پہلے ہی "براس ٹیک" کے بہانے بھارتی فوج کا قریباً سارا مال اسباب ممکنہ میدان جنگ تک پہنچا چکا تھا--اب اس نے ہیڈ کوارٹر تھری کور اور 57ویں ڈویژن کو شمال مشرق سے پنجاب کی طرف---

ویں ڈویژن کو میرٹھ سے پنجاب کے شہر گورداسپور کی طرف---

23ویں ڈویژن کو رانچی سے امرتسر کی طرف---

24ویں ڈویژن کو بیکانیر سے فیروزپور کی طرف---

54ویں منتشر ڈویژن کو سکندر آباد اور حیدر آباد سے راجستھان کی طرف بڑھنے کا حکم دیا---

26ویں ڈویژن کو متحرک رکھا۔

صورتحال بڑی خطرناک تھی---

پنجاب میں فاضلکا، ابوہر گورداسپور اور پٹھانکوٹ کے محاذ پر دونوں ممالک کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے مورچہ بند ہو چکی تھیں---

بھارتی اس خوف سے لرزہ براندام تھے کہ پاکستانی اس محاذ پر حملے میں پہل کرتے ہوئے پٹھان کوٹ کی پٹی کاٹ کر مقبوضہ کشمیر کو بھارت سے الگ کر دیں گے اور تیزی سے سرپرائز دے کر پنجاب میں گھس جائیں گے جہاں سکھ حریت پسند ان کے استقبال کی

تیاریاں کر رہے تھے---

بھارتیوں کو روس کی طرف سے روسی سیٹلائٹ کی مکمل سہولت حاصل تھی اور پاکستانی نقل و حرکت کی تصاویر ان تک بآسانی پہنچ رہی تھیں---

مگ 25 اور بھارتی سکوارڈن 105 کے لئے روس نے وافر مقدار میں پٹرول بھارتی فضائیہ کو پہنچادیا تھا---

بھارتی فضائیہ کے "فاکس بیٹ" مگ25 روبہ حرکت تھے---

فضائیہ کے ایڈوانس امدادی یونٹ متحرک ہو چکے تھے اور بھارتی نیوی نے پاکستانی سمندروں کے نزدیک پوزیشنیں سنبھال لی تھیں۔

O

بھارتی شرارتی منصوبہ بالکل تیار تھا۔ بھارتی جرنیل اپنے وزیر دفاع ارون نہرو، اندرا گاندھی کے سپوت بھارتی وزیراعظم مسٹر راجیو گاندھی اور "را" کی پشت پناہی سے پاکستانیوں کو اشتعال دلا کر ایک محدود جنگ کا آغاز کرتے ہوئے--- اپنے اصل منصوبے آپریشن Trident پر عمل کرنے کے لئے پر تول رہا تھا---

بھارتیوں کا منصوبہ تھا کہ پاکستان کی داخلی صورتحال کے نتیجے میں پائی جانے والی کیفیت کو اپنے حق میں استعمال کرتے ہوئے پاکستان کے ساتھ جھگڑا کیا جائے اور سندرجی کے خفیہ منصوبے "ٹرائی ڈنٹ" Trident (ترشول) پر عمل کرتے ہوئے فروری 87ء کو صبح ساڑھے چار بجے پہلے گلگت پھر سکردو پر حملہ کر کے یہاں قبضہ کر لیا جائے---

اس منصوبے میں سیاچن میں موجود بھارتی فوجوں نے اہم کردار ادا کرنا تھا---

جنرل سندرجی---احمقوں کی جنت میں رہنے والا بھارتی جرنیل--- یہ سمجھ رہا تھا کہ دو ہفتوں میں پاکستانیوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے گا اور شمالی علاقہ جات میں بھارتی فوجیں قابض ہو ہو جائیں گی---

اگر تو پاکستان جنگ کو محدود یعنی شمالی علاقہ جات تک رکھنے پر تیار ہوتا تو سبحان اللہ---

اور اگر پاکستان اس جارحیت کے جواب میں پنجاب پر حملہ آور ہو جائے تو جنرل سندرجی اپنے اصل منصوبے یعنی Brass Tacks پر عمل شروع کر دیں جو بنیادی طور پر ایک عظیم حربی منصوبہ تھا---

اس منصوبے کے مطابق شمالی علاقہ جات پر حملہ کر کے پاکستان کو سندھ میں فوجی طاقت کمزور کر کے دوسرے محاذوں پر مضبوط کرنا پڑتی اور بھارتی فوجیں اس کمزوری کا فائدہ اٹھا کر سندھ میں گھس جاتیں۔

جنرل سندرجی نے اپنے وزیراعظم کو بتایا تھا کہ وہ تین دنوں میں میرپور خاص اور پھر سات دنوں میں حیدرآباد پر قبضہ کر لے گا---

اس دوران بھارتی نیوی کراچی کی طرف بڑھتی اور بھارتی سورمے سندھ کو پاکستان سے کاٹ کر الگ کر دیتے۔

یہ تھے وہ خواب جو احمق بھارتی جرنیل دیکھ رہے تھے---

لیکن---

وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کا واسطہ کس فوج سے آن پڑا ہے--- سیاچن میں اپنی جارحیت سے انہوں نے سبق سیکھنے کی بجائے اب سیاچن ہی نہیں تمام شمالی علاقہ جات پر قبضے کا گھناؤنا منصوبہ بنایا تھا۔

بھارتی فوج کے کل 35 ڈویژن تھے۔ ایک عارضی بکتر بند ڈویژن اس کے علاوہ ہے۔

اس طرح سے کل 36 ڈویژن بھارت کے پاس موجود ہیں۔

ان میں سے نو ڈویژن جن میں 23 واں ڈویژن بھی شامل ہے عام طور پر بھارت کے مشرق میں رکھے جاتے ہیں۔ باقی میں سے دو کو چھوڑ کر سب جنوری 82ء تک مغرب میں پہنچا دیئے گئے البتہ آخری ڈویژن نمبر 9 سور میں رہا جہاں سے اسے تیزی سے محاذ جنگ پر لایا جا سکتا تھا۔

"براس ٹیک" اور اس سے مربوط دوسری مشقوں میں 12 ڈویژن اور ایک فضائی حملہ آور ڈویژن نے حصہ لیا تھا اور قریباً 8 ڈویژن فوج کے ساتھ پاکستان پر حملے کی مشق کی جا رہی تھی--- شمال کی طرف بھٹنڈہ سے دسویں کور کو اس میں شامل ہونا تھا جبکہ بھوج کی طرف سے پانچویں کور جسے ساؤتھ کور کمانڈ کہا جاتا ہے نے متحرک ہونا تھا---

اس طرح بھارت کی قریباً تیرہ ڈویژن فوج فاضلکا محاذ کے گرد منڈلانے لگی تھی جبکہ بھارتی اسے محض دو کور اور چھ ڈویژن بتا رہے تھے---البتہ یہ احساس بھارتی ہیڈ کوارٹر میں پایا جاتا تھا کہ وہ پاکستان کو اس مسئلے پر بیوقوف نہیں بنا سکے۔

یہ 1939ء کے بعد دنیا کا سب سے بڑا فوجی اجتماع تھا---ناروے سے ترکی تک "ناٹو" کی مشقوں میں ایک لاکھ 20 ہزار فوجی حصہ لیتے ہیں جبکہ بھارت 5 لاکھ فوج کے ساتھ

جنگی مشق کرنے جا رہا تھا۔

جنرل سندرجی کو اب انتظار تھا کہ پاکستان کی طرف سے حملہ ہو اور وہ اپنے اصلی منصوبے "ٹرائی ڈنٹ" پر عمل کرے---

لیکن---

پاکستان نے دیکھو اور انتظار کرو کی بہترین پالیسی اپنا کر بھارتی جرنیلوں کو ایسا اعصاب شکن جھٹکا دیا جس نے سارے بھارت کو بوکھلا کر رکھ دیا۔

دراصل اس ساری مشق کی بنیاد "را" کی وہ اطلاع تھی جس کے مطابق پاکستان نے پنجاب کے خالصتانی حریت پسندوں کی مدد کرنے کے لئے 27 جنوری 87ء کو امرتسر پر حملہ کرنا تھا---

دہلی اس خطرے سے لرزہ براندام تھی کہ اگر ایسا ہو گیا تو پاکستانی حملے کے ساتھ ہی سکھ یونٹیں بغاوت کر دیں گی اور بھارت کی اگلی فوج دور صحرائی علاقے میں ہونے کی وجہ سے بروقت مدد کو نہیں پہنچ سکے گی---

اس طرح یہ خطرہ موجود تھا کہ پاکستانی کہیں دہلی تک ہی نہ پہنچ جائیں---

اس "خطرے" کو پاکستان نے اچھی طرح کیش Cash کروایا---

جنرل سندرجی کی توقعات کے برعکس پاکستان نے حملہ نہ کیا اور بھارتی فوج کی اتنے وسیع پیمانے پر نقل و حرکت نے بھارت کا اقتصادی بھرکس نکال کر اس کے گھٹنے زمین سے لگا دیئے---

فروری کے آغاز میں ہی ایک گولی چلائے بغیر پاکستان نے یہ جنگ جیت لی اور پاکستان کی شرائط پر بھارت کو اپنی فوج سرحدوں سے واپس بلانا پڑی۔

پہلے ہی مرحلے پر بکتر بند ڈویژن نمبر ون اور چوبیسویں ڈویژن کو ایک انفنٹری ڈویژن کے ساتھ شمال کی طرف روانگی کا حکم ملنے سے اس مشق کی افادیت ہی ختم ہو گئی۔

اکھنور اور پٹھان کوٹ پر بھارتی فوجی اجتماع کرنا پڑا اور اس سب کے عوض پاکستان نے صرف ہیڈ مرالہ اور نارووال سے اپنے پیدل دستے واپس بلالئے-- بھارت کو اپنا چھٹا بکتر بند پہاڑی ڈویژن بریلی واپس بھیجنا پڑا جبکہ پاکستان نے اپنا چھٹا بکتر بند ڈویژن اور 17 واں پیدل ڈویژن کھاریاں اور گوجرانوالہ کی چھاؤنیوں کو واپس لوٹا دیا جہاں سے سرحدوں تک وہ بہر حال بھارتی ڈویژن سے جلدی اور برق رفتاری سے پہنچ سکتے تھے کیونکہ دونوں چھاؤنیوں میدان جنگ سے زیادہ دور نہیں ہیں--- بھارتی تلملائے ہوئے سانپ کی طرح بل کھا کر رہ گئے تھے---

وہ بہت کچھ چاہنے کے باوجود کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ جنرل سندر جی کے سارے دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے---

اس نے البتہ سیاچن پر قسمت آزمائی کا فیصلہ قائم رکھا---اس طرح وہ اپنے نام پر کوئی نہ کوئی فتح حاصل کرنے کے لئے اتاؤلا ہوا جاتا تھا---

O

پرمود ایک مرتبہ پھر میدان میں موجود تھا---

اس مرتبہ وہ پرمود کے بجائے کھنہ کے نام سے کام کر رہا تھا۔

پردیپ کھنہ---!

اس کے پاس غیر ملکی یونیورسٹیوں سے انجینئرنگ کی جعلی ڈگریاں موجود تھیں اور اسے امید تھی کہ وہ کم از کم اتنی انجینئرنگ ضرور جانتا ہے جس کے بل بوتے پر اپنے کسی بھی سوال جواب کرنے والے کو آسانی سے مطمئن کر سکے گا۔

اس مرتبہ اسے بہت حساس ڈیوٹی سونپی گئی تھی چونکہ اسے دہلی ہی میں کام کرنا تھا اس لئے اس کا حلیہ مکمل تبدیل ہو چکا تھا اب وہ کلین شیو کے بجائے چھوٹی چھوٹی خوبصورت ڈاڑھی جس کے آدھے بال قریباً سنہرے تھے اور یہی حال مونچھوں کا تھا۔

کے ساتھ میدان عمل میں اترا تھا---

اس کی آنکھوں پر ایک چشمہ مستقل جما ہوا تھا اور بالوں کی پوزیشن تبدیل ہو چکی تھی--- پہلی نظر ہی میں وہ ایک لائق اور ذہین طالب علم دکھائی دیتا تھا---

اس کی نشست و برخاست کا اندازہ پہلے سے یکسر بدل چکا تھا اب وہ گفتگو بڑے دھیمے انداز میں اور بسا اوقات الفاظ کو ضرورت کے مطابق چباتے ہوئے کرنے لگا تھا۔

اگر گورجیت سنگھ اس کے ساتھ سارا دن بھی گذارتا تو بھی اسے علم نہ ہوتا کہ یہ پردیپ کھنہ نہیں بلکہ پرمود ہے---

یہ اس کا کمال فن تھا کہ اس کی اصلیت تک کوئی نہیں پہنچ پاتا---

اس مرتبہ اسے خصوصی ہدایات کے ساتھ میدان میں اتارا گیا تھا اس مشن کی افادیت اور اہمیت کو اس سے زیادہ کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا کیونکہ دشمن نے اس کے ملک پر جارحیت کا تباہ کن منصوبہ تیار کر لیا تھا اسے شمالی محاذ پر دشمن کے ممکنہ حملے کی تفصیلات جاننے کے لئے میدان میں اتارا گیا تھا---

بریفنگ لینے کے لئے وہ بطور خاص پاکستان آیا تھا جہاں اس کے "سر" نے اسے بریگیڈئر کول کی تصویر دکھاتے ہوئے کہا تھا۔

"اس کا تعلق بھارتی جنرل ہیڈ کوارٹر میں تزویراتی برانچ کے اس شعبے سے ہے جس نے شمالی محاذ سے متعلق منصوبہ بنانا ہوتا ہے---روس اور امریکہ میں اعلیٰ تزویراتی کورس کرنے والے بریگیڈئر کول کی صرف ایک کمزوری ہے"---

"وہ کیا سر!"

پردیپ نے بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔

اس سوال کا جواب مسکراتے ہوئے اس کے "سر" نے جب پردیپ کے کان میں دیا تو اس کے کان کی لوئیں جواب سن کر سرخ ہو گئیں---

"بڑی الجھن میں ڈال دیا سر! آپ نے"---
پردیپ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔
"میرا خیال ہے اسے متاثر کرنے میں تم ضرور کامیاب ہو جاؤ گے--- قدرت نے تمہیں خوب سیرت ہی نہیں خوبصورت بھی بنایا ہے"---
"سر نے بڑے تیقن سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تھا۔"
"ٹھیک ہے سر! اگر آپ سمجھتے ہیں تو ٹھیک ہی ہو گا"---
پردیپ نے مسکراتے ہوئے کہا۔
"بریگیڈئر کول سے شمالی علاقہ جات خصوصاً سیاچن پر حملے کا بلیو سکیچ حاصل کرنا ہمارے لئے ناگزیر ہو چکا ہے مائی سن "My Son"---
اس کے "سر" نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔
سگریٹ سلگانے کے بعد انہوں نے اپنا سلسلہ گفتگو جاری رکھا۔
"سیاچن میں دشمن کی جارحیت کا علم تمہیں اچھی طرح ہے--- بھارتی جی ایچ کیو میں موجود ایک اہم "سورس "Source" نے ہمیں مطلع کیا ہے کہ یہاں کسی بڑی کارروائی کی کھچڑی پک رہی ہے۔ بھارتی فوجوں کا سرحدی اجتماع صرف معمول کی جنگی مشق نہیں--- اس مرتبہ خلاف توقع ان لوگوں نے شمالی علاقہ جات کو اپنے حملے کے لئے منتخب کیا ہے اور میرے بیٹے تم نے منصوبے کی جزئیات پاکستان آرمی تک پہنچانی ہیں---"
انہوں نے براہ راست پردیپ کی آنکھوں میں جھانکا---
پردیپ کے لئے اپنے "سر" سے ہدایات حاصل کر کے ان پر عمل کرنا معمول بن چکا تھا لیکن آج تک اس نے اپنے "سر" کو کبھی اس طرح ملتجی لہجے میں گفتگو کرتے نہیں دیکھا تھا--- وہ اسے حکم دینے کے بجائے درخواست کر رہے تھے---

"آپ مطمئن رہیں سر! انشاءاللہ میں کامیاب لوٹوں گا---"
اس نے اپنے "سر" کے اعتماد کو اپنے لہجے کی مضبوطی عطا کرتے ہوئے کہا---
"میں جانتا ہوں میرے بچے! میں جانتا ہوں--- میں نے ہائی کمان کو بڑے اعتماد کے ساتھ کہا ہے کہ ہم ان کی توقعات پر پورا اتریں گے---"
"سر" نے یہ کہتے ہوئے ایک بڑا اور بند لفافہ اس کی طرف بڑھا دیا---
"اس میں بریگیڈئر کول سے متعلق تمام دستیاب معلومات موجود ہیں۔ اس کا خاندانی پس منظر، ابتدا سے آج تک کی زندگی، شادی، گھربار اور سب کچھ جو بھی حاصل ہو سکا--- تم اپنے کمرے میں چلے جاؤ--- اگلے دو گھنٹے یہ لفافہ تمہارے پاس رہے گا۔ تمام تفصیلات حفظ کر لو--- اپنے دماغ پر نقش کر لو--- اور آج رات ہی روانگی کے لئے تیار ہو جاؤ--- مجھے افسوس ہے اس مرتبہ تمہیں اپنے گھر والوں سے ملنے کا موقعہ بھی نہیں مل سکا یوں بھی تم تین چار ماہ بھارت میں مستقل قیام کے بعد واپس لوٹے ہو--- لیکن، مائی ڈیئر سن! تم جانتے ہو کسی نہ کسی کو تو بہت سی قربانیوں کے علاوہ اپنے جذبات کی قربانی بھی دینا ہی پڑتی ہے---"
"سر" نے بظاہر متاسف لہجے میں کہا۔
"تو سر--- آپ ایسا نہ سوچئے--- اگر ہم جیسے لوگ بھی اپنے گھروں کے ہو کر رہ گئے تو اس ملک کے لاکھوں کروڑوں گھروں میں رہنے والوں کا کیا ہو گا--- سر! کسی نہ کسی کو تو بے گھر ہو کر ہی پاکستان کے گھروں کی حفاظت کرنی ہے---"
پردیپ نے گھمبیر لہجے میں کہا۔
"You are Great--- تم عظیم ہو میرے بیٹے!"
کرنل صاحب نے اسے اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا---
وہ جانتے تھے کہ پردیپ کس طرح اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر دشمن کے درمیان اپنے

ملک کی آنکھیں بن کر گھوم رہا ہے---

ان سے زیادہ اس کی عظمت کا احساس اور کسے ہو سکتا تھا۔

کبھی کبھی کرنل صاحب کو اس پر رحم بھی آتا تھا۔

وہ بھی عام پاکستانی نوجوانوں کی طرح کا ایک نوجوان تھا جس نے انجینئرنگ میں گریجوایشن کرنے کے بعد آرمی جائن کی اور پھر خود کو رضاکارانہ طور پر جاسوسی کے لئے پیش کر دیا--اپنے وطن سے محبت---

اپنے مقصد سے لگن---

اور---یہ احساس کہ ان کے ہمسائے میں ایک ایسا دشمن موجود ہے جو اس کے ملک کو اپنی مرضی کی زندگی چلنے کا حق ہی دینے کے لئے تیار نہیں---اس نوجوان نے حرز جان بنا لیا تھا---

ایک پولیس آفیسر کا بیٹا ہونے کے ناطے اسے شاید وراثت میں تجسس منتقل ہوا تھا۔

اس نے پہلے دو تین مشن ہی کر کے خود کو ایک بہترین ایجنٹ (جاسوس) کی حیثیت سے منوا لیا تھا-- آج سے ڈیڑھ دو سال پہلے جب اس نے گور جیت سے پرائم منسٹر ہاؤس میں ہونے والی میٹنگ کے اہم شرکا کی تفصیل حاصل کی تھی اسے اس بات کا احساس بھی نہیں ہوا تھا کہ اس نے کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے---

اب اسے قریباً دو سال بعد دہلی ہی میں جانا تھا---

○

اپنے کمرے میں پہنچ کر اس نے فائل کی ورق گردانی شروع کی جو بریگیڈئر کول سے متعلق ممکنہ اطلاعات پر مشتمل تھی اور لفافے سے وہ فوٹوگراف نکال کر دیکھنے لگا جن کے ذریعے بریگیڈئر اور اس کے گھر والوں کا تعارف کروایا گیا تھا۔

بریگیڈئر کول کی ایک ہی بیٹی رادھیکا کول تھی---

پردیپ کی نظریں اس کی تصویر پر جم کر رہ گئیں۔ رادھیکا نے مغربی لباس پہنا ہوا تھا وہ دہلی کی مقامی انجینئرنگ یونیورسٹی سے آرکیٹیکچر کی ڈگری حاصل کر رہی تھی اور فائنل ائر کی طالب علم تھی---

"ہوں ں ں"---

پردیپ نے اس کی تصویر کو غور سے دیکھنے کے بعد ایک لمبا سانس لیا اور دل ہی دل میں مسکرا دیا اس نے رادھیکا کو پائیدان بنا کر بریگیڈئر کول کے گھر میں داخل ہونے کا منصوبہ فی الوقت ترتیب دے دیا تھا۔

اور---دل ہی دل میں اس سے متعلق پلاننگ بھی کر لی تھی۔

اس کی کوئی پلاننگ مستقل نہیں ہوتی تھی اور یہی اس کی کامیابی کی بنیاد بھی تھی وہ حالات اور واقعات کے مطابق ہی کوئی منصوبہ تیار کرتا تھا اور حالات اور واقعات کے ساتھ ہی اسے تبدیل یا ختم بھی کر دیا کرتا تھا۔

اس فائل میں موجود تمام تفصیلات اس کے ذہن پر نقش ہو چکی تھیں اس نے کمال کا حافظہ پایا تھا اب وہ بریگیڈئر کول اور اس کی بیٹی کو ہزاروں لوگوں کے ہجوم میں آسانی سے شناخت کر سکتا تھا---

دو گھنٹے گذرنے کا احساس بھی نہ ہوا جب آہستگی سے اس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور کرنل صاحب مسکراتے ہوئے چہرے سے اندر داخل ہوئے۔

"امید ہے تمہیں اپنے مطلب کی چیز مل گئی ہو گی"---

انہوں نے پردیپ کی طرف مسکراہٹ اچھالی۔

"یس سر"---

پردیپ ان کی بات کا مطلب سمجھ کر مسکرا دیا۔

"رادھیکا کول نے اپنی ابتدائی تعلیم کانونٹ میں حاصل کی ہے۔ اس کی ساری تعلیم دہلی

میں مکمل ہوئی ہے۔ اسے بھی اپنی ماں کی طرح اپنے باپ کی عادت خبیثہ کا علم ہے لیکن اس گھرانے کے جدید تہذیب کا رسیا ہونے کی وجہ سے وہ لوگ اس کا برا بھی نہیں مانتے---بریگیڈیر کول کی بیوی بھی بڑی سوشل خاتون ہے اور رادھیکا سے متعلق بھی یہی باور کیا جاتا ہے--ہمارے پاس دہلی کے مقامی ڈسکو میں اس کی تصویریں بھی موجود ہیں---عموماً دونوں ماں بیٹی اکٹھی سوشل تقاریب میں جاتی ہیں لیکن یہ ضروری بھی نہیں---گذشتہ دنوں کسی محفل میں دونوں کی آپس میں تلخ کلامی بھی ہو گئی تھی---مسز کول جب پینے پر آئے تو اٹھنے کا نام نہیں لیتی اور رادھیکا کو اپنی ماں کی بلا کی شراب نوشی پسند نہیں---"

کرنل صاحب نے اسے کول خاندان سے متعلق "آف دی ریکارڈ" معلومات بھی بہم پہنچا دیں ان کا "ہوم ورک" مکمل، بہترین اور قابل تحسین تھا۔

اپنے "ٹارگیٹ" پر وہ بڑی دلجمعی سے کام کیا کرتے تھے یہی ان کی کامیابی کا راز تھا انہوں نے پردیپ کا آدھا مشن تو یہیں مکمل کر دیا تھا کیونکہ یہ معلومات حاصل کرنے میں پردیپ کو خاصی محنت کرنی اور خطرات مول لینا پڑتے---

"تھینک یو سر! آپ نے تو سارا کام ہی کر دیا"---

اس نے اپنے "سر" کا شکریہ ادا کیا۔

"رائیٹ---Get Ready (تیار ہو جاؤ)"---

یہ کرنل صاحب کی طرف سے مخصوص اشارہ تھا---

وہ کمرے کا دروازہ بند کر کے چلے گئے۔

پردیپ نے کمرے کے دروازے کو لاک کیا۔ اپنے کپڑوں کا جائزہ لیا اور چند روز پہلے ہی بھارت سے اپنے لئے خریدا ہوا ریڈی میڈ سوٹ پہن کر باہر نکل آیا---

مقامی طرز کا کرتا پاجامہ پہننے کے بعد اس کی شناخت بالکل ناممکن ہو کر رہ گئی تھی۔

شام ڈھل رہی تھی جب وہ اپنے مختصر سے تھیلے کے ساتھ کمرے سے کچھ فاصلے پر کھڑی جیپ میں سوار ہو گیا---

آپ کرنل صاحب خود چلاتے ہوئے سرحدی علاقے کے ایک ریسٹ ہاؤس تک آئے جہاں سے اسے مقامی پوسٹ والوں نے "وصول" کیا۔

اور---

اس رات آسانی سے پردیپ سرحد عبور کر کے بھارت پہنچ گیا۔ جہاں کی کوئی شے اب اس کے لئے اجنبی نہیں رہی تھی۔

O

دہلی کے اس ماڈرن علاقے میں اسے فلیٹ تو کرائے پر مل گیا لیکن یہاں کا کرایہ بہت ے بھی زیادہ تھا۔

اسے یہاں کے چپے چپے سے آشنائی تھی اس لئے قیام میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ البتہ اس نے اپنی تمام شناخت بدل ڈالی تھی اور اب نئی شناخت اور حوالے سے کام کرنے جا رہا تھا۔

کنٹونمنٹ ایریا کی پار تھی گراؤنڈ کے ایک کونے میں بنے ان فلیٹوں کا انتخاب اس نے خوب سمجھ کر کیا تھا کیونکہ اس گراؤنڈ کے شمالی جانب جو خوبصورت بنگلے دکھائی دے رہے تھے ان کے عقب میں بریگیڈیر کول کی رہائش تھی۔

اور---

کرنل صاحب نے اسے بتایا تھا کہ بریگیڈیر صاحب سیر کرنے کے لئے صبح یہاں کا چکر ضرور لگاتے ہیں۔ اس دوران ان کی صاحبزادی بھی ان کے ہمراہ ہوتی ہیں---

علی الصباح وہ اپنے فلیٹ کی کھڑکی میں اپنی دوربین کے ساتھ موجود تھا---پندرہ منٹ کے اعصاب شکن انتظار کے بعد بالآخر اسے باپ بیٹی سڑک کے ایک کونے سے

برآمد ہو کر گیٹ سے گراؤنڈ میں داخل ہوتے دکھائی دیئے۔

دونوں تیز تیز چلتے گراؤنڈ کی طرف آتے ہوئے آپس میں باتیں بھی کرتے جا رہے تھے اور گراؤنڈ میں داخل ہوتے ہی انہوں نے جاگنگ شروع کر دی---

پردیپ نے نوٹ کیا کہ دونوں باپ بیٹی الگ الگ چکر میں بھاگ رہے تھے۔ یہ اس کے لئے بڑی خوش آئند بات تھی---

قریباً آدھا گھنٹہ یہاں گذارنے کے بعد وہ جس طرح آئے تھے اسی طرح واپس لوٹ گئے اور پردیپ نے اپنے کمرے میں موجود ٹی وی کا سوئچ آن کر دیا۔

اپنا ناشتہ خود ہی تیار کر کے کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے سے باہر آ گیا اب اس نے پیدل ہی اس علاقے کا سروے کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

یہ علاقہ تو اس کے لئے نیا نہیں تھا۔ اس سے پہلے بھی وہ دو تین مرتبہ اس طرف آیا تھا یہاں کی آبادی سے اس کا تعارف نہیں ہوا تھا البتہ یہ بات وہ جانتا تھا کہ یہاں بھارتی افواج کے اعلیٰ افسران کے بنگلے زیادہ ہیں باقی بنگلوں میں بھی سرکاری افسران ہی رہتے تھے جن کا تعلق ڈیفنس سروسز ہی سے تھا۔

O

اگلے روز وہ دونوں باپ بیٹی کی آمد سے پہلے ہی گراؤنڈ میں ٹریک سوٹ پہنے جاگنگ کر رہا تھا۔ دونوں کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر اس نے پہلے سے تیار کردہ منصوبے کے مطابق پوزیشن سنبھال لی۔ آج بھی رادھیکا کول کل والے راستے کی طرف بنے ٹریک پر اپنے باپ سے علیحدہ بھاگتے ہوئے چکر لگا رہی تھی--

ابھی اس نے دوسرا چکر مکمل ہی کیا تھا جب ان کی مخالف سمت سے اچانک ایک درخت کے عقب سے پردیپ نمودار ہوا اور وہ رادھیکا سے اس طرح ٹکرایا تھا کہ خود اسے بھی یقین نہیں آ رہا تھا ڈرامہ اتنی زیادہ حقیقت اختیار کر جائے گا۔

رادھیکا تو تھوڑا سا ڈگمگا کر سنبھل گئی تھی لیکن پردیپ---!

پردیپ کی قلا بازی لگی اور وہ رادھیکا کے بائیں طرف والی ڈھلوان سے پھسل کر پختہ راستے پر منہ کے بل گرا جس سے اس کی ناک پر چوٹ آئی اور باقاعدہ خون بہنے لگا---

اس کی عینک ایک طرف گری ہوئی تھی اور وہ خود اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس بات کا احساس اسے ابھی تک نہیں تھا کہ اس کے ناک سے خون بھی بہنے لگا ہے۔ البتہ یہ جان چکا تھا کہ اس نے اندازے سے کچھ زیادہ ہی لمبی چھلانگ لگا دی تھی۔

رادھیکا اس اچانک حادثہ سے چند لمحوں کے لئے تو بوکھلا ہی گئی تھی لیکن پھر وہ سنبھل گئی۔ اس کے نزدیک ایک خوبصورت اور شکل سے مہذب دکھائی دینے والا نوجوان منہ کے بل گرنے کے بعد اٹھ کر اپنی عینک تلاش کر رہا تھا---

رادھیکا کو افسوس ہوا---

"آئی ایم سوری---"

اس نے پردیپ کے نزدیک پہنچ کر زمین پر گری اس کی عینک اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں غلطی شاید میری ہی ہے--- آدمی کو ایک وقت میں ایک ہی کام کرنا چاہئے"---

اس نے عینک اپنی ناک پر جماتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب"---

رادھیکا کو نجانے کیوں اس میں دلچسپی سی محسوس ہونے لگی تھی۔

"مطلب یہ کہ جاگنگ کرتے ہوئے کچھ اور نہیں سوچنا چاہئے---

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کی ناک سے خون بہہ رہا ہے"---

رادھیکا کو اچانک ہی اس کی ناک کا خیال آ گیا۔

"اوہ---سوری---"

اس نے ناک پر ہاتھ رکھ کر بڑی انکساری سے کہا۔

رادھیکا حیران تھی کہ وہ آخر اس سے کس بات پر "سوری" کہہ رہا ہے۔ نجانے کیوں اسے یہ نوجوان دوسروں سے کچھ الگ سا دکھائی دے رہا تھا۔

"اگر آپ برا نہ مانیں تو یہ بتا دیں کہ کیا سوچ رہے تھے۔"

رادھیکا کھلی طبیعت کی لڑکی تھی اور اسے دوسروں سے جلد گھل مل جانے کا فن آتا تھا۔

"دراصل میں چند روز پہلے ہی لندن سے آیا ہوں--انجینئر ہوں---اپنے دیش کی محبت میں ماتا پتا کو ناراض کر کے آ گیا---گزشتہ پندرہ روز سے میرے ساتھ جو کچھ ہو چکا ہے اس کے بعد سے میں سوچنے لگا ہوں کہ میں غلط تھا یا میرے ماتا پتا"---

اس نے اپنے ٹریک سوٹ کی آستین سے ناک سے بہنے والا خون صاف کیا اور رادھیکا کی طرف بڑی معصومانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے اس میں سوچنے کی بات کیا ہے۔ کوئی بھی غلط ہو سکتا ہے لیکن اب تو آپ نے جو کرنا تھا وہ کر لیا---"

رادھیکا کی دلچسپی بڑھنے لگی تھی---

"بہر حال مجھے افسوس ہے کہ آپ کی ورزش بھی خراب ہوئی--- پلیز! آپ جاری رکھئے---"

اس نے بڑے مہذب لہجے میں رادھیکا کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اوہ نو---آپ اتنے پریشان نہ ہوں---بائی دے وے By the way آپ کا نام کیا ہے"---

رادھیکا نے اسے مستقبل کی دوستی کے لئے چن لیا تھا۔

"پردیپ کھنہ"---

اس نے اپنا ہاتھ رادھیکا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میرا نام رادھیکا ہے مسٹر پردیپ"

رادھیکا نے گرم جوشی سے اس کا ہاتھ تھام لیا---

"اسے معمول کی بات نہ جانئے مجھے واقعی آپ سے مل کر خوشی ہوئی حالانکہ ملاقات یا تعارف حاصل کرنے کا یہ کوئی اچھا طریقہ نہیں تھا۔"

پردیپ نے کہا۔

"اور میں بھی آپ سے یہی کچھ کہنا چاہتی تھی۔"

رادھیکا نے ہنس کر دانتوں کے موتی چمکائے۔

وہ اب پردیپ کے ساتھ ہی بنچ پر بیٹھ گئی تھی۔

"آپ رہتے کہاں ہیں"؟

اچانک ہی اس نے پوچھ لیا۔

"میں نے بتایا ناں سنٹرل لندن میں---یہاں میں نے ایک فلیٹ کرائے پر لیا ہے۔ کچھ رشتہ دار ہیں بھارت میں---لیکن اچھا نہیں لگتا کسی پر بوجھ بننا"---

پردیپ نے گراؤنڈ کی شمالی سمت پر موجود فلیٹس کی طرف ہاتھ کی انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ارے آپ تو ہمارے ہمسائے ہی ہوئے۔ اس طرف میرا گھر ہے۔"

رادھیکا نے مشرق کی سمت اشارہ کیا۔

"خیریت بیٹی!"---

اچانک ہی ان کے عقب سے آواز بلند ہوئی۔

پردیپ نے گردن گھمائی ان کے سامنے بریگیڈئر کول کھڑا تھا۔

"پاپا---مسٹر پردیپ---"

رادھیکا نے اس سے اپنے باپ کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔

"بریگیڈیئر کول"---

کول نے اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے اس کے سراپے کا جائزہ کھا جانے والی نظروں سے لیا اور اسے منتخب کر لیا---

پردیپ کے نقش و نگار اور جسمانی فٹنس نے اسے خاصا متاثر کر دیا تھا۔

"آپ کے ناک پر---"

کول نے اس کی ناک کی طرف اشارہ کیا۔

"سوری سر! دراصل غلطی میری ہی تھی"---

اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن رادھیکا نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہم دونوں آپس میں ایک دوسرے کی غلطی سے ٹکرا گئے تھے---"

رادھیکا نے کہا---

"اوہ ونڈر فل---"

بریگیڈیئر کول نے قہقہہ لگایا۔

"مسٹر پردیپ کھنہ حال ہی میں لندن سے آئے ہیں---اور انہوں نے ہمارے ہی علاقے میں فلیٹ کرائے پر لیا ہے---"

رادھیکا نے سامنے فلیٹوں کی طرف اشارہ کیا۔

"بھئی اگر آپ مصروف نہیں ہیں تو ہمارے ساتھ ہی آ جایئے---چائے کا ایک کپ ہو جائے یوں بھی آج تو سنڈے ہے"---

بریگیڈیئر کول نے اس پر للچائی ہوئی نظریں ڈالتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو سر---لیکن آپ تو مصروف لوگ ہیں---میں ابھی ناکارہ ہوں---میں

تو فارغ ہی ہوں--- آپ ڈسٹرب---"

"اوہ کم آن---"

رادھیکا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے ساتھ چلنے کے لئے رضامند کر لیا۔

اور---

پردیپ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اسے ٹارگٹ تک رسائی حاصل کرنے کے لئے بہت زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی تھی اور اب شکار خود ہی شکاری کو اپنے ٹھکانے پر لے جا رہا تھا۔

O

تینوں پیدل ہی بنگلہ نمبر 7 تک پہنچے تھے---

یہی بریگیڈیئر کول کا گھر تھا جہاں ایک کمرے میں ان کی بیگم صاحبہ اپنے جسم کو سڈول اور متوازن رکھنے کی کسرت فرما رہی تھیں۔

اپنے خاوند کے ساتھ ایک اجنبی کو دیکھ کر وہ متجسس سی باہر آ گئی جہاں اس کی نظر پردیپ کھنہ پر پڑی تو اسے فوراً سمجھ آ گئی کہ اس کا خاوند اس اجنبی کو اپنے گھر کیوں لایا ہے---

"مسٹر پردیپ کھنہ ہمارے ہمسائے ہیں---"

کول نے اپنی بیوی سے اس کا تعارف کروایا۔

پردیپ نے بے تکلفی سے اپنا ہاتھ مسز کول کی طرف بڑھا دیا جنہوں نے اپنی بیٹی اور خاوند کی طرح گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا تھا۔

پردیپ جان گیا تھا کہ اس کی برطانوی شہریت اور انجینئر ہونے کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔

وہ بٹیر کی طرح کول فیملی کے اندھے ہاتھوں میں آ گیا تھا جسے اب کوئی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

"شاکیجئے---واش روم"---

اس نے اپنی ناک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"اوہ آیئے اس طرف---"

رادھیکا اسے اپنے کمرے کے باتھ روم کی طرف لے گئی۔

"تھینک یو"---

پردیپ نے کہا اور اندر گھس کر اپنے سراپے کا جائزہ لینے کے بعد اپنے ناک کو پانی دھو کر صاف کیا جس سے ناک پر جما خون صاف ہوا اور وہ منہ دھو کر باہر آ گیا۔

"یہ لگایئے"---

باہر آنے پر اپنے ہاتھ میں فسٹ ایڈ بینڈیج پکڑے رادھیکا نے کہا

"شکریہ"---

کہتے ہوئے اس نے دوبارہ شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے ناک پر پٹی جمائی تھی۔ بریگیڈیر کول اس دوران کوئی فون سننے چلا گیا تھا۔ واپس پلٹا تو وہ کچھ جلدی میں دکھائی دے رہا تھا۔

"آئی ایم سوری جنٹل مین--- مجھے تو ایمرجنسی ہے۔ انجوائے یور سیلف--- پھر ملاقات ہو گی--- مہمان کا خیال رکھنا"---

کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔

اس کے پاس واقعی چائے کا کپ بھی ان کے ساتھ پینے کا وقت نہیں تھا۔ ایک تیز رفتار کار اور جیپ اسے لینے کے لئے اگلے چند منٹ بعد ان کے گھر کے دروازے پر موجود تھی۔

اس درمیان کول نے اپنی یونیفارم پہن لی تھی اور اب وہ ایک بریف کیس پکڑے لمبے لمبے ڈگ بھرتا کار کی طرف جا رہا تھا۔

"او۔ کے بائے بائے"---

اس نے ماں بیٹی اور پردیپ کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور چلا گیا---

کول کی روانگی کے کچھ ہی دیر بعد بیرے نے چائے کی اطلاع دی اور ماں بیٹی کے ساتھ ہی وہ ناشتے کی میز پر آ گیا۔

اس نے اپنا اصل تعارف یہاں ناشتے کی میز پر ہی کروایا تھا جس کے مطابق وہ لندن کے ایک کروڑ پتی ہندو کلدیپ کھنہ کا بیٹا تھا جس کا کاروبار سے دور دور تک کوئی علاقہ نہیں تھا اور جو انجینئرنگ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے بھارت آ گیا تھا لیکن یہاں پندرہ روز قیام کے بعد ہی اس نے اپنا ارادہ بدل لیا تھا---

"میں یہاں ایڈجسٹ نہیں کر سکتا"---

اس نے مسز کول کی آنکھوں میں جھانک کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہ تو ہے--- آپ جیسے جینئس نوجوان کے لئے بھارت تو "لینڈ آف اپرچونٹی" نہیں بن سکتا---

مسز کول نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا۔

"ہاں ایک بات ثابت ہو گئی ہے--- کہ مجھے اگر شادی کرنا ہے تو پھر میری پتنی بھارت کی ہی ہو گی--- کیونکہ ایسی "پتی ورتا" میں نے دنیا میں کہیں نہیں دیکھی---"

اس نے مسز کول کا لالچ مزید بڑھا دیا۔

"ہاں بھئی یہ بات تو سچ ہے--- جیسی بیوی تمہیں بھارت میں ملے گی وہ دنیا میں کہیں بھی نہیں ملے گی"---

مسز کول نے اسے مزید پکا کرنا چاہا۔

"چلئے پھر کہیں "ڈبل مائنڈڈ" نہ ہو جایئے گا---"

رادھیکا نے یہ کہتے ہوئے چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھا دی۔

"تو--- اب ایسا ممکن نہیں--- ہم انجینئر بہت سوچ سمجھ کر ہی فیصلہ کرتے ہیں کیونکہ ہمارے فیصلے دیرپا ہوتے ہیں"---

اس نے رادھیکا کی طرف مسکراہٹ اچھالی اور رادھیکا کھل اٹھی۔

ماں بیٹی دونوں اس میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی ظاہر کر رہی تھیں -- مسز کول کا خیال تھا کہ بھگوان نے یہ ہیرا اس کی بیٹی کی انگوٹھی میں فٹ کرنے کے لئے بطور خاص آسمان سے نازل کیا ہے---

قریباً ایک گھنٹہ وہ آپس میں باتیں کرتے رہے جس کے بعد انہوں نے بادل نخواستہ ہی اسے گھر سے رخصت کی اجازت اس شرط پر دی تھی کہ وہ آج رات ان کے ساتھ ہی ڈنر کرے گا---

"مائی پلیژر"---

پردیپ نے درباریوں کی طرح قدرے جھک کر کہا۔

"آپ مطمئن رہئے مما--- میں اب انہیں بھاگنے نہیں دوں گی"---

رادھیکا نے اپنی ماں سے کہا جو اب گاڑی پر پردیپ کو اس کے فلیٹ تک ڈراپ کرنے جا رہی تھی۔

O

پردیپ کے ساتھ ہی وہ اس کے فلیٹ میں آ گئی تھی---

دو کمروں کے اس فلیٹ کو پردیپ کھنہ نے کرائے کے فرنیچر سے بالکل ہوٹل کی طرح آراستہ کروایا ہوا تھا اور یہاں داخل ہونے کو پہلی نظر ہی میں اس بات کا احساس ہو جاتا تھا کہ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں کسی کھاتے پیتے گھرانے کا فرزند ارجمند ہے---

"ویل ڈن---"

رادھیکا نے کمرے پر سرسری سی نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"تھینک یو--- لیکن یہ میرا گھر نہیں--- عارضی ٹھکانہ ہے"---

اس نے رادھیکا سے کہا۔

"گھر بھی بن جائے گا مسٹر کھنہ اگر آپ بنانا چاہیں گے"---

رادھیکا نے بھی ذو معنی سی بات کہی تھی۔

دونوں مسکرا دیئے---

یہاں بیٹھ کر دونوں پھر ڈیڑھ دو گھنٹے باتیں کرتے رہے۔

وقت گذرنے کا احساس دونوں ہی کو نہیں ہوا تھا--- جب اچانک ہی دیوار سے لگے کلاک نے آہستہ سے گھنٹی بجائی اور لاشعوری طور پر رادھیکا کی نظر وال کلاک پر پڑی تو بے ساختہ اس نے کہا۔

"ہائے رام---نو بج گئے۔ مجھے تو آٹھ بجے یونیورسٹی جانا تھا"---

"چلئے آج چھٹی کر لیجئے---ویسے اتوار کو کون سی یونیورسٹی کھلی ہوتی ہے"---

پردیپ نے اس کی طرف مسکراہٹ اچھالی۔

"اوہ مسٹر پردیپ یونیورسٹی تو نہیں کھلی--- لیکن ہمارا اینول فنکشن ہونے جا رہا ہے اور مجھے استقبالیہ کمیٹی کی سربراہی سونپی گئی ہے--- مائی گاڈ وہ لوگ کیا سوچیں گے---"

اس نے کف افسوس ملتے ہوئے کہا۔

"مطمئن رہئے کچھ نہیں ہو گا--- کل میٹنگ ہو جائے گی---"

پردیپ نے کہا---

دونوں ہنس دیئے---

رادھیکا سے اس نے اپنے ماضی کے حوالے بہت سی باتیں کر ڈالی تھیں اسے اپنے لندن کے گھر، خاندان اور دوستوں کے بارے میں ایسی ایسی باتیں سنائیں کہ رادھیکا کو اچھی طرح شیشے میں اتار لیا---

"آپ کے والد صاحب سے گفتگو کا موقعہ ہی نہیں مل سکا۔ بہت مصروف لگتے ہیں۔ یہ

آرمی والے کیا چھٹی کے روز بھی کام کرتے ہیں۔"

اچانک ہی اس نے ہوا میں تیر چلادیا۔

"ارے---ڈیڈی کی بھلی پوچھتے ہو---بھگوان جانے وہ کیسی نوکری کرتے ہیں جب سے ہم دہلی میں آئے ہیں ایسے ہی مصروف رہتے ہیں---وہاں ڈیرہ دون میں تھے تو ایسی بات نہیں تھی اور اب تو گزشتہ چار پانچ روز سے دن رات یہی کچھ چل رہا ہے۔ اپنا بریف کیس کاغذات سے بھر کر لاتے ہیں اور ڈنر کے بعد اپنے کمرے میں بند ہو کر رات دیر گئے تک انہیں الٹا سیدھا کرتے رہتے ہیں---البتہ ایک کام میں ریگولر ہیں کہ صبح میرے ساتھ جاگنگ ضرور کرتے ہیں۔" رادھیکا نے قدرے بیزاری سے کہا۔

"بڑے زبردست آدمی لگتے ہیں"---

پردیپ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بس بس ان سے زیادہ متاثر نہ ہو جانا"

شاید یہ فقرہ لاشعوری طور پر اپنے باپ کے متعلق رادھیکا کے منہ سے نکل گیا تھا اس لئے اس نے اپنے جذبات چھپانے کے لئے قہقہہ بلند کیا تھا۔

"دیکھو رادھیکا تمہارے گھر کا ہر فرد متاثر کرنے والا ہے۔ تم تمہاری مما اور ڈیڈی۔ تم سب ایک دم شاندار ہو--- تم لوگوں سے انتہائی مختصر ملاقات کے بعد میرے تو خیالات تبدیل ہونے کا خطرہ پیدا ہونے لگا ہے"---

اس نے ذو معنی سی بات کہہ کر رادھیکا کا اشتیاق مزید بڑھادیا۔

"اوہ مائی گاڈ--- میں پھر باتوں میں لگ گئی---او۔ کے۔ آج شام ڈنر پر تمہارا انتظار رہے گا---چھ بجے ضرور آجانا۔ کہو تو گاڑی بھیج دوں یا خود لینے آجاؤں---"

رادھیکا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں یہ تکلف نہ کرنا۔ مجھے کم از کم تمہیں ابھی زحمت دینا اچھا نہیں لگتا---"

اس نے رادھیکا سے کہا۔

"او۔ کے بائی بائی"---

رادھیکا نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا---

"دل تو نہیں چاہتا کہ تم جاؤ---لیکن او۔ کے۔ بائی بائی"---

پردیپ نے اس کا ہاتھ گرم جوشی سے دباتے ہوئے اسے رخصت کیا۔

O

رادھیکا مستقبل کے سنہرے سپنے سجاتی بڑے شاندار موڈ میں گھر پہنچی تھی۔ اس کا دل ابھی وہاں سے آنے کو نہیں چاہتا تھا نہ ہی آج اس کا کوئی فنکشن تھا لیکن وہ پردیپ کے جذبات کا بھی اپنے متعلق اندازہ لگانا چاہتی تھی۔

اور---

اس کا اندازہ صحیح تھا۔

پردیپ کو اپنی دانست میں اس نے شکار کر ہی لیا تھا اس کے ساتھ ہی اس نے مصمم ارادہ کیا تھا کہ اب کم از کم اس شکار کو ہرگز ہاتھ سے نہیں نکلنے دے گی کیونکہ اس سے پہلے وہ امریکہ کے ایک نوجوان سے ہاتھ دھو بیٹھی تھی جسے اس کے بجائے اس کی ماں نے پھانس لیا تھا---

رادھیکا کو بھارت کبھی پسند نہیں آیا تھا---

وہ جلد از جلد اس ملک سے چھٹکارہ حاصل کرنا چاہتی تھی اور ہمیشہ غیر ملکی شہریت رکھنے والے کسی نوجوان کی تاک میں رہتی تھی---

کئی ماہ پہلے اس نے بڑی مشکل سے ادینۃ کو پھانسا تھا لیکن اس مرتبہ کوئی اور نہیں اس کی ماں ہی اس کی رقیب ثابت ہوئی جس نے ادینۃ پر ہاتھ صاف کر دیا۔ دونوں کی ضرورت سے زیادہ شراب نوشی کی عادت نے ادینۃ اور مسز کول کے درمیان جلد ہی

جسمانی تعلق قائم کر دیا۔

اور--- تھوڑے عرصہ بعد ہی ادیتہ دونوں ماں بیٹی کو چکر دے کر نکل گیا۔ کیونکہ اسے ایک بڑے صنعت کار گھرانے تک رسائی حاصل ہو گئی تھی---

دونوں ماں بیٹی کے درمیان ایک ماہ تک بول چال بند رہی جس کے بعد مسز کول نے اس معذرت کر کے اسے منایا تھا۔ وہ بھی کیا کرتی۔ اگر کسی سے تعارف نہ کرواتی تو لوگ مسز کول کو رادھیکا کی بڑی بہن ہی سمجھتے جس کے ناز و ادا اور نخرے بہر حال رادھیکا سے زیادہ متاثر کن تھے۔

آج بھی جب وہ گھر پہنچی تو اس نے اپنی ماں سے جاتے ہی کہہ دیا تھا۔

"امید ہے اس مرتبہ آپ اپنی بیٹی پر رحم کریں گی"---

"اوہ! سویٹی-- جو ہو چکا اسے بھول جاؤ--- تم آج اسے تیار کر لو۔ میں کل تمہاری باقاعدہ انگیجمنٹ اس سے کروا دیتی ہوں اور چاہو تو شادی بھی--- ہنی! تم میری بیٹی ہو --- بھول جاؤ ماضی کی باتیں وہ ایک حادثہ تھا--- اور وہ حرام خور ادیتہ--- وہ بھی کہاں رہا-- بھاگ گیا سالا کسی اور کے ساتھ وہ تو رس چوسنے والا بھنورا تھا بیٹی بھگوان کا شکر ادا کرو کہ تم اس کے ساتھ زیادہ سیریس نہیں ہو گئیں ورنہ شاید ساری زندگی پچھتاوے کی آگ میں جلنا پڑتا---"

مسز کول نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اپنا سگریٹ سلگایا اور اس کا کش لینے کے بعد اس سے مخاطب ہوئی۔

"پردیپ البتہ مجھے اس سے مختلف لگتا ہے--- میرا تجربہ بتاتا ہے کہ یہ لڑکا تمہارے ساتھ بالکل فٹ بیٹھے گا--- میرا اندازہ ہے کہ یہ بڑا کنزرویٹو قسم کا نوجوان ہے ڈرنک وغیرہ بھی نہیں کرتا--- ہاں اپنے باپ سے اسے بچائے رکھنا"---

اس نے اپنی بیٹی کو آنکھ مار کر قہقہہ لگایا۔

"ان کی آپ فکر نہ کریں---"

رادھیکا اپنی ماں کا اشارہ سمجھ کر مسکرا دی۔

O

بریگیڈئر کول دوپہر کے بعد گھر واپس آیا تھا---

آج اس کے ساتھ ایک کے بجائے دو بریف کیس تھے۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ آج وہ پہلے سے بھی زیادہ مصروف تھا۔

"مسٹر کول--- اس سوسائٹی میں تمہارے رینک کے تین چار اور آفیسر بھی رہتے ہیں۔ لیکن وہ چھٹی ہمیشہ گھر والوں کے ساتھ گذارتے ہیں آخر تم ایسا کیا جاب کر رہے ہو"---

مسز کول نے معمول کی بات کہی۔

"ڈارلنگ اس سوال کا جواب جاننے کی کوشش نہ کرنا ورنہ انٹیلی جنس والے میرے ساتھ تمہیں بھی لے جائیں گے--- کیسا رہا وہ لڑکا--- کیا نام تھا اس کا کھنہ---"

بریگیڈئیر کول نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اسے تو معاف ہی رکھنا--- تمہاری صاحبزادی اسے شادی کے لئے پسند کر چکی ہے اور خاصی سیریس بھی دکھائی دے رہی ہے--- اسے ہم نے آج ڈنر پر بلایا ہے--- انجینئر ہے اور بزنس بھی--- بچی کا کیریئر بن جائے گا--- امید ہے تم میری بات سمجھ گئے ہو گے---"

مسز کول نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

"اوہو--- ایک تو تم ماں بیٹی مجھ پہ ہر وقت کیوں شک کرتی رہتی ہو بھئی میں وہ عادت چھوڑ چکا ہوں--- Any Way اگر رادھیکا نے اسے پسند کر لیا ہے تو اسے قابو ہی رکھنا اور ادھر ادھر بھی اس کا تعارف نہ کرواتی پھرنا---"

بریگیڈئر کول نے سنجیدگی سے کہا۔

"مطمئن رہو---اس مرتبہ بے بی کو پریشان نہیں ہونے دوں گی"---

مسز کول نے کہا۔

پردیپ جان بوجھ کر ایک گھنٹہ تاخیر سے پہنچا تھا---

"معاف کیجئے---ایک فوجی گھرانے میں وقت پر نہ پہنچنا کوئی اچھی بات نہیں لیکن اس میں میرا قصور نہیں--پی سی او سے لندن اپنے پتاجی کو فون کرنے گیا تھا واپسی پر ٹیکسی خراب ہو گئی پھر ٹریفک جام ہو گئی--- آئی ایم سوری"---

اس نے تینوں کے سامنے ہاتھ باندھتے ہوئے "جے ہند" کہہ کر ان کے جواب سے پہلے ہی کہہ دیا۔

"اوہ نو---بیٹا ایسی کیا بات ہے--یہاں ایسا ہو ہی جاتا ہے---لیکن بیٹا اگر تم صرف فون کرنے گئے تھے تو اچھی بات نہیں ہمارے ہوتے ہوئے تم نے یہ زحمت کیوں کی---"مسز کول نے اسے بڑی شفیق نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اٹس او۔کے Its O.K"--

پردیپ نے کہا اور رادھیکا کے برابر والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

بریگیڈئر کول نے اس سے انٹرویو شروع کر دیا۔ وہ اس سے بظاہر لاتعلقی کے انداز میں باتیں کر رہا تھا۔

لیکن---

پردیپ جانتا تھا کہ وہ اسے پرکھ رہا ہے۔

اور---وہ اس میدان کا پرانا کھلاڑی تھا۔ اس نے دس پندرہ منٹ ہی میں بریگیڈئر کول کو رادھیکا اور اس کی ماں کی طرح اپنے برطانوی شہریت کے حامل انجینئر ہونے کا قائل کر لیا تھا---

"ڈرنک لو گے---"

اچانک ہی مسز کول نے سوال داغ دیا۔

"اوہ نو---شما کیجئے--میں اس معاملے میں بڑا "بیک ورڈ" ہوں۔ مجھے ڈرنک کی طرف سے معاف ہی رکھئے"---

اس نے کھسیانے سے لہجے میں کہا۔

"ارے یہ تو تمہاری گریٹ نس Greatness ہے--I like it" مسز کول کے بجائے بریگیڈئر کول نے جواب دیا۔

"تھینک یو سر"---

پردیپ نے قدرے مطمئن ہو کر کہا۔

بریگیڈئر کول اور اس کی بیوی جان بوجھ کر رادھیکا کو اس سے زیادہ گفتگو کرنے کا موقعہ دے رہے تھے۔

مسز کول کچن اور بریگیڈئر کول ٹی۔وی پر خبریں سننے کے بہانے سے جلد ہی الگ ہو گئے جبکہ رادھیکا اور پردیپ آپس میں باتیں کرتے رہے---

"میں نے آج تمہارے لئے خاص طور سے خود ڈنر تیار کیا ہے---ویٹر کو تو ایک طرح سے چھٹی ہی دے دی تھی---"

مسز کول نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"تھینک یو میڈم"---

پردیپ نے انتہائی مہذب انداز میں جواب دیا۔

ڈنر کا آغاز حسب توقع دونوں میاں بیوی نے وائن کے گلاسوں سے کیا تھا۔ رادھیکا اور پردیپ اس میں شامل نہیں ہوئے تھے اور رادھیکا نے ہی ڈنر ڈائننگ ٹیبل پر سجایا تھا

پردیپ نے کمال ہوشیاری سے گفتگو کا رخ آرمی اور پھر پاک بھارت متوقع جنگ کی

طرف موڑا تھا۔

"مجھے سیاست میں تو کوئی دلچسپی نہیں لیکن اخبارات کا مطالعہ ضرور کرتا ہوں۔ یہ آج کل جو آپ کی جنگی مشقوں "براس ٹیک" کا اتنا ہنگامہ ہو رہا ہے---اس کی وجہ سمجھ نہیں آتی۔" پردیپ نے بالآخر بریگیڈئر کول کے سامنے دانہ پھینک دیا۔

"فوجی مسئلے کو ہمارے لوگوں نے خواہ مخواہ سیاسی مسئلہ بنادیا---"

رادھیکا نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔

"لیکن اس کی بھی کیا ضرورت تھی۔ جس ملک کا "جی ڈی پی" اتنا شرمناک حد تک کم ہو۔ جہاں لوگوں کو زندہ رہنے کے لئے اپنے آپ کو حالات کے سامنے گروی رکھنا پڑتا ہے---مجھے سمجھ نہیں آتی کہ وہاں ایسے بے تحاشہ اخراجات کا کیا فائدہ---اتنا خرچ تو شاید برٹش آرمی نے بھی جنگی مشقوں پر نہیں کیا"---

پردیپ نے بات بڑھانے کے لئے بات کی۔

"بھئی ہم دراصل اس سارے ننٹے ہی کو ختم کردینا چاہتے ہیں"---

کول نے بالآخر کہہ ہی دیا۔

"کیا مطلب"---

رادھیکا نے حیرانگی سے پوچھا۔

"یہ روز روز کی بک بک جھک جھک سے تو ایک بڑی اور آخری جنگ ہی بہتر ہے"---

بریگیڈئر کول نے کہا۔

"بالکل ٹھیک ہے سر! آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ واقعی میں سوچتا ہوں کہ آخر 71ء میں اتنا اہم موقعہ کیوں کھو دیا---دونوں ملکوں میں سے ایک کو......" پردیپ کی بات بریگیڈئر کول نے کاٹ دی۔

"مائی بوائے---71ء میں ہم نے کچھ نہیں کیا---بس حادثاتی طور پر سب کچھ ہو گیا

وہ تو اندرا جی تھیں جنہوں نے اپنے پتے ہوشیاری سے کھیلے اور ہمیں فتح نصیب ہوئی جہاں تک ویسٹ فرنٹ کی بات ہے تو ایمانداری کی بات یہ ہے کہ ہم مغربی پاکستان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ یہاں وہ لوگ بالکل تیار تھے اور عین ممکن ہے کہ اگر ہم اس طرف جنگ جاری رکھتے تو پانسہ ہی نہ پلٹ جاتا"

"خیر! بات کچھ بھی رہی ہو میرے خیال سے اب یہ مسئلہ ختم ہونا چاہئے---"

پردیپ نے بیزاری سے کہا۔

"ارے بھئی ہم اس کی تیاریاں تو کر رہے ہیں---دیکھو شاید اگلے ایک دو ماہ میں ہم پاکستانیوں کے سارے دانت ہی نکال دیں"---

بریگیڈئر کول نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"اوہ یس۔ Oh Yes"---

پردیپ نے شاندار اداکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد کول اس سے کھل گیا۔

پردیپ نے کمال ہوشیاری سے اسے وائن کے دو ڈبل پیگ کھانے سے پہلے چڑھا دیے تھے۔

اور---اب شاید اسے نشہ ہونے لگا تھا۔

رادھیکا اور اس کی ماں اس گفتگو سے خاصی بور دکھائی دے رہی تھیں۔ لیکن پردیپ اور بریگیڈئر کول بڑی گرمجوشی سے اس میں حصہ لے رہے تھے۔

کول نے نشے کی حالت میں تمام احتیاط بالائے طاق رکھ کر پردیپ کے ان تمام خدشات کی تصدیق کردی تھی جو پاکستان میں پائے جا رہے تھے---

مختلف بھارتی اخبارات میں شائع ہونے والی خبروں کے حوالے دے دے کر پردیپ نے اس کے منہ سے بہت کچھ اگلوا لیا تھا۔

مسز کول تو اپنے بیڈ روم میں چلی گئی تھی جبکہ رادھیکا کے لئے یہاں بیٹھنا اب مشکل ہو رہا تھا۔

"او۔ کے ڈیڈ Dad --- آپ دونوں اپنی بحث جاری رکھیں۔ میری درخواست پر آج رات مسٹر پردیپ ہمارے مہمان رہیں گے۔ اگر صبح تک اس گفتگو کا کوئی نتیجہ نکل آئے تو مجھے ضرور بتادیں"---

رادھیکا نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔

اور --- پیر پٹختی اپنے بیڈ روم کی طرف چلی گئی۔

O

"ادھر آجاؤ --- میرے کمرے میں بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں"---

بریگیڈئر کول نے اسے عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اوہ --- کیوں نہیں سر --- میں آپ کے لئے کافی نہ بنالاؤں"---

پردیپ نے اب مزید وقت ضائع کرنا مناسب نہیں جانا تھا ---

"بھئی --- مہمان سے کام کروانا اچھا تو نہیں لگتا لیکن ---"

"ارے سر! کیا بات کرتے ہیں --- اٹس مائی پلیئر (یہ میرے لئے بہت خوشی کی بات ہو گی) یوں بھی میں انڈین نہیں ہوں برٹش ہوں اور وہاں ساری زندگی اپنا کام خود ہی کیا ہے --- اتفاق سے میں نے آپ کا کچن دیکھ لیا ہے"---

اس نے بریگیڈئر کول کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"او۔ کے --- جیسے تمہاری خوشی"---

کول نے کہا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

پردیپ نے باورچی خانے کا رخ کیا اور پانچ چھ منٹ بعد وہ کافی کے دو مگ تیار کر کے لے آیا تھا۔

اس نے بریگیڈئر کول کے لئے اس کی مرضی کے مطابق بلیک کافی تیار کی تھی البتہ اس کی مرضی کے خلاف اس کافی میں اپنی جیب سے نکال کر دو چھوٹی چھوٹی گولیاں ضرور ڈال دی تھیں جواب کافی کا حصہ بن چکی تھیں ---

کول اپنے کپڑے تبدیل کر کے آرام دہ کرسی پر بیٹھا سگار پی رہا تھا جب اس نے کول کے سامنے کافی کا مگ رکھ دیا۔

"تھینک یو ---"

کول نے کہا اور مگ اٹھا کر اپنے ہونٹوں سے لگا لیا اسے شاید گرم کافی پینے کی عادت تھی ---

"آپ کا ذوق مطالعہ تو زبردست ہے سر! میں نہیں سمجھتا تھا کہ ہماری آرمی میں آپ ایسے انٹلکچوئیل بھی ہوں گے"---

پردیپ نے اس کی انا کے غبارے میں ہوا بھری۔

"مائی بوائے ابھی تم نے دیکھا ہی کیا ہے --- آدھے پاکستان کو فتح کرنے کی پلاننگ تو اس میں موجود ہے ---"

بریگیڈئر کول نے ایک کونے میں دھری میز پر رکھے اپنے بریف کیس کی طرف اشارہ کیا۔

"اوہ مائی گاڈ --- یو آر جینئس سر!"

پردیپ نے اسے پھلایا۔

کول نے کافی کا مگ پانچ چھ لمبے لمبے گھونٹ بھر کر ختم کر دیا تھا اور بمشکل ابھی اسے میز پر رکھا ہی تھا جب اس کے چودہ طبق روشن ہونے لگے۔

"یہ تم نے کیا کیا......"

اس کی بات نامکمل ہی رہی۔

شاید بہت سریع الاثر بیہوشی کی دوا پردیپ نے استعمال کی تھی---

"ایزی---ایزی سر---اطمینان سے---"

پردیپ نے آہستگی سے کہا اور بریگیڈئر کول کو زمین بوس ہونے سے پہلے ہی اپنے مضبوط بازوؤں میں تھام کر اس کے بیڈ پر لٹا دیا---

اب وہ بلی کی طرح اپنے پنجوں پر چلتا رادھیکا کے کمرے کی طرف جا رہا تھا---

رادھیکا کے کمرے کا دروازہ لاک نہیں تھا۔

بے آواز دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا تو رادھیکا نے کروٹ بدل کر اس کی طرف دیکھا---

اس سے پہلے کہ وہ اٹھ کر خود پردیپ کا استقبال کرے پردیپ کے ہاتھ میں موجود چھوٹی سی شیشی سے جو بظاہر لیونڈر کی شیشی دکھائی دے رہی تھی خوشبو کا فوارہ نکلا اور رادھیکا کے نتھنوں میں جا گھسا---

خوشبو کیا تھی۔ جادو تھا، جادو---

رادھیکا نے اس کا کچھ اور ہی مطلب لیا لیکن اسے سمجھنے یا اپنے جذبات کا اظہار کرنے کے لئے چند لمحے ہی میسر آئے تھے جب وہ بستر پر ہی ڈھیر ہو گئی۔

"آئی ایم سوری ہنی"---

پردیپ نے کہا اور مسکراتا ہوا پنجوں کے بل باہر آ گیا---

اب وہ ملحقہ بیڈ روم میں داخل ہو رہا تھا جس کے ادھ کھلے دروازے سے مسز کول کے خراٹے سنائی دے رہے تھے---شاید وہ گہری نیند سو رہی تھی---

خوشبو کے اس سپرے نے اس کی نیند مزید گہری کر دی---

اب وہ قدرے مطمئن ہو چکا تھا---

ٹیلی فون کا چونگا اس نے اتار کر زمین پر رکھ دیا تھا اور اب بریگیڈئر کول کے کمرے سے

وہ بریف کیس سنبھال رہا تھا جس میں بقول بریگیڈئر کول کے آدھے پاکستان کی فتح کا منصوبہ موجود تھا۔

"الو کے پٹھے تم پاکستان کا بال بیکا نہیں کر سکتے"---

اس نے نفرت سے بریگیڈئر کول کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی میز کے ایک کونے میں دھری چابیوں کے گچھے سے چابی نکال کر بریف کیس کھولا اس میں موجود ایک فائل کو کھول کر چند لمحوں کے لئے دیکھا اور دھڑکتے دل سے اسے دوبارہ بریف کیس میں بند کر کے بریف کیس سمیت باہر نکل آیا---

○

برآمدے کے کونے میں لگے ہک سے اس نے رادھیکا کی گاڑی کی چابی نکالی اور گھر کی ساری لائٹیں آف کرنے کے بعد کار کو سٹارٹ کر کے باہر آ گیا---

اطمینان سے اس نے بنگلے کا گیٹ بند کیا اور گنگناتا ہوا کار میں بیٹھ گیا---

تین چار منٹ بعد وہ اپنے فلیٹ کے سامنے موجود تھا---

کار پارکنگ ایریا میں کھڑی کر کے اس نے فلیٹ سے وہ بیگ اٹھا لیا جو پہلے ہی سے تیار تھا---

بریگیڈئر کول کے بریف کیس کا سارا بوجھ اس نے اس بیگ میں منتقل کیا اور کمرے میں بکھرے اسباب کا جائزہ لے کر باہر آ گیا---

آدھے گھنٹے کی ڈرائیو کے بعد وہ دہلی کے انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر موجود تھا---

گاڑی اس نے پارکنگ کے بجائے جان بوجھ کر اس ایریا میں کھڑی کی تھی جہاں سے اگلے پندرہ بیس منٹ بعد دہلی کی ٹریفک پولیس کا لفٹر اسے اٹھا کر لے جاتا---

اپنا بیگ نکال کر اس نے لاپروائی سے دروازہ بند کیا اور "ڈومیسٹک فلائیٹ کاؤنٹر" کی طرف چلا گیا۔

دہلی سے ائرانڈیا کی نائٹ کوچ مدراس جانے کے لئے تیار تھی---اگر اس کے پاس فسٹ کلاس کا ٹکٹ نہ ہوتا تو شاید اسے سیکورٹی والے لاؤنج میں ہی نہ گھسنے دیتے---

"سر! یہ آپ کا بورڈنگ کارڈ"---

ٹکٹ کاؤنٹر پر کھڑی ہوسٹس نے اسے کارڈ تھمایا۔

"تھینک یو"---

پردیپ نے اپنے پیچھے نظر ڈالی جہاں بمشکل "اکانومی کلاس" کی قطار میں تین چار مسافر "چانس" لینے کھڑے تھے۔

"بیگج سر"---

کاؤنٹر والی لڑکی نے اسے متوجہ کیا۔

"No- Only Me"

اس نے مسکراتے ہوئے لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

---"You ara Welcome Sir"

میزبان خاتون نے مثبت جواب دیا۔

پردیپ اسے "خدا حافظ" کہہ کر آگے بڑھ گیا---

فسٹ کلاس کے مسافروں کی بس میں سوار ہونے والا وہ آخری مسافر تھا۔ اس کے جہاز میں بیٹھنے کے بمشکل پندرہ منٹ بعد جہاز ٹیک آف کر گیا---

رات ایک پہر بیت چکی تھی جب وہ "چونائی" کے ہوائی اڈے پر اترا--- جہاں انٹرنیشنل فلائیٹس کی آمد کا وقت ہونے کی وجہ سے لاؤنج مسافروں سے کھچا کھچ بھرا تھا---

لاؤنج کے باہر برآمدے میں آکر اس نے پھر انڈین ائرلائنز کے کاؤنٹر کی طرف بڑھنا شروع کیا جہاں لکھنو کیلئے کسی لیٹ فلائیٹ کا اعلان ہو رہا تھا۔ یہ فلائیٹ جسے شام چھ

ہے جانا تھا اب رات کے دو بجے جا رہی تھی---

چند لمحے اس نے رک کر کچھ سوچا پھر دل ہی دل میں ارادہ کرنے کے بعد قسمت آزمائی کے لئے کاؤنٹر کی طرف چل دیا۔

"فسٹ کلاس کا ایک ٹکٹ---"

اس نے سانولے رنگ اور تیکھے نقوش والی لڑکی کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھ کر کہا اس کی آنکھوں میں نیند اترنے لگی تھی---

"یس سر--- بے فکر رہئے آدھا جہاز خالی ہے"---

اس نے پردیپ کی شخصیت سے متاثر ہو کر کہا۔

... کے ٹکٹ لے کر وہ قریباً بھاگتا ہوا دوبارہ لاؤنج میں داخل ہوا جہاں لکھنؤ کے جہاز کا مسافر جان کر اسے زبردست پروٹوکول دیا گیا چونکہ اس نے سفر بھی فسٹ کلاس سے کرنا تھا---

لکھنؤ کے ہوائی اڈے پر اترنے تک وہ اس کی نیند پوری ہو چکی تھی---

ہوائی اڈے سے اس نے ایک پی سی او سے لندن کے لئے کال ملائی اور دوسری طرف سے لائن ملنے پر اپنے کسی "انکل" کو بتایا کہ وہ لکھنؤ پہنچ چکا ہے جہاں "خالہ اماں" سے ملاقات کے بعد واپس جلدی گھر جانا ہوگا۔

دوسری طرف "سامان" کی خبر پر اس نے "ہاں" میں جواب دیا تو اسے "ونڈرفل" کہہ کر سلسلہ منقطع کر دیا گیا۔

اب اسے کسی بھی ہوٹل میں کمرہ لے کر ہوٹل کا نام اور کمرے کا نمبر بتانا تھا---

یہ مرحلہ بھی اگلے آدھے گھنٹے میں طے ہو گیا اور صبح ہونے کے بعد وہ اپنے کمرے میں لمبی تان کر سویا---

ہوٹل میریٹ اس شہر کا شاید بہترین ہوٹل تھا---

ٹھاکر امر سنگھ کے نام سے اس نے یہاں قیام کیا تھا اور اسے سوئے ابھی بمشکل ایک گھنٹہ ہی ہوا تھا جب سرہانے رکھی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

نیند سے ڈوبی آواز میں اس نے ہیلو کیا۔

دوسری طرف لندن والے "انکل" موجود تھے۔

"مجھے علم ہے تم بے آرام ہو رہے ہو گے -- لیکن مطمئن رہو -- دوپہر بارہ بجے تک سوتے رہو۔ اس کے بعد رنبیر سنگھ تمہارے پاس پہنچ جائے گا۔ سامان اسے دے دینا"

دوسری طرف سے معذرت کے بعد کہا گیا۔

"رائٹ انکل" --

اس نے کہا اور فون رکھ دیا۔

آمد کے ایک گھنٹہ بعد ہی جب اس کے لئے لندن سے کال آئی تو ہوٹل انتظامیہ نے اسے فوراً "وی۔ آئی۔ پی" سمجھ لیا۔

نیند اب اسے کہاں آتی ---

تھوڑی دیر کروٹیں بدلنے کے بعد اس نے باتھ روم کا رخ کیا اور تیار ہونے کے بعد جب ہوٹل کے ڈائننگ ہال میں ناشتے کے لئے گیا تو یہاں خاصی رونق لگی ہوئی تھی۔

ناشتے سے فارغ ہو کر وہ دوبارہ کمرے میں آگیا --- جہاں اسے بارہ بجے تک کا وقت گزارنا تھا۔ یہ وقت اس نے ٹی وی دیکھنے اور اخبارات پڑھنے میں گزارا۔

ٹھیک ساڑھے بارہ بجے "رنبیر سنگھ" اس سے ملاقات کے لئے پہنچ گیا -- یہ بھی اس جیسا ہی نوجوان تھا جس نے ٹھاکروں کی طرح بڑی بڑی مونچھیں رکھی ہوئی تھیں اور اس سے کچھ زیادہ ہی بارعب دکھائی دینے لگا تھا۔

کاؤنٹر سے فون کرنے کے بعد وہ اس کمرے میں آگیا جہاں دونوں نے بغل گیر ہو کر ایک دوسرے کا استقبال کیا۔

"الحمد للہ -- پہلے ہی مرحلے پر کامیابی نصیب ہوئی" ---

اس نے اپنے بیگ سے فائل اور ایک لفافہ نکال کر رنبیر سنگھ کی طرف بڑھا دیا۔

"مبارک ہو دوست ---"

رنبیر سنگھ نے فائل اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہی بریف کیس میں بغیر دیکھے بند کر لی پردیپ کے ساتھ چائے پینے کے بعد وہ جس طرح آیا تھا اسی طرح اطمینان سے چلا گیا --- دم رخصت دونوں نے گرمجوشی سے ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے ہوئے ایک دوسرے کی خیریت اور سلامتی سے وطن واپسی کے لئے دعائیں کی تھیں اور اب تربیت کے مطابق رنبیر سنگھ اس کے کمرے ہی سے رخصت ہوا تھا۔

O

بریگیڈئر کول کی آنکھ کھلی تو اسے اپنے جسم میں عجیب سے درد کا احساس ہوا جیسے اس کا جسم ٹوٹ رہا ہو ---

گھبراہٹ میں اس نے گھڑی کی سوئیوں پر نظر ڈالی جہاں صبح کے نو بج رہے تھے ---

"اوہ مائی گاڈ" ---

اس نے چاہا جھٹکے سے بستر سے باہر نکلے لیکن اس جھٹکے نے اس کے جسم کے کس بل نکال دیے۔ جیسے ہی اس کی نظر میز کی طرف گئی بریف کیس غائب تھا ---

بریگیڈئر کول چکرا کر رہ گیا ---

ننگے پاؤں قریباً بھاگتا ہوا وہ کمرے سے باہر آیا جہاں لابی میں رکھے فون کا چونگا زمین پر دھرا تھا۔

اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے ---

چونگا فون پر رکھتے ہی اس کی گھنٹی بجنے لگی۔

دوسری طرف اس کا پریشان حال سٹاف کیپٹن اس سے مخاطب تھا۔

"خیریت تو ہے سر"!

اس نے ادب سے "جے ہند" کہتے ہوئے اگلا سوال کر دیا۔

"ایمر جنسی---"

بریگیڈئر کول نے کہہ کر فون رکھ دیا۔

وہ اب اپنی بیٹی کے کمرے کی طرف جا رہا تھا جسے نیند سے بیدار کرنے میں اسے تین چار منٹ لگ گئے تھے۔

رادھیکا نے آنکھیں ملتے ہوئے بڑی پریشانی سے اپنے باپ کی طرف دیکھا---

"وہ حرام خور "پاک سپائی" تھا---

بریگیڈئر کول نے کہا اور اس کے منہ سے مغلظات کا طوفان امڈ پڑا۔

رادھیکا کو اپنے باپ کی بات پر اب تک یقین نہیں آ رہا تھا وہ قریباً بھاگتی ہوئی گیسٹ روم کی طرف گئی تھی جہاں پردیپ کا نام و نشان بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا---

اس اثناء میں اس کی ماں بھی آنکھیں ملتی باہر نکل آئی اب تینوں مل کر پردیپ کو گالیاں دے رہے تھے۔

اس دوران بریگیڈئر کول کا سٹاف آفیسر ایمر جنسی سکواڈ کے ساتھ وہاں پہنچ چکا تھا۔ ان لوگوں نے چند سیکنڈ میں ہی بریگیڈئر کول کا سارا بنگلہ پردیپ کی تلاش کے لئے ادھیڑ کر رکھ دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بریگیڈئر کول نے اپنے بریگیڈ کے انٹیلی جنس یونٹ کو بھی گھر طلب کر لیا تھا۔ ان سب کے لئے یہ اطلاع کسی سانحے سے کم نہیں تھی کہ بریگیڈئر کول نے بڑی محنت سے پاکستان کے شمالی علاقہ جات پر قبضے کے لئے جو پلان تیار کیا تھا وہ راتوں رات

غائب ہو چکا ہے---

رادھیکا کی کار بھی غائب تھی--

جب انٹیلی جنس والے پردیپ کے فلیٹ پر پہنچے تو وہاں تالا لگا تھا۔ تالا توڑ کر اندر داخل ہونے پر انہیں سوائے کرائے کے سامان یا پھر چائے بنانے کے برتنوں کے اور کچھ نہیں ملا تھا۔

یہاں اس نے اپنے سائز کی کوئی قمیض یا پتلون بھی باقی نہیں چھوڑی تھی۔ آرمی کے تربیت یافتہ کتوں کو جب کمرے میں موجود پردیپ کی خوشبو سے آشنا کروا کر باہر لایا گیا تو وہ سوائے اپنی تھوتھیاں اونچی کر کے زور زور سے بھونکنے کے اور اپنے مالکان کی کوئی مدد نہیں کر سکے۔

تھوڑی دیر بعد وہاں "را" کے کاؤنٹر سیل کے افسر پہنچ گئے تھے۔

صبح سے رات دیر گئے تک انہوں نے بریگیڈئر کول، اس کی پتنی اور سپتری سے الگ الگ انٹرویو میں سینکڑوں سوالات کئے تھے۔

رادھیکا کو تو ان کے تکلیف دہ سوالات نے بوکھلا کر دیا تھا اور جھنجلاہٹ میں وہ تین چار مرتبہ رو دی تھی۔

لیکن---جب دوسری طرف سے اسے کہا جاتا کہ "نیشنل سیکورٹی" کے لئے اس کے جوابات ضروری ہیں تو وہ دوبارہ نارمل ہو جاتی---

رادھیکا کی کار ائرپورٹ کے پولیس سٹیشن سے مل گئی جسے ٹریفک پولیس والے غلط پارکنگ پر رات ہی اٹھا کر لے گئے تھے اور حیران ہو رہے تھے کہ ساری رات اس کا مالک گاڑی واپس لینے کیوں نہیں آیا---

"را" کے ماہرین نے کار اور بریگیڈئر کول کے گھر سے ملنے والے تمام نشانات محفوظ کر

لئے تھے۔

اگلے روز جب ان کے ماسٹر کمپیوٹر نے بتایا کہ پردیپ کھنہ اس سے پہلے گورجیت سنگھ والے کیس میں بھی پرمود مہاجن کے نام سے واردات کر چکا ہے تو ان کا ماتھا ٹھنکا---

"اسے ڈھونڈو---I want him جیسے بھی ممکن ہو اسے تلاش کرو۔"

جوائنٹ ڈائریکٹر "را" نے اپنے ماتحتوں سے پھاڑ کھانے والے لہجے میں کہا۔ وہ سب تلملائے ہوئے باہر آکر سوچنے لگے کہ اس چھلاوے کو کہاں ڈھونڈیں گے؟

آئی جی انٹیلی جنس کے سامنے کرنل صاحب اس فائل سمیت موجود تھے جو پردیپ کھنہ کی طرف سے موصول ہوئی تھی---

"ویل ڈن---میں خود اس لڑکے سے ملنا چاہوں گا---حیرت انگیز---"

انہوں نے فائل کے مندرجات دیکھنے کے بعد تحسین آمیز نظروں سے کرنل صاحب کی طرف دیکھا۔

"ہائی آنر سر!"

کرنل صاحب نے شکریہ ادا کیا۔

"اسے نکال لو---میں اس نوجوان کو ضائع ہوتے نہیں دیکھ سکوں گا۔ اب وہ سب کچھ چھوڑ کر وحشیوں کی طرح اسے کھوج رہے ہوں گے"---

آئی جی صاحب نے تشویش ظاہر کی۔

"وہ تو نہیں چاہے گا سر! لیکن یہ ضروری ہو گیا ہے---"

کرنل صاحب نے اثبات میں کہا۔

"Do it"---

کہہ کر ڈی۔ جی صاحب نے اپنے پی اے کو مخاطب کیا اور تھوڑی دیر بعد وہ جنرل ہیڈ کوارٹر میں موجود تھے۔

"ونڈر فل"

"ویل ڈن"

اعلیٰ فوجی قیادت کے ہر ذمہ دار نے فائل دیکھنے کے بعد بے ساختہ پردیپ کھنہ کے لئے
دادو تحسین کے ڈونگرے برسائے۔

بھارت کا آپریشن ٹرائی ڈنٹ Trident ان کے سامنے دھرا تھا۔ اس منصوبے کے
مطابق بھارت کی پندرہویں کور نے سکردو اور گلگت پر حملہ کرنا تھا۔

اس حملے میں کور کا تیسرا۔ انیسواں اور اٹھائیسواں ڈویژن شامل تھا جسے بطور خاص چھ
ماؤنٹین ڈویژن کی مدد بھی حاصل ہو گی---

بھارتیوں کے جنگی جنون نے شاید انہیں پاگل کر دیا تھا۔ تاریخ میں اس سے پہلے
سالوں میں صرف اس نوعیت کی ایک جنگ اٹلی بمقابلہ آسٹریا، ہنگری اور جرمنی لڑی
گئی تھی جب پہلی جنگ عظیم میں اٹالین ALPS کو حاصل کرنے کے لئے تینوں ممالک
نے مل کر حملہ کیا تھا۔

اس لڑائی میں پونے نو لاکھ انسان لقمہ اجل ہوئے تھے---!!

شاید مہم جو جنرل سندر جی اب ہمالیہ کی شمال مغربی بلندیوں پر جو دنیا کا دشوار ترین علاقہ
تھا اپنی چار ڈویژن فوج کے ساتھ حملہ کر کے اپنا نام تاریخ میں ہمیشہ کے لئے محفوظ
کروانا چاہتا تھا۔

O

اس خطرناک اور تباہ کن منصوبے کے مطابق گوریس Gurais سے گلگت پر
(Diversionery Attack) 19ویں ڈویژن کے 268 بریگیڈ نے کرنا تھا۔

کارگل سے سکردو کی طرف (Main Attack) مرکزی حملہ 28ویں ڈویژن کے
بریگیڈ نمبر 121 کے ذریعے ہونا تھا جس کی مدد کے لئے 28ویں ڈویژن کا ایک فاضل

بریگیڈ بھی رکھا گیا تھا۔

تھائیس (Thoise) براستہ خپلو سے سکردو پر (Supporting Attack) امدادی حملہ
تیسری ڈویژن کی کمانڈ میں 102 فسٹ بریگیڈ تیسری ڈویژن کے 70ویں بریگیڈ اور
تیسری ڈویژن کے 114ویں بریگیڈ کے ذریعے ہونا تھا۔

تیسرے ڈویژن کے 114ویں بریگیڈ کے ذریعے چھٹا ڈویژن چین کے بالمقابل کھڑا کر
دیا جاتا۔ ریزرو کو چھٹے۔ نویں اور 28ویں ڈویژن سے ایک ایک بریگیڈ دے دیا جاتا۔

O

بھارتی فوجی منصوبہ بندی (لانگ ٹرم) کے مطابق چھٹا ڈویژن عام طور پر یو۔ پی کے شہر
بریلی سے چین کے حملے کی صورت میں یو۔ پی کے شمال مشرقی علاقے کا دفاع کرنے
کے لئے مختص ہے پاکستان کی طرف سے متوقع حملے کی صورت میں یہ ڈویژن پنجاب
اور کشمیر کی سرحد پر موجود پٹھانکوٹ شہر کا دفاع کرتا ہے۔

بھارتیوں نے اپنے چھٹے ڈویژن کو پٹھانکوٹ اور جموں سے نکال کر لیہ میں ڈیپلائے کرنا
شروع کر دیا تھا اور جام پور کا ہوائی اڈہ اس ڈویژن کی منتقلی کے لئے مخصوص ہو چکا تھا۔

بھارتیوں نے ایک روز میں 70 پروازیں لیہ میں اتاریں۔

ایک ہی وقت میں لیہ کے ہوائی اڈے پر بیس سے زیادہ اے۔ این۔ 12 سائز کے جہاز
کھڑے دکھائی دے رہے تھے۔

پاکستان کے ایئر فورس انٹیلی جنس یونٹ ایک ایک پل کی رپورٹ پہنچا رہے تھے جو
پردیپ کھنہ کی بریگیڈئر کول کے گھر سے چرائی دستاویز کی تصدیق کر رہی تھیں۔ اس کا
مطلب یہ تھا کہ بھارتی جرنیلوں نے اپنی ضد پوری کرنے کا مصمم ارادہ کر لیا ہے۔

اس روز لیہ کے ہوائی اڈے پر 70 پروازیں اتریں اور 50 واپس گئیں جس کا مطلب یہ تھا
کہ بھارتیوں کو حملے کی بہت جلدی ہے اور وہ اس بات سے آگاہ ہونے کے بعد کہ "حملے

کا پلان" پاکستان پہنچ چکا ہے وہ اپنی تمام صلاحیتیں صرف کر رہے تھے۔ اس موقع پر ضروری تھا کہ ان کے لئے رکاوٹیں پیدا کی جائیں تاکہ اس ڈویژن کے محاذ پر پہنچنے سے پہلے پاکستانی فوج کو مقابلے کے لئے محاذ پر پہنچادیا جائے۔

اور---

یہ "کارنامہ" بھی انجام پاگیا---

لیہ میں آنے والے تازہ دم بارہ ہزار فوجیوں کے لئے جو فاضل خوراک آنے والی تھی راستے کے پلوں پر "رکاوٹیں" ہونے کے سبب اس کی سپلائی رک گئی---

بھارتیوں کے لئے یہ خبریں بڑی پریشان کن تھیں کہ اس علاقے میں مقامی سطح پر پاکستانی ایجنسیوں نے ان کے لئے ٹرانسپورٹ کے مسائل کھڑے کر دیئے تھے۔

ان "مسائل" کی وجہ سے ان کے حملے کی تاریخ لیٹ ہو گئی---

پہلے 6 فروری کا دن مقرر ہوا پھر 8 فروری صبح ساڑھے چار بجے حملے کا وقت مقرر کیا گیا لیکن اسی روز سہ پہر 3 بجے تک پاکستان کی جوابی منصوبہ بندی نے بھارتیوں کی کمر ہمت توڑ دی اور انہیں بادل نخواستہ حملہ منسوخ کرنا پڑا اس حملے کو منسوخ کروانے میں اہم کردار پاکستانی جوابی منصوبہ بندی کے ماہرین نے ادا کیا۔

دشمن کی چال کو سمجھتے ہوئے پاکستانی جرنیلوں نے آرمی ایوی ایشن کا بہترین استعمال کیا اور چار دنوں میں سی۔130 جہازوں کی قریباً تین سو پروازوں کے ذریعے سکردو میں تین بریگیڈ فوج اتار دی---

فوجی توازن بھارت کے خلاف ہو چکا تھا---

بھارتیوں کے لئے اب سوائے واپسی کا سفر اختیار کرنے کے اور کوئی راستہ باقی نہیں بچا تھا پاکستان نے شاندار جوابی منصوبہ بندی کر کے پنجاب کی طرح اس سرحد پر بھی بھارتیوں کو بوکھلا کر رکھ دیا۔

شمالی علاقہ جات میں پاکستان عام طور پر تین بریگیڈ فوج رکھتا ہے جن میں سے ایک بریگیڈ سیاچن گلیشیر کے مغرب میں "دجلو" کے مقام پر دوسرا بریگیڈ سکردو اور تیسرا گلگت میں رکھا جاتا ہے۔

ان تینوں بریگیڈوں کو دسویں کور کار یزرو بریگیڈ کمانڈنگ ہیڈ کوارٹر شمالی علاقہ جات ہیڈ کوارٹر سکردو کنٹرول کرتا ہے

راولپنڈی میں 111 فسٹ بریگیڈ بھی عام طور اس محاذ کے لئے مخصوص کیا گیا تھا۔ اس طرح پاکستان نے استور۔ گلگت اور درہ برزیل کے درمیان ایک ایسی ڈیفنس لائن کھڑی کر دی جو بھارتیوں کے لئے سد سکندری بن گئی۔

کارگل سے سکردو ہوائی راستہ تقریباً اسی کلو میٹر ہے اور بھارتی یہ فاصلہ طے نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے پاس 71ء کا ناکام تجربہ موجود تھا---

71ء میں بھارت کی لداخ بٹالین نے اپنی دو کمپنیوں کے ساتھ "قرتوک" سے "بیڈ گانو" پر حملہ کیا تھا جس کا فاصلہ وہاں سے 30 کلو میٹر تھا۔ اس باقاعدہ اور تربیت یافتہ فوج کا مقابلہ پاکستانی فرنٹیئر کور کی چند پلٹوں نے کیا چودہ روز تک بھارتیوں کے تابڑ توڑ حملے ان پلٹوں نے روک کر انہیں پسپا کر دیا تھا---

سیاچن میں بھارتیوں نے ایڈونچر تو 84ء میں کر لیا تھا لیکن اس بات کی انہیں بھی اچھی طرح سمجھ آگئی تھی کہ چار بریگیڈ کے ساتھ وہ سکردو جا کر پاکستان سے لڑائی کا صرف خواب ہی دیکھ سکتے ہیں عملاً ایسا ممکن بھی نہیں۔

بھارتیوں کو علم تو تھا کہ سکردو اور گلگت ان کے اڈوں کی نسبت زیادہ اترائی میں واقع ہیں لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہاں تک پہنچنے کے لئے انہیں شیاک، سندھ اور استور کی دریائی وادیوں سے گذرنا پڑتا۔ ان تنگ وادیوں میں بھارتی فوج کی پیش قدمی تو کیا ہوتی البتہ انہیں اپنے مردہ ساتھیوں کی لاشیں بھی ہاتھ نہ لگتیں کیونکہ یہاں قدم قدم پر

پاکستانی نشانہ بازان کے استقبال کو محفوظ پناہ گاہوں میں موجود ہوتے۔

جیلو پہاڑ کی دس ہزار فٹ بلندی سے پاکستانی فوج بھارتیوں کی توقعات کے بالکل برعکس گلیشیر کی 22ہزار فٹ بلندی تک اپنی پوسٹیں قائم کر چکی تھی--اس سارے راستے میں پاکستانیوں نے صرف چند پلٹنیں پھیلا کر بھارتیوں کو ناکوں چنے چبادیئے تھے۔اس تلخ حقیقت کے باوجود کے پیش قدمی کے تمام راستے بھارت کے قبضے میں تھے۔بھارتیوں کی پیش قدمی ناممکن بنا کر پاکستانیوں نے بھارتی چوکیوں پر حملے شروع کر دیئے۔

O

براس ٹیک اور خصوصاً آپریشن ٹرائی ڈنٹ کی ناکامی نے بھارتیوں کی بوکھلاہٹ اور غصہ دوچند کر دیا تھا---

سیاچن میں بھارتی فوج کے "کارناموں" کی خبریں بھارتی پریس میں شائع ہوتیں تو فوج کا مورال مزید گرنے لگتا۔

ان خبروں میں عموماً یہی بتایا جاتا تھا کہ سیاچن محاذ پر جانے سے بچنے کے لئے فوجی کیا کیا حربے استعمال کرتے ہیں اور کن کن حیلے بہانوں سے اپنی جان چھڑاتے ہیں---

بھارتی پریس نے سیاچن کی مہم کو فوج کی "ذہنی عیاشی" سے تعبیر کرنا شروع کر دیا تھا کیونکہ بھارتیوں نے جن مکروہ عزائم کے ساتھ سیاچن پر حملہ کیا تھا اس سے انہیں بمشکل پانچ فی صد کامیابی بھی حاصل نہیں ہوئی تھی۔

بے پناہ مالی اخراجات، خطرناک موسم سے ہونے والی ہلاکتیں اور پاکستانیوں کے ہاتھوں مرنے والے بھارتیوں کی لاشیں جب ان کے گھروں میں پہنچتیں تو نزدیک دور کے علاقوں میں کہرام مچ جاتا۔

سیاچن میں جسمانی طور پر ناکارہ ہونے والا ہر بھارتی فوجی چلتا پھرتا اشتہار بن جاتا وہ جہاں بھی جاتا فوج کی بدنامی اس کے ہمراہ ہوتی۔

ان حالات نے بھارتی جرنیلوں کو بہت زچ کر دیا تھا۔

آپریشن "ٹرائی ڈنٹ" کی ناکامی نے بھارتی جوانوں کی رہی سہی کمر ہمت توڑ دی تھی اور وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے تھے کہ ان کے افسران نے انہیں ہمیشہ کے لئے برف کی اندھی قبر میں اتار دیا ہے جہاں سے باہر آنے کا راستہ کوئی نہیں ہے---

"بلافون لا" سیکٹر میں موجود "قائد او پی" نے بھارتیوں کو پریشان کر کے رکھ دیا تھا وہ اس پوسٹ کے قیام سے بالکل غیر محفوظ ہو کر رہ گئے تھے اب بھارتی رات کو سفر کرتے ہوئے ڈرنے لگے تھے۔

O

30اپریل 87ء کو فسٹ کمانڈو بٹالین کی "شاہین کمپنی" نے "کمال کمپنی" سے "قائد پوسٹ" اور "قائد او۔پی" کا چارج سنبھالا۔اس وقت نائیک یونس اور دو جوان قائد او۔پی پر اور ایک آفیسر ایک جے سی او اور 8جوان "قائد پوسٹ" پر موجود تھے۔

شاہین کمپنی کے چارج لینے کے تین دن بعد اچانک موسم کے تیور خطرناک حد تک تبدیل ہو گئے طوفانی ہواؤں کی رفتار ستر سے سو کلو میٹر فی گھنٹہ ہونے لگی جس کے بعد شدید برفباری شروع ہو گئی۔

اس برفباری میں قائد او۔پی پر نصب اگلو Igloo جس کی اونچائی قریباً چھ فٹ تھی برف میں دھنس گیا۔نائیک یونس جو اگلو میں موجود تھے برف کے اندر اگلو سمیت دھنس گئے۔

اس کے ساتھ ہی بھارتیوں نے قائد پوسٹ پر گولہ باری شروع کر دی۔جس سے قائد پوسٹ پر موجود جوانوں کے لئے "قائد او۔پی" تک کمک پہنچانا بالکل ناممکن ہو کر رہ گیا۔

نائیک یونس شیر دل کمانڈو تھے انہوں نے ہمت ہارنا نہیں سیکھا تھا۔انہوں نے اپنے حواس بحال رکھے جبکہ ان کے ساتھ موجود دونوں کمانڈوز جوانوں نے اس تباہ کن اور جان لیوا موسم میں انہیں برف سے نکالنے کے لئے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔انہیں

اپنی جان پر کھیلتے اڑتالیس گھنٹے گذر گئے تھے---

ان اڑتالیس گھنٹوں میں نائیک یونس اور اس کے ساتھیوں نے آنکھ نہیں جھپکی تھی نائیک یونس جانتے تھے کہ اگر انہیں نیند آگئی تو پھر ان کی آنکھیں کبھی نہیں کھلنے پائیں گی۔ وہ اگلو کے اندر سے اپنے ساتھیوں اور پوسٹ والوں کو اپنی زندگی کی اطلاع دیتے رہے۔

دو روز برف باری کا شدید طوفان جاری رہا۔

طوفان اتنا شدید تھا جس کے سامنے بھارتی گولہ باری بھی بے وقعت ہو کر رہ گئی تھی۔ دو روز بعد جب موسم کی قہرناکیاں کچھ ماند پڑیں اور پوسٹ سے او۔پی تک پہنچنے کی کوئی صورت دکھائی دی تو نائب صوبیدار عطا محمد اور ان کے چار جوانوں کو اس مشن کے ساتھ اوپر بھیجا گیا کہ وہ اگلو Igloo کو باہر نکالیں اور نائیک یونس کی جان بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

نائب صوبیدار عطا محمد اور ان کے ساتھی رسوں کے ذریعے جب او۔پی تک پہنچے تو وہاں موجود دونوں کمانڈوز جو باہر برفباری میں اڑتالیس گھنٹے سے زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہے تھے اپنے ساتھی نائیک یونس کو بچانے کے لئے سرگرم عمل تھے۔

ان کی جرات، جانبازی اور جاں سپاری نے نائب صوبیدار عطا محمد اور ان کے ساتھیوں کا حوصلہ دو چند کر دیا۔ انہوں نے سب سے پہلے جوانوں کو طبی امداد دی جس کے بعد وہ اپنے کام میں جت گئے۔

نائب صوبیدار عطا محمد نے بالآخر موت کو پچھاڑ دیا اور ایک ناقابل یقین جدوجہد کے بعد اپنی جان پر کھیلتے ہوئے بالآخر انہوں نے اگلو باہر نکال لیا اور اس کے ساتھ ہی گزشتہ پچاس گھنٹوں سے اس میں پھنسے نائیک یونس کی جان بھی بچالی---

نائب صوبیدار عطا محمد کا یہ کارنامہ ناقابل فراموش تھا لیکن قدرت ابھی ان سے ایک اور بڑا کارنامہ انجام دلانے جا رہی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک عظیم ترین منصب کے لئے منتخب کر لیا تھا۔

O

29 مئی 87ء کو عید الضحیٰ کے دن جب پاکستان کے در و بام میں سنت ابراہیمی علیہ السلام کی ادائیگی ہو رہی تھی اور اللہ کے راستے میں لاکھوں جانور ذبح کئے جا رہے تھے---اسی روز قائد۔ او پی پر کچھ سر فروش اپنی جانوں کا نذرانہ بھی اللہ کے حضور پیش کرنے جا رہے تھے۔

بھارتیوں نے یہ جانا کہ شاید آج عید کی وجہ سے پاکستانی جانباز غافل ہو گئے ہوں گے اور وہ ان کی غفلت سے فائدہ اٹھالیں گے۔

لیکن---اللہ کے یہ پراسرار بندے ہر دم تیار تھے۔

بھارتیوں نے علی الصباح او۔پی پر بے تحاشا گولہ باری شروع کر دی جانے وہ کتنے دنوں سے یہاں پھونکنے کے لئے اسلحہ اور گولہ بارود جمع کر رہے تھے---

او۔پی پر اس وقت ایک جے سی او اور چار جوان موجود تھے۔ بھارتی گولہ باری انہوں نے اپنے سر مورچوں میں دے کر برداشت کی کیونکہ وہ اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔ دشمن کے چلائے ائر برسٹ ان کے سروں پر پھٹ کر قیامت کا سماں پیدا کر رہے تھے۔ جوان زخمی تھے لیکن اپنے چھوٹے ہتھیاروں سے وہ ان دیکھے دشمن کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے تھے۔ صرف اپنے توپ خانے سے دشمن پر گولہ باری کروا سکتے تھے یہ فریضہ انہوں نے بڑے احسن طریق سے انجام دیا۔

چار گھنٹے کی اندھا دھند گولہ باری کے بعد جب دشمن نے یقین کر لیا کہ مزاحمت دم توڑ چکی ہے تو اپنے پیدل دستوں کے ساتھ یلغار شروع کی۔

اس دوران شدید گولہ باری سے دو جوان جام شہادت نوش کر چکے تھے اور جے سی او کے ساتھ صرف دو جوان باقی رہ گئے تھے---

تینوں جیالے ڈٹ گئے---

انہوں نے دشمن کو تاک تاک کر نشانہ بنایا۔

دشمن پرے باندھ باندھ کر حملے کرتا اور پسپائی اختیار کرتا رہا---ساری رات یہ کھیل جاری رہا۔ علی الصباح دشمن نے خاموشی اختیار کرلی--- قائداو۔پی سے تین سو گز کے فاصلے پر اس کے دس جوانوں کی لاشیں اس کے حملے کا منہ چڑا رہی تھیں---

بھارتی حملہ پسپا ہو گیا تھا---

لیکن---دشمن کے وائرلیس پیغاموں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اس نے ہر قیمت پر اس مرتبہ قائداو۔پی پر قبضے کا فیصلہ کرلیا ہے---

دونوں شہیدوں کے جواں لاشے نیچے پہنچائے گئے اور تازہ دم کمک اوپر پہنچا دی گئی لیکن وہ بھی کتنی---؟

ایک اگلو میں بمشکل پانچ جوان ہی سما سکتے تھے جبکہ دشمن پوری بٹالین کے ساتھ حملہ آور ہوا تھا اس کے مختلف سیکشن وقفے وقفے سے حملہ آور ہوتے اور اپنے ساتھیوں کی لاشیں چھوڑ کر پسپائی اختیار کرلیتے---

29 مئی سے 18 جون تک بھارتیوں نے قائداو۔پی پر موجود جوانوں کو ایک لمحہ کی فرصت نہیں دی انہوں نے وقفے سے گولہ باری مسلسل جاری رکھی اور درمیان میں پیدل فوج کے ساتھ حملے کرتے رہے---

اس دوران قائداو۔پی پر موجود جوان دشمن کے لئے سد سکندری بنے رہے وہ زخمی ہوتے اور حرکت کے قابل بھی نہ رہتے تو زبردستی انہیں نیچے اتارا جاتا---دشمن کے مسلسل حملوں کی وجہ سے وہ اگلو سے باہر مورچوں میں بیٹھ کر دشمن کے تابڑ توڑ حملوں کا سامنا کر رہے تھے---

O

18 جون کو نائب صوبیدار عطا محمد شہید نے او۔پی کا چارج سنبھالا۔

ان کے ساتھ صرف چھ جوان موجود تھے کیونکہ اس سے زیادہ ایک نفر بھی یہاں نہیں ٹھہر سکتا تھا 18 جون سے 24 جون تک بھارتی توپخانہ وقفے وقفے سے قائداو۔پی پر آتش و آہن برساتا رہا۔اس دوران کسی جوان کے لئے چند منٹ کی نیند بھی ممکن نہیں تھی---

ساری رات اور سارا دن وہ اگلو کے باہر رگوں میں خون منجمد کر دینے والی جان لیوا سردی میں مورچہ بند ہو کر دشمن کا وار اپنے سینوں پر روکنے کے لئے تیار رہتے تھے۔

24 جون رات دس بجے دشمن نے اس محاذ پر موجود اپنی تمام بیٹریوں کا فائر قائداو۔پی پر گرانا شروع کر دیا۔

یوں محسوس ہوتا تھا جیسے توپچیوں پر جنون طاری ہو گیا ہے اور وہ بھارتی فوج کا سارا بارود آج رات پھونک کر ہی دم لیں گے۔

رات ساڑھے گیارہ بجے تک دشمن کی گولہ باری کا تسلسل برقرار رہا---جس کے بعد محاذ پر خاموشی چھا گئی۔

لیکن---

یہ خاموشی جس طوفان کا پیش خیمہ تھی، اس کا اندازہ ان شیر دل جانبازوں کو خوب

موسم صاف تھا---

برف کے طویل سلسلے پر چاند کی کرنیں پوری آب و تاب سے رقصاں تھیں اور دور دور کا منظر صاف دکھائی دے رہا تھا۔

سپاہی ذوالفقار علی جو اس وقت سنتری ڈیوٹی کر رہے تھے نے اپنے دائیں جانب دیکھا تو انہیں قریباً تین سو گز دور کچھ مشکوک سائے دکھائی دیئے---

بھارتی سپاہیوں کے کھانسے کی آواز پر وہ مزید چوکنے ہو گئے انہوں نے اپنے ساتھی

سنتری کو خبر دار کر دیا---اور سامنے نظریں جما کر بیٹھ رہے۔
سامنے کا منظر اب مزید نمایاں ہونے لگا تھا۔ سنتری ذوالفقار نے دیکھا قریباً تمیں چالیس بھارتی فوجی جنگی تربیت کے ساتھ قائد او۔پی کی طرف بڑھتے چلے آرہے ہیں اس اثنا میں نائب صوبیدار عطا محمد شہید جو ایک ایک مورچے پر جا کر خود حالات کا جائزہ لے رہے تھے وہاں پہنچ گئے۔
انہوں نے سامنے موجود بھارتی فوجیوں کو دیکھ لیا تھا---
"ذوالفقار---ہم نے ایک ایک گولی سے ایک ایک بھارتی کو مردار کرنا ہے۔"
انہوں نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔
حالات ایسے ہی تھے کہ وہ اپنی ایک گولی بھی ضائع نہیں کر سکتے تھے کیونکہ او۔پی تک سے پوسٹ تک رسوں کے ذریعے جو راستہ بنایا گیا تھا اسے چار دن کی مسلسل گولہ باری نے ختم کر دیا تھا۔
نائب صوبیدار عطا محمد سب سے اگلے مورچے میں اپنی گن کے ساتھ موجود تھے انہوں نے اپنے جوانوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ جب فائر کریں اس کے بعد ہی دشمن پر گولی چلائی جائے۔
بھارتیوں کے خلاف جب کوئی مزاحمت نہ ہوئی تو انہیں اپنے افسران کی اس بات کا یقین آگیا کہ واقعی او۔پی قائد ختم ہو چکی ہے اور یہاں موجود پاکستانی ان کی توپوں کے گولوں کا شکار ہو چکے ہیں---
ان کا فاصلہ او۔پی سے کم ہو رہا تھا جب یہ فاصلہ قریباً بیس گز رہ گیا تو نائب صوبیدار عطا محمد نے نعرہ تکبیر بلند کیا اور پہلی گولی فائر کی---
جس کے ساتھ ہی بھارتیوں پر جہنم کا دھانہ کھل گیا اور وہ اپنے آدھے سے زیادہ ساتھیوں کو مرتے اور تڑپتے دیکھ کر واپس بھاگ گئے۔

پسپائی اختیار کرتے بھارتیوں نے اپنی توپوں سے کور فائرنگ لیا تھا تا کہ ان کے اور پاکستانی کمانڈوز کے درمیان گولے خائل ہو جائیں۔
لیکن---نائب صوبیدار عطا محمد نے فائرنگ پہلے ہی بند کر دی تھی کیونکہ ان تک کمک نہیں پہنچ رہی تھی اور وہ اپنے محدود اسلحہ اور گولہ بارود کو انتہائی احتیاط سے استعمال کر رہے تھے۔

O

ان کے سامنے برفیلے جہنم پر بھارتیوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں---پسپا ہوتے بھارتی اتنی جلدی میں تھے کہ اپنے ساتھیوں کی لاشیں بھی نہیں اٹھا سکے---
گزشتہ تین دن اور تین راتوں سے پاکستانی جوان مسلسل جاگ رہے تھے---اس دوران وہ بھارتی فوج سے زیادہ موسم کی عذابناکیوں کا مقابلہ کر رہے تھے---
خون منجمد کرتی اس سردی میں وہ ایک لمحے کے لئے بھی اگلو میں جا کر تازہ دم ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے کیونکہ ہر لمحہ چوکس رہنے کی ضرورت تھی اور دشمن کسی بھی لمحے انہیں غافل پا کر حملہ کر سکتا تھا---
نائب صوبیدار عطا محمد جانتے تھے گزشتہ بیس بائیس گھنٹوں سے ان کے جوانوں کے منہ میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں گیا---
خود ان کے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے---
وہ ان جوانوں کے کمانڈر ہی تھیں ان کے لئے ایک شفیق بھائی اور باپ کا درجہ بھی رکھتے تھے انہیں اپنا نہیں ان کا احساس تھا اور وہ ان کے متعلق بہت فکر مند تھے---
انہوں نے کسی طرح ایک سٹوو پر برف پگھلا کر اس میں انرجائل گھولا اور اپنے ایک ایک جوان تک پہنچ کر اسے اپنا حلق تر کرنے کا موقعہ دیا---
ان کے خشک حلق سے انرجائل ملے پانی کا ایک ایک قطرہ آب حیات بن کر معدے میں

اتر رہا تھا۔

سب سے آخر میں انہوں نے بچ جانے والے دو تین گھونٹ اپنے حلق میں انڈیل لئے۔

رات گذر گئی---

دن کے منظر میں بھارتیوں کی جہنم واصل لاشیں ان کے علاوہ اب بھارتیوں کو بھی نظر آنے لگی تھیں اور ان کا غصہ بھی اس حساب سے بڑھنے لگا تھا۔

صبح ڈھلتے ہی بھارتیوں نے پھر گولہ باری شروع کر دی---

وہ اتنا بے پناہ بارود پھونکنے کے بعد شاید حیران رہ جاتے تھے کہ ابھی تک قائد او۔پی پر پاکستانی زندہ موجود ہیں۔

ڈیڑھ گھنٹہ قیامت ڈھاتے گزر گیا---

گولہ باری تھم گئی---

کمانڈوز نے مورچوں سے سر باہر نکال لئے---

اب وہ دشمن کے متوقع پیدل حملے کے منتظر تھے جلد ہی ان کی امیدیں پوری ہونے لگیں۔ بھارتی تازہ نفری کے ساتھ حملہ آور ہوئے تھے۔

اس مرتبہ ان کی طرف بڑھنے والے اندھا دھند گولیاں بھی برسا رہے تھے---

لیکن---

نائب صوبیدار عطا محمد آہنی فصیل کی طرح تن کر کھڑا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو للکارتے ہوئے کہا۔

"یہ جبرالٹر کا قلعہ ہے---

دشمن اس کی فصیلوں سے سر پھوڑ تا پھوڑ تا مر جائے گا۔

خبردار--- جیتے جی دشمن کو یہاں قابض نہ ہونے دینا۔ ہم نے آخری سانس تک اس او۔پی کا دفاع کرنا ہے---"

ان کی زبان سے نکلا ایک ایک لفظ شیر دل کمانڈوز کے دلوں پر نقش ہو رہا تھا۔ جب بھی لڑائی میں وقفہ آتا وہ اپنے جوانوں کو قرآنی آیات سنانے لگتے---ان کے جذبہ جہاد کو مہمیز لگاتے رہے---

72 گھنٹوں کی مسلسل بیداری نے جوانوں کے ذہنوں اور جسموں کو اپنی جکڑ میں ضرور لیا تھا لیکن انہوں نے ہار نہیں مانی تھی---

وہ مستعد تھے---

تیار بر تیار تھے---

دشمن کو ایک لمحے کے لئے انہوں نے اپنی کسی کمزوری کا احساس نہیں ہونے دیا تھا---

دشمن کا یہ حملہ بھی پسپا ہو گیا---

آٹھ دس لاشیں چھوڑ کر وہ پھر اپنے بنکروں میں دبک کر بیٹھ رہا---

اپنی خفت مٹانے کے لئے دشمن نے پھر گولہ باری شروع کر دی لیکن ان کے گولے فولادی سینوں والے ان کمانڈوز کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے کیونکہ انہوں نے اپنے مورچے چٹانوں کے پیچھے اس طرح بنائے ہوئے تھے کہ دشمن سے کافی حد تک محفوظ رہ سکیں۔

گیارہ بجے دن دشمن نے دوسرا حملہ کیا---

اس مرتبہ بھی اس کا حشر پہلے حملوں سے مختلف نہیں ہوا۔ نائب صوبیدار عطا محمد نے اپنے توپخانے سے بھارتی پیدل دستوں کے سروں پر آگ برسائی اور وہ ایک ایک کر کے جہنم واصل ہوتے گئے---

اس مرتبہ دشمن کا نقصان پہلے دونوں حملوں سے زیادہ ہوا تھا۔ ایک مرتبہ پھر وہ پندرہ بیس لاشیں چھوڑ کر واپس بھاگا۔

نائب صوبیدار عطا محمد کو اپنے وائرلیس سیٹ پر بھارتی افسروں کی گالیاں صاف سنائی

دے رہی تھیں جو وہ اپنے جوانوں کو دے رہے تھے۔

وہ انہیں بار بار غیرت دلا کر آگے بڑھنے کے لئے تیار کرتے لیکن آگے بڑھنا ان کے بس میں تب تک نہیں تھا جب تک یہاں ایک بھی کمانڈو زندہ موجود تھا---

دشمن کی بے پناہ گولیوں کے جواب میں پاکستانی جیالے صرف نشانے میں آنے پر ان پر فائرنگ کرتے اور ہر حملے کا مثبت نتائج حاصل کر لیتے---

اس مرتبہ دشمن واپس نہیں بھاگا اپنے افسران کی گالیاں کھانے کے بعد وہ نزدیکی چٹانوں کے پیچھے چھپ کر فائرنگ کرتے رہے۔

○

بھارتیوں کو اس حقیقت کا علم تھا کہ قائد او۔پی تک اب کوئی کمک نہیں پہنچ سکتی---

اور---وہ سوچتے تھے کہ آخر کب تک یہ چار پانچ گوشت پوست کے انسان ان کا مقابلہ کرتے رہیں گے---

وہ ہر نئے حملے پر تازہ نفری میدان میں لاتا تھا گذشتہ 72 گھنٹوں سے وہ فولادی عزائم رکھنے والے ان شیر دل جیالوں کی گولیاں ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔

یہ اندازہ دشمن نے لگا لیا تھا کہ جب تک ان کی گنوں میں گولیاں موجود ہیں۔ یہ پسپائی اختیار نہیں کریں گے---

اور---ہتھیار ڈالنے کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا۔

گذشتہ چار دنوں سے وہ اپنی پوسٹ "انڈیا تھری" اور "بابا فون لا" کے دوسرے پہلو سے "قائد او۔پی" تک جانے والے راستے اور رسوں پر مسلسل آتش و آہن برسا رہے تھے---

اس دوران انہوں نے رسد پہنچنے کے تمام راستے عملاً مسدود کر دیئے تھے۔ اب اس بات کا تو سوال ہی نہیں اٹھتا تھا کہ صوبیدار عطا محمد اور ان کے ساتھیوں تک کسی بھی

طرح کی امداد پہنچ پائے---

نائب صوبیدار صاحب اپنے وائرلیس سیٹ پر اپنے کمانڈنگ افسر سے ایک درخواست کر رہے تھے۔

"سر! ایمونیشن ختم ہو گیا ہے---ہمیں اسلحہ چاہئے"---

اور---

بھارتیوں کو یہ پیغام اپنے سیٹ پر سنائی دے رہے تھے۔

کمانڈنگ افسر کے لئے اپنے جیالوں تک کچھ بھی پہنچانا ممکن نہیں رہا تھا۔ کمک کے تمام راستے مسدود تھے---

کمانڈنگ افسر دل مسوس کر رہ جاتے۔

برفانی طوفان نے اس طرف کسی انسان کی جنبش بھی ممکن نہیں رہنے دی تھی۔

پوسٹ سے او۔پی کا رابطہ مکمل کٹ چکا تھا

رسے کٹ گئے تھے---

پوسٹ اور او۔پی کے درمیان ان رسوں سے زندگی کا رابطہ بندھا تھا--- جب یہ طنابیں کٹیں تو گویا ان کی رگیں ہی کٹ گئیں---

اب دشمن اور ان کے درمیان صرف دو ہی چیزیں حائل تھیں۔

عزت کی موت یا پھر ذلت کی پسپائی---

چک نمبر 125 ضلع سرگودھا کے نائب صوبیدار عطا محمد نے پہلا راستہ انتخاب کیا---

یہ جواں مردوں کا پہلا اور آخری انتخاب تھا---

وہ ایس ایس جی کا شیر دل جیالا تھا---

ذلت کی پسپائی کیسے اختیار کرتا؟

اس کے ساتھ عزت کی زندگی جینے اور عزت کی موت مرنے کی روایت بندھی تھی۔

اسے ایک روایت کو زندہ رکھنا تھا۔

اسے کمانڈوز کی روایتوں کا امین بنا کر اس برفیلے جہنم میں اتارا گیا تھا۔

اور---

نائب صوبیدار عطا محمد نے امانت میں خیانت نہیں کی---

سرخرو ہوا نائب صوبیدار عطا محمد---

اپنے ماتھے پر سرخرائی کا تاج سجائے۔

میر لشکر نائب صوبیدار عطا محمد نے اپنے ساتھیوں کو سیدنا امام حسینؓ کی شہادت کا
آخری منظر یاد دلایا۔

اس نے ان سے کہا ہمارے خیموں کی طنابیں کٹ چکی ہیں امداد کے راستے ختم ہو گئے--
ایک ہی راستہ باقی ہے۔

عزت کی موت اپنانے کا راستہ۔

اور---سپاہیان صف شکن نے میر لشکر کی آواز پر لبیک کہا۔

○

رات آٹھ بجے دشمن نے تازہ کمک کے ساتھ تیسرا حملہ شروع کیا---

عطا محمد شہید نے اپنے جوانوں سے کہہ دیا تھا کہ ایک گولی بھی ضائع نہ کرنا۔ اس کی
آنکھوں کے سامنے اس کے دو جوان جام شہادت نوش کر گئے تھے---

اس کے پاس اب صرف تین جواں باقی رہ گئے تھے۔ وہ خود تھا اور اس کا کبھی نہ تسخیر
ہونے والا عزم بالجزم---!

"شیر وڈے رہو"---

وہ شیر کی طرح چنگھاڑ کر اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتا جن کی جسمانی طاقت جواب
دے رہی تھی۔ جو صرف اپنی ایمانی طاقت سے یہ معرکہ لڑ رہے تھے۔

میر لشکر کے فولادی عزم نے تین سپاہیوں کو سیسہ پلائی دیوار بنا دیا تھا۔ دشمن قطار
باندھ کر آتا اور لاشیں چھوڑ کر پیچھے ہٹ جاتا---

آج دشمن نے بھی ضد کر لی تھی کہ اسے اگر سارے بھارت کی فوج بھی مروانا پڑی تو وہ
ان تین قریباً نہتے کمانڈوز کو--بے سروسامان سپاہیوں کو زیر کر کے رہے گا۔

آج دشمن کو اپنے جوانوں کی لاشوں کی پرواہ نہیں تھی---اس نے اس حملے کا تسلسل
نہیں توڑا۔ گولہ باری مسلسل جاری رہی۔

گولہ باری کی آڑ میں وہ اپنی فوجیں آگے بڑھا رہا تھا۔

لیکن---

دشمن پر نائب صوبیدار عطا محمد کی ایسی دہشت طاری تھی کہ وہ او۔پی کے نزدیک آنے
کی جرات نہیں کر رہا تھا۔

گولیاں ختم ہو رہی تھیں---

نائب صوبیدار عطا محمد نے اپنے تینوں شیروں کو حکم دیا۔

"ایک ایک گولی فائر کرو---گرنیڈ تیار رکھو"---

اب دشمن کی سینکڑوں گولیوں کے جواب میں ادھر سے چند گولیاں ہی اس کی طرف
جاتیں اور کارگر ہوتی تھیں---

رات کا آخری پہر تھا جب ایک توپ کا گولہ بہت نزدیک پھٹنے سے نائب صوبیدار عطا
محمد کی ٹانگ پر گہرا زخم آیا---

خون ان کی ٹانگ سے نکل کر برف سے سفید فرش کو رنگین کر رہا تھا۔

لیکن، اب ٹانگ کی پرواہ کسے تھی---

نائب صوبیدار صاحب تو اللہ سے اپنی جان کا سودا کرنے کے بعد میدان کارزار میں
اترے تھے۔

19جون سے وہ مسلسل دشمن کامقابلہ کر رہے تھے---

26جون کی صبح ہو گئی---

سپاہی ذوالفقار نے نائب صوبیدار کی منت کی کہ ان کی نقاہت بہت بڑھ چکی ہے وہ آرام کر لیں۔

لیکن--- نہیں، عطامحمد تینوں کے پاس باری باری جاکر انہیں ہدایات دیتے رہے---

صبح کے آٹھ بج رہے تھے سپاہی نصر اللہ کی گن میں گولیاں ختم ہو گئیں---

انہوں نے اپنے گرنیڈ نکالے اور سامنے مشین گن کی طرف پھینکے۔ مشین گن نے تباہ ہوتے ہوتے سپاہی نصر اللہ کے سینے میں کئی گولیاں اتار دیں---

ایک اور شیر منزل مراد پا گیا۔

"شاباش شیر وڈے رہو"---

نائب صوبیدار عطامحمد کی گونج سنائی دی---

اور---اللہ کے شیر ڈٹ گئے---

وہ ایک ایک گولی سنبھل سنبھل کر نشانہ لے کر دشمن پر فائر کر رہے تھے جبکہ دوسری طرف سے سینکڑوں گولیاں بیک وقت ان کی طرف لپک رہی تھیں۔

"سر۔ گن خالی ہو گئی---"

نائیک جہانزیب نے میر لشکر کو مطلع کیا۔

"نائیک جہانزیب گرنیڈ پھینکو---"

عطامحمد للکارے---

اور---جہانزیب نے راہ شہادت پر قدم رکھ دیا۔

دشمن تین اطراف سے حملہ آور ہوا تھا۔ جہانزیب کے بالکل نزدیک چھ سات سپاہی پہنچ چکے تھے جب اس نے "اللہ اکبر" کا فلک شگاف نعرہ بلند کر کے ان کی طرف گرنیڈ

اچھال دیا۔

اس کے ساتھ ہی درجنوں گولیاں نائیک جہانزیب کو منزل مراد تک پہنچا گئیں۔

سپاہی ذوالفقار کے پاس صرف ایک میگزین باقی رہ گئی تھی---

سپاہی ارشد اپنی بچی کھچی گولیاں دشمن پر فائر کر رہا تھا کہ اچانک ایک اور گولہ نائب صوبیدار صاحب کے نزدیک پھٹا ان کے سینے میں گہرا گھاؤ لگا تھا---

دونوں بازو جسم سے تقریباً الگ ہو چکے تھے---

سپاہی ذوالفقار تڑپ کر ان کے نزدیک پہنچا---

میر لشکر کے جسم سے خون فوارے کی طرح پھوٹ رہا تھا۔ لیکن وہ ہوش میں تھے---

سپاہی ارشد آخری گولیاں فائر کر رہا تھا---!

سپاہی ذوالفقار نے نائب صوبیدار صاحب کا سر اپنے زانو پر رکھ لیا اور اپنی گن سے آخری گولیاں دشمن کی طرف نکال دیں--

"ذوالفقار ایمونیشن ختم ہو گیا"--

نائب صوبیدار صاحب نے نقاہت بھری آواز میں کہا۔

"یس سر"---

ذوالفقار کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا تھا۔

مسکراہٹ نائب صوبیدار صاحب کے ہونٹوں پر جاگی انہوں نے وائرلیس سیٹ پر آخری پیغام دے دیا---

"سر! ہمارے پاس ایمونیشن ختم ہو چکا ہے--- ہم آخری سانس تک لڑیں گے---

خدا حافظ"---

اور سلسلہ ٹوٹ گیا۔

ارشد کی گن بھی خالی ہو گئی تھی۔

زخمی حالت میں وہ اپنے میر لشکر کے حضور حاضر تھا۔

عطامحمد شہید نے آخری مرتبہ آنکھیں کھول کر ان کی طرف دیکھا اور ذوالفقار کو جھکنے کا اشارہ کیا۔

شاید کچھ کہنا چاہتے تھے۔

لہو روتی آنکھوں والا کمانڈو ذوالفقار گوش بر آواز تھا۔

"میرے بچو! اسلحہ ختم ہو گیا---زندہ دشمن کے ہاتھ نہیں آنا--قیدی نہیں بننا--"

آخری حکم دے کر میر لشکر نے آنکھیں موند لیں---

قرآنی آیات کا ورد کرتے ہوئے انہوں نے اپنی جان جان آفرین کو سونپ دی۔

○

رات کے سائے طویل ہونے لگے تھے---

اس طرف سے مزاحمت کے مکمل خاتمے کے بعد بھی دشمن ان سے دو سو گز دور تھا۔

اسے ڈر تھا کہیں عطامحمد شہید دوبارہ زندہ نہ ہو جائے۔

سپاہی ارشد کے زخموں اور سپاہی ذوالفقار کی آنکھوں سے خون جاری تھا---دشمن قدم بہ قدم ان کی طرف بڑھ رہا تھا---

فرسٹ کمانڈو بٹالین کی شاہین کمپنی کے زخمی اور نہتے جانبازوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور اطاعت امیر کی تعمیل کرتے ہوئے اپنے وطن کی سرزمین کی طرف پچاس گز گہری کھائی میں چھلانگ لگا دی---

قائد او۔پی پر بھارتی قبضہ ناقابل برداشت تھا---

اس سے پہلے کہ بھارتی "بلافون لا" میں طاقت کا توازن اپنے حق میں کریں بھارتیوں کو سبق سکھانے کے لئے ہیڈ کوارٹر نے بلافون لا کے شمال مغربی پہلو پر موجود بھارتی پوسٹ پر قبضہ کرنے کی منصوبہ بندی شروع کر دی۔

نائب صوبیدار عطامحمد اور ان کے ساتھیوں کی شہادتوں نے اس محاذ پر سرگرم جہاد ہر مجاہد کے دل میں بجلیاں بھر دی تھیں۔

عطامحمد شہید جب تک زندہ رہے جب تک ان کے ساتھیوں کے پاس ایک بھی گولی باقی تھی دشمن نے ان کے نزدیک پھٹکنے کی کوشش نہیں کی۔

دشمن قائد او۔پی تک تب پہنچ پایا جب وہاں مزاحمت مکمل دم توڑ چکی تھی اور "شاہین کمپنی" کے دو نہتے اور زخمی جانباز اپنی جانیں بچا کر نکل گئے تھے---

ان شہادتوں نے ان کے ساتھیوں کا خون گرما دیا---

اور---اس گرم خون کے سامنے سیاچن گلیشیر کی برف بھی پگھلنے لگی--

قائد او۔پی کوئی باقاعدہ پوسٹ نہیں تھی۔ صرف دیکھ بھال کے لئے ایک چوکی بنائی گئی تھی۔ ایسی پوسٹیں دفاعی جنگ کی صلاحیتیں نہیں رکھتیں دنیا بھر کی جنگوں میں او۔پی اپنا

مقام بدلتے رہے ہیں کیونکہ او۔پی پوسٹوں کو مدافعتی جنگوں کے لئے تیار نہیں کیا جاتا
وہاں تو چھپ کر دشمن کی نقل و حرکت پر توجہ رکھی جاتی ہے۔

قائد او۔پی کو جانے کے لئے مغربی سمت سے راستہ ناقابل عبور دشواریوں سے اٹا ہوا
تھا---برفانی کھائیاں تھیں یا پھر پتھریلی اور نوکدار چٹانیں---

ان کھائیوں پر ایک لمحے کے لئے پڑنے والا غلط قدم موت کی اتھاہ گہرائیوں تک لے
جاتا تھا اور چٹانیں ناقابل عبور تھیں۔

صرف برف کی ایک عمودی دیوار تھی جس کا فاصلہ پوسٹ سے او۔پی تک پچاس گز تھا۔
اس پچاس گز فاصلے کو عبور کرنا پل صراط کو عبور کرنے کے مترادف تھا۔ رسوں کی مدد
سے یہاں راستہ بنایا گیا تھا کیونکہ پاکستانی سمت سے اس طرف اور کوئی راستہ بھی نہیں
جاتا تھا۔

ان رسوں کو جب بھارتیوں نے دن رات گولہ باری کر کے جلا دیا تو او۔پی قائد بھی
پاکستانی سمت سے کٹ کر رہ گئی۔

نائب صوبیدار عطا محمد اور ان کے ساتھی اگر حملے کے آغاز ہی میں اپنی جانیں بچا کر
واپس آجاتے تو بھی کوئی انہیں شکست خوردہ فوج کے سپاہی نہ کہتا--- لیکن ان کی
غیرت ایمانی نے ان نامساعدہ حالات میں بھی پسپائی کی ذلت گوارہ نہ کی اور وہ آخری
سانس تک دشمن کے خلاف لڑتے ہوئے بامراد ٹھہرے۔

بھارتیوں کو اس کے برعکس بڑی سہولتیں حاصل تھیں---

بھارتی اپنی سمت سے قائد او۔پی تک بڑے محفوظ راستے اور زیادہ آسانی سے پہنچ سکتے
تھے کیونکہ ان کی سمت سے قائد او۔پی تک آنے والا راستہ ہموار اور قدرے آسان
تھا۔ اس طرف سے چڑھائی بھی زیادہ دشوار نہیں تھی۔

اس کے باوجود انہیں اپنے پچاس سے زیادہ جوانوں کی بلی دے کر اور سینکڑوں زخمی

کروانے کے بعد یہاں تک پہنچنا ممکن ہوا تھا۔

O

پاکستان کی طرف سے پہلے قائد او۔پی پر ہی دوبارہ قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا گیا لیکن
ناممکن العمل ہونے کے سبب اس منصوبے کو ختم کرنا پڑا کیونکہ پاکستانی سمت سے
ایڈوانس کرنے والی فوج کے جوان ہر لمحہ بھارت کی پوسٹ انڈیا تھری اور بلافون لا کے
شمال مغربی پہلو کی پوسٹوں کی زد میں رہتیں اور بے پناہ جانی نقصان کے بعد بھی یہاں
پہنچنا ممکن نہ ہوتا---

موسمی رکاوٹیں اس کے سوا تھیں---

یہاں ہر لمحے مزاج یار کی طرح موسم کے تیور بدلتے رہتے تھے۔ اگر کسی بھی لمحے کچھ
دیر کے طوفانی ہوائیں شروع ہو جاتیں تو حملے کے لئے جانے والے جوانوں کی زندہ
واپسی ہی مسئلہ بن کر رہ جاتی---

تمام جزئیات پر غور کرنے کے بعد بلافون لا سیکٹر میں انیس ہزار فٹ کی بلندی پر موجود
بھارت کی ان پوسٹوں پر قبضے کا فیصلہ کیا گیا جو سالتورو پہاڑی سلسلے کی ایک ایسی چوکی پر
بنائی گئی تھی جہاں سے اس پہاڑی کے چاروں طرف نظر رکھی جا سکتی تھی---

بھارتیوں کے لئے اس سیکٹر میں سب سے مضبوط مورچہ یہی تھا۔

بھارتی چوکی بھارت کے دفاعی نظام کا اہم حصہ تھا۔ اس چوکی پر بھارتیوں نے مضبوط
بنکر بنا رکھے تھے اور ایک چوکی کا دوسری چوکی سے رابطہ قائم رکھنے کے لئے خندقیں
کھودی ہوئی تھیں---

پاکستانی یعنی مغربی سمت سے اس طرف راستہ بڑا مشکل اور دشوار گزار تھا پہاڑ کی سطح پر
چار سے پانچ فٹ برف کی تہہ جمی رہتی تھی۔

بلافون گلیشیر سے اس چوکی تک تقریباً تین ہزار فٹ کی چڑھائی تھی۔ اس چڑھائی کو

بھارتی توپخانے کی موجودگی میں عبور کرنا قریباً ناممکن تھا کیونکہ تین ہزار فٹ کا ایک ایک انچ بھارتی توپوں کی زد میں تھا---

اس سیکٹر میں توازن برقرار رکھنے کے لئے ایک پہلو پر موجود دشمن کی ان پوسٹوں پر قبضہ ضروری ہو گیا تھا---

تمام مشکلات کے باوجود پاکستانی ہائی کمان نے یہاں قبضے کا دلیرانہ قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا بھارتی پوسٹوں تک دو طریقوں سے پہنچنا ممکن تھا۔ ایک طریقہ تو یہ تھا کہ برف کی دیوار پر مغربی اور شمال مغربی حصے سے کوہ پیمائی کے انداز میں رسوں کی مدد سے اوپر پہنچا جائے کیونکہ اس طرف سے پہاڑ کی سطح کسی قدر ڈھلوان بھی تھی---

لیکن---

ایسا سوچنا تو آسان تھا جبکہ عملاً ناممکن تھا کیونکہ دن کی روشنی ہو یا رات کا اندھیرا عمودی سطح پر جب بھی رسوں کی مدد سے چڑھنے کی کوشش کی جاتی حملہ آور بھارتی گولیوں اور گولوں کا آسانی سے شکار ہو جاتے---

تباہ کن ہتھیاروں سے لیس بھارتی مضبوط بنکروں میں بیٹھ کر آسانی سے حملہ آور فوج کا شکار کھیل سکتے تھے۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ پہاڑ کی نسبتاً ڈھلوان سطح پر محفوظ راستہ تلاش کر کے چوٹی تک رسائی حاصل کی جائے کیونکہ امید کی جاسکتی تھی کہ اس سمت سے کوئی راستہ مل جاتا--

لیکن---

انسانی جسم کو چیر کر رکھ دینے والے برفانی طوفان میں نئے راستے تلاش کرنا آسان نہیں تھا۔ اس کھیل میں بھی جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں اترا جاسکتا تھا--

تیس سے پچاس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلنے والے برفانی طوفان میں جہاں درجہ حرارت پہلے ہی نقطہ انجماد سے تیس سنٹی گریڈ کم ہو وہاں انیس ہزار فٹ کی بلندی پر

فولادی جسم والے انسان کے لئے سانس لینا بھی کار دارد ہے---

ایک دوسرے سے بات کرنے سے سانس پھول جاتی ہے--

ان حالات میں اپنی پیٹھ پر چالیس تا پچاس کلوگرام اسلحہ اور راشن باندھ کر دشمن کے مورچوں تک پہنچنا کسی رومانوی خواب کا حصہ تو ہو سکتا ہے عملی دنیا میں ایسا کم ہی ممکن دکھائی دیتا ہے۔

لیکن---

یہ دنیا کے عام انسان نہیں تھے---

یہ تو وہ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص اعزازات سے نوازنے کے لئے انتخاب کیا تھا۔ پاکستانی فوج کی وعلیٰ قیادت نے ان تمام دشواریوں کے باوجود دشوار گزار پہاڑی راستوں کی مشکلات کو عبور کر کے دشمن کے مورچے تباہ کرنے کا عزم کر لیا---

انہیں شمن کو اس صدی کا سب سے خطرناک سرپرائز دینا تھا---

اچانک اور بھرپور حملہ کرنا تھا---

یہی ان کی کامیابی کی کلید تھی۔

یہاں صرف جسمانی قوت ہی کافی نہیں تھی۔ مکمل اور مضبوط ایمان کی بھی ضرورت تھی۔ جرات وشجاعت کی اعلیٰ ترین روایات کے امین ان جانبازوں کو اپنے مقصد میں پختہ یقین اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر ان کے ایقان نے ہی انہیں بہترین فوج کے بہترین سپاہی بنایا تھا۔

ان مردان صف شکن نے دنیا کی ناممکن تاریخ لکھنی تھی--اس تاریخ کا حصہ بنا تھا جو قوموں کا فخر ہوا کرتی ہے۔

○

22 ستمبر کی رات صدق وصفا کے ان پیکروں کی ریاضتوں اور مجاہدوں سے عبارت ہے

جو پاکستان کی سلامتی کے امین تھے---

اس رات اللہ کی بے شمار نعمتوں کا نزول ہوا---

اس رات پاک فوج کی اعلیٰ قیادت نے اللہ کے حضور گڑگڑاتے ہوئے عاجزی کرتے ہوئے مدد کی جو درخواستیں روانہ کی تھیں ان کو پذیرائی مل گئی۔

اللہ کی نصرت آ گئی---

22 ستمبر کی رات ساڑھے دس بجے حکم ملا "اللہ کا نام لے کر آگے بڑھو اور دشمن کو تباہ کر ڈالو" سپیشل سروس گروپ کی چار پلٹنیں اس حملے میں ہراول دستے کا کام کر رہی تھیں---

ایک کمپنی فوری امداد کے لئے ریزرو میں رکھی گئی تھی---

سپلائی اور انتظام والفرام کا وقت طلب فریضہ ناردرن لائٹ انفنٹری اور سندھ رجمنٹ نے ادا کرنا تھا---

دونوں کی جانفشانیوں۔ عظمتوں اور ہمتوں کو سلام

O

ہراول دستے کی دو پلٹنیں رزم حق و باطل کے لئے رات ساڑھے دس بجے راہ شہادت پر گامزن ہوئیں۔

انہیں خاموشی سے چھپ کر دشمن کے نزدیک پہنچنا، ان کی پوسٹوں اور بنکروں کا جائزہ لے کر (ریکی کرنا) ان کی بناوٹ اور محل وقوع سے آگاہ کرنا تھا۔ ان اطلاعات کی بنیاد پر ہی حملے کا سارا منصوبہ تکمیل پاتا۔

حملے کی تیاریوں میں اولین اہمیت دشمن سے متعلق معلومات کو دی گئی تھی۔ ان معلومات کے حصول کے بعد ہی ایڈوانس اجتماع گاہوں میں موجود حملہ آور فوج نے روبہ عمل ہونا تھا۔

بھارتی توپوں اور جنگ میں کام آنے والے تمام ہتھیاروں اور گولہ بارود کا ذخیرہ کرنے کا وقت طلب فریضہ سندھ رجمنٹ اور این ایل آئی نے انجام دیا---

ان رجمنٹوں نے انیس ہزار فٹ کی بلندی تک راشن اور گولہ بارود پہنچانا تھا---

رات کی تاریکی، برف باری کا طوفان، اجنبی اور جان لیوا راستے جہاں قدم قدم پر اندھی اور گہری برفیلی کھائیاں اپنے منہ پھاڑے انہیں ہڑپ کرنے کے لئے موجود تھیں--- ان راستوں پر چل کر انہوں نے حملہ آور سپاہ کو راشن، ایمونیشن اور ضروریات کی دوسری چیزیں ہی سپلائی نہیں کرنی تھیں بلکہ زخمیوں اور شہیدوں کو بھی نکال کر پیچھے محفوظ مقامات تک لانا تھا---

ہراول دستوں اور حملہ آور افواج کے ہر جوان اور افسر نے تیس تا چالیس کلووزن اٹھا کر دشمن پر یلغار کرنی تھی۔

انہیں کم از کم چوبیس گھنٹے تک اپنے وسائل پر بھروسہ کرنا تھا---

پہلی دونوں پلٹنیں تائید ایزدی کے ساتھ اپنی پناہ گاہوں سے نکلیں اور سپیشل سروس گروپ کے یہ جانباز دشمن کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس کے بالکل قریب اس کے مورچوں تک پہنچ گئے۔

انہوں نے اپنے فرائض کمال جرات سے ادا کئے اور دشمن کے بنکروں، حفاظتی نظام اور خندقوں کا رات کے برفیلے اندھیروں میں جائزہ لینے کے بعد مکمل معلومات پہنچائیں۔

23 ستمبر کا سارا دن انہوں نے دشمن کے نزدیک برفیلی چٹانوں کی اوٹ میں چھپ کر گذارا اور اس کے تمام نقل و حرکت کا جائزہ لیتے رہے۔

22 ستمبر کی ساری رات 23 ستمبر کا سارا دن اور رات بھی انہوں نے دشمن کی گنوں کے بالکل نیچے انتہائی غیر محفوظ چٹانوں کی اوٹ میں بسر کی۔

O

24 ستمبر آ گئی--

24 ستمبر کی صبح گزر گئی اور اب منصوبے کے اگلے حصے پر عمل شروع ہوا۔ دشمن کے ساتھ "دھوکے کی چال" چلنے کے لئے "قائداو۔پی" پر ایک محدود حملہ کیا گیا۔ اس حملے سے دشمن کی توجہ قائداو۔پی کی طرف مبذول ہو گئی اور اس کو یقین ہونے لگا کہ پاکستانی فوج قائداو۔پی پر حملہ کرنے والی ہے۔

اس طرح دشمن کے شبہات کو تقویت دیتے ہوئے اس کی توجہ بانٹ دی گئی اور اس نے قائداو۔پی کو بچانے کے لئے اپنی منصوبہ بندی کے تحت اپنا توپخانہ ادھر منتقل کرنا شروع کر دیا۔

24 ستمبر کی رات کو باقی دونوں پلٹنوں نے اپنے سفر کا آغاز کیا اور پہلے سے موجود پلٹنوں سے آن ملیں۔

22 ستمبر کی رات سے ایس ایس جی کے جانباز منفی بیس ڈگری سنٹی گریڈ سردی برف باری اور انیس ہزار فٹ کی بلندی پر کھلے آسمان تلے دشمن کی توپوں کے سامنے موجود تھے۔ 24 ستمبر کی رات دشمن کو حملہ آوروں کی خبر ہو گئی جس کے ساتھ ہی جانبازوں کو حملے کا حکم دے دیا گیا---

کھلے آسمان تلے، دشمن کے بنکروں کے سامنے موجود غازیوں نے پہاڑ کی ڈھلان پر دشمن کے دس سے پندرہ گز کے فاصلے پر بنے تین بنکروں پر تین سمتوں سے حملے کا آغاز کر دیا۔ پہلی پلاٹون کے جوانوں کو ہراول دستے کی طرف سے حملے کی سعادت نصیب ہوئی۔ انہوں نے کمال جانبازی کا مظاہرہ کرتے ہوئے محفوظ بنکروں میں موجود دشمن پر یلغار شروع کی۔

تھری کمانڈو بٹالین کے کیپٹن سالک چیمہ اپنی پلاٹون کی قیادت کرتے ہوئے ان کے

عقب میں حملہ آور ہوئے۔

کیپٹن سالک چیمہ برفانی چیتے کی طرح چٹانوں کو پھلانگتے ہوئے دشمن کے بنکروں کی طرف بڑھ رہے تھے۔

ابراہیم کمپنی کے نائیک صفت محمد ان کے پہلو میں موجود تھے اور کیپٹن صاحب کے ساتھ ساتھ دشمن کی طرف یلغار کر رہے تھے۔

توپخانہ قیامت کی گولہ باری کر رہا تھا---

پاکستانی حملہ آوروں کے بالکل سامنے کھلے میدان میں ہونے کی وجہ سے بھارتیوں نے اپنے پاس موجود ہر قسم کے اسلحے سے ان پر آتش و آہن کا سیلاب بہانا شروع کر دیا۔

نائیک صفت محمد نے زخمیوں اور شہیدوں کو محفوظ مقام تک پہنچانا تھا۔ اور وہ کپتان صاحب کے شانہ بشانہ دشمن کی طرف لپک رہے تھے۔

اچانک کپتان صاحب کی نظر سپاہی میر باز پر پڑی جو شدید زخمی ہو چکا تھا۔ دشمن کے کسی گولے نے جو اس کے نزدیک پھٹا تھا سپاہی میر باز کے منہ کو بہت زخمی کر دیا تھا۔ اس کے کانوں۔ منہ اور ناک سے خون بہہ رہا تھا اور آنکھوں میں خون آنے کی وجہ سے شاید اسے ڈھنگ سے دکھائی بھی نہیں دے رہا تھا۔

اس کے زخموں کو دور سے دیکھنے کے بعد یہی اندازہ ہوتا تھا کہ میر باز زندہ نہیں بچ سکتا۔ درد کی شدت سے وہ تڑپ رہا تھا۔

گولیاں زخمی کے گرداگر داولوں کی طرح برس رہی تھی۔ کیپٹن سالک کے لئے یہ منظر ناقابل برداشت تھا۔

وہ برفانی چیتے کی طرح اپنے جگہ سے لپکے اور زقند بھر کر میر باز کے نزدیک پہنچ گئے۔

"سر--- مجھے چھوڑ دیجئے-- آپ......"

"نو"---

انہوں نے میر باز کی بات سختی سے ٹوک دی۔

میر باز نے اندازہ کر لیا تھا کہ یہ کیپٹن صاحب ہیں لیکن اس کی غیرت گوارا نہیں کرتی تھی کہ اسے بچانے کے لئے کیپٹن صاحب شہید ہو جائیں شاید اسے خود سے زیادہ اپنے کپتان صاحب کی فکر تھی---

لیکن---

سالک چیمہ کو قدرت نے بہت بڑے منصب سے نوازنے کے لئے منتخب کر لیا تھا۔ یہ بات شاید سپاہی میر باز نہیں جانتا تھا---

کیپٹن چیمہ نے برق رفتاری سے اسے اٹھایا اور نزدیکی محفوظ چٹان کے پیچھے لٹا کر نائیک صفت محمد کو حکم دیا کہ اسے ابتدائی طبی امداد دے کر پیچھے پہنچا دے---

اسی دوران ان کے گرد گولیاں بارش کے قطروں کی طرح برس رہی تھیں لیکن گولیوں کی بوچھاڑ میں بھی کیپٹن سالک چیمہ نے اپنے ماتحت اور ساتھی کو نظر انداز نہیں کیا۔

کیپٹن صاحب ایک ایک جوان کے نزدیک پہنچ کر اس کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ وہ اپنے جوانوں سے زیادہ پھرتی اور تیزی کے ساتھ برفانی ڈھلوان کو چاٹتے دشمن کے مورچے کی طرف بڑھ رہے تھے---

ان کی لپک، جھپک پر ان کے جوان ہی نہیں، آسمان بھی داد و تحسین کے ڈونگرے برسا رہا تھا۔

سپاہی علی کوثر نے کپتان کے پہلو کو سنبھالا دونوں دشمن کے ایک بنکر کی طرف لپکے اچانک ہی ایک گولہ ان کے درمیان پھٹا اور دونوں تیزی سے لڑھکتے ہوئے سو فٹ گہرائی میں چلے گئے۔

کیپٹن سالک چیمہ جلد ہی سنبھل کر گہرائی سے نکل گئے جبکہ علی کوثر اس اندھی کھائی میں پھنس گیا تھا۔

لیکن---

انہوں نے کمال جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے قیامت کی اس گولہ باری میں سپاہی علی کوثر کو برف کی قبر سے نکال لیا۔

سپاہی علی کوثر نے دیکھا منفی دس ڈگری سینٹی گریڈ میں بھی کیپٹن سالک کا جسم پسینے سے شرابور تھا اس نے اپنی زندگی میں اتنا تنومند، مضبوط اور پھرتیلا انسان نہیں دیکھا تھا۔

کیپٹن سالک کی جرات نے ان کے ساتھیوں کو دیوانہ بنا دیا تھا وہ تمام جنگی احتیاطیں بالائے طاق رکھے دشمن کے بنکروں کی طرف یلغار کر رہے تھے۔

برق رفتاری کا یہ عالم تھا--

شوق شہادت انہیں یوں کشاں کشاں منزل مراد کی طرف لئے جا رہا تھا۔

تمغہ شہادت کو ماتھے کا جھومر بنانے کی اتنی جلدی تھی کہ کیپٹن سالک چیمہ اپنے جوانوں کے ساتھ ہراول دستے کی پہلی پلٹنوں سے بھی آگے نکل گئے---

اچانک دشمن کی توپ کا ایک گولہ ان کے قریب ہی موجود سپاہی اقبال کے سر میں لگا اور وہ جام شہادت نوش کر گئے۔

کپتان صاحب نے للکار کر حکم دیا کہ شہید کو پیچھے پہنچا دو اپنے جوانوں کا حوصلہ اونچی آواز سے بڑھا کر انہیں آگے بڑھتے رہنے کا حکم دیا---

نائیک کریم داد اور سپاہی ساجد کے ساتھ اب وہ دشمن کی پوسٹ کے بالکل نزدیک پہنچ گئے تھے۔

دشمن کی پوسٹ وہاں سے بمشکل تیس گز دور تھی---

اس پوسٹ میں موجود مشین گن حملہ آوروں کے لئے بے پناہ مسائل پیدا کر رہی تھی۔

نائیک کریم داد اور سپاہی ساجد نے اپنے کپتان صاحب کے پہلو سنبھالے ہوئے تھے جن کی عقابی نگاہیں دشمن کی پوسٹ پر لگی تھیں۔

سامنے سے اتنا شدید فائر آرہا تھا کہ اب ایک انچ بھی آگے بڑھنا ممکن نہیں تھا۔ لیکن کیپٹن سالک چیمہ آگے بڑھنے کے لئے آئے تھے۔

جب آگے بڑھے تو پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ نائیک کریم داد اور سپاہی ساجد کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب انہوں نے دیکھا ان کے کپتان صاحب اپنی جگہ سے برفانی چیتے کی طرح زقند بھر کے آگے نکلے۔

ان کے ہاتھ میں ہینڈ گرنیڈ موجود تھا--

نائیک کریم داد اور سپاہی ساجد ان کے تعاقب میں لپکے-- دشمن ان پر اندھا دھند گولیاں برسا رہا تھا۔

لیکن--- یہاں رکنے والا تھا کون---

کیپٹن سالک چیمہ نے نعرہ مستانہ بلند کیا اور بنکر کے بالکل نزدیک پہنچ کر اس پر گرنیڈ پھینک دیا۔

کپتان صاحب کے گرنیڈ نے مورچے کا بڑا حصہ تباہ کر دیا۔ کیپٹن سالک چیمہ تیزی سے مورچے کی طرف لپکے۔ مورچے سے بمشکل چار پانچ گز کے فاصلے پر اچانک مشین گن کا پورا برسٹ ان کے کشادہ سینے میں سما گیا--

کپتان سالک چیمہ پیٹھ کے بل گرے--

ان کی گردن ابھی تک تنی ہوئی تھی--

آنکھیں دشمن کے مورچے کی طرف لگیں تھیں---

وں پر کلمہ طیبہ کا ورد تھا---

آسمان سے حور و ملائکہ ان کی طرف لپک رہے تھے۔

اور---

ان کے ساتھیوں کے دیکھتے ہی دیکھتے کپتان صاحب کو خلد بریں کی حوروں نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا۔

ایسا خوبصورت

ایسا سجیلا

ایسا بانکا اور ایسا جیالا، جانباز اسی اعزاز کا مستحق تھا۔

کیپٹن اقبال حملہ کرنے والی ہراول دستے کی پلاٹونوں میں شامل نہیں تھے--شہید کیپٹن محمد اقبال حملہ آور پلاٹونوں کی مدد کے لئے جانے والی کمپنی کی ایک پلٹن کی کمانڈ کر رہے تھے--

راہ شہادت پر گامزن ہونے سے دو روز پہلے جب ان کے جانباز بلافون گلیشیر پر جمع ہوئے تو انہوں نے اسلامی روایات کے مطابق ان سے مختصر خطاب کیا---

انہوں نے فرمایا!

"ہم زندگی اور موت کا معرکہ سر کرنے جا رہے ہیں۔ یہ آپ سب کو جان لینا چاہئے کہ ہم مادر وطن کی سلامتی، اسلام کی عظمت و سربلندی کے لئے کافروں سے نبرد آزما ہونے والے ہیں۔ اس راہ میں اگر شہادت نصیب ہو جائے تو یہ اللہ کا ہم پر انعام ہو گا کیونکہ حق کی سربلندی کے لئے کٹ جانا دراصل ابدی زندگی پا جانے کا نام ہے--فتح ہمیشہ حق کو حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس راستے پر ثابت قدم رکھے۔ مشکل میں صبر و تحمل اور جرات ایمانی کے مظاہرے کی توفیق عطا فرمائے---
اب آپ سب تیاری کریں--"

جوان تیاری میں مصروف تھے جب عزم و عمل کے پیکر اس مرد مومن نے اپنے حوالدار نور محمد کو اپنے پاس بلایا۔

"یس سر"--

نور محمد مستعد تھا۔

"نور محمد یار میرے ذمے لنگر کے کچھ پیسے واجب الادا ہیں۔"

انہوں نے بڑے عجیب سے لہجے میں کہا۔

نور محمد کا دل دہل گیا۔

اس نے کپتان صاحب کی طرف دیکھا جن کے چہرے پر نورانی ہالہ نمایاں ہونے لگا تھا۔
یوں تو کیپٹن اقبال پانچ وقت کے، نماز اور ایسے پرہیزگار تھے کہ جن کی مثالیں دی جاتی تھیں--لیکن اس لمحے نجانے کیوں حوالدار نور محمد کو یہ بات عجیب سی لگی۔

"سر! آپ ایسا نہ کہئے۔"

بمشکل حوالدار نور محمد نے کہا۔

"نہیں نور محمد--مسلمان کو ہمیشہ آگے کی تیاری مکمل رکھنی چاہئے--خیر! میں نے اپنی وصیت میں سب کچھ لکھ دیا ہے۔"

انہوں نے سنجیدہ لہجے میں کہا

اور---

حوالدار نور محمد اپنا دل مسوس کر رہ گیا۔

وہ اس مرحلے پر اپنے کپتان صاحب سے متعلق ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا-یہ بات تو وہ جانتا تھا کہ خوف اس اللہ کے بندے کو چھو کر نہیں گزرا--اس کی جرأت ایمانی اور استقامت کے مظاہرے وہ اس سے پہلے بھی دیکھ چکا تھا--

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ کیپٹن اقبال کے دل میں جذبہ شہادت ہمیشہ موجزن رہتا ہے اور وہ

دفاع وطن کے لئے جان سے گذر جانے پر ہمیشہ تیار رہتے ہیں---

اس سب کے باوجود اس کے لئے یہ تصور ہی بڑا جان لیوا تھا کہ اس کے کپتان صاحب شہید ہو جائیں۔

نور محمد کا دل بھر آیا---

کیپٹن اقبال نے شاید اس کے جذبات کا اندازہ لگا لیا تھا اس لئے انہوں نے بات کا رخ موڑ دیا اور مسکرا کر دوسری باتیں کرنے لگے--

"او۔ کے جوانوں کو فان ان کرو"---

انہوں نے بالآخر حوالدار نور محمد سے کہا۔

O

جوان "فان ان" ہو گئے۔

کیپٹن اقبال نے بارہ جوان اپنے ساتھ روانگی اور دشمن پر حملے کے لئے منتخب کئے تھے گو کہ ان کی پلاٹون کا ہر جوان اس مشن پر ان کے ساتھ جانے کا شدید خواہش مند تھا لیکن انہیں فی الوقت اتنے ہی جوان درکار تھے۔

اقبال جب اپنے ساتھیوں کا انتخاب کر رہے تھے تو ان کی نظر اچانک ایک کم سن سپاہی پر پڑی یہ سپاہی یوسف تھا---

یوسف اس پلاٹون کا سب سے کم عمر سپاہی تھا اس نے ابھی اپنی تربیت بھی مکمل نہیں کی تھی اور جذبہ جہاد سے سرشار یہاں چلا آیا تھا--

کیپٹن اقبال اپنے ایک ایک جوان کی خبر رکھتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ گذشتہ کچھ دنوں سے یوسف کو بخار بھی ہو رہا ہے اس کی طبیعت ناساز ہے۔

"یوسف-- تم رک جاؤ۔ ابھی تم بچے ہو۔ تمہاری تو تربیت بھی مکمل نہیں ہوئی اور تم بیمار بھی ہو۔ زندگی میں ایسے اور بہت سے مرحلے آئیں گے"---

کیپٹن اقبال نے بات مکمل ہی کی تھی کہ سپاہی یوسف کی آنکھیں بھر آئیں۔

"سر۔ خدا کے لئے مجھے نہ روکیں۔ میں جوان ہوں۔ مسلمان ہوں۔ اپنی مرضی سے یہاں آیا ہوں۔ مجھ میں کیا کمی ہے۔ میں آخری دم تک آپ کے ساتھ رہنا چاہتا ہوں سر!"

اس نے جذبات سے رندھی اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

خدا جانے سپاہی یوسف کی آواز میں کیا جادو تھا کہ اقبال خاموش ہو گئے۔ انہوں نے حوالدار نور محمد کو کہا کہ سپاہی یوسف کو بھی حملہ آور پلاٹون کا حصہ بنالو---

24 ستمبر کی شام کیپٹن محمد اقبال شہید نے راہ شہادت پر اپنے سفر کا آغاز کیا---

آغاز سفر سے پہلے میر لشکر نے سپاہیان صف شکن سے پھر خطاب کیا۔ اپنے مختصر خطاب میں انہیں اس مشن کی عظمت اور مسلمان ہونے کے ناطے اپنے فرائض سے آگاہ کیا۔ پھر ان سے گویا ہوئے۔

"جتنا ایمونیشن اٹھا سکتے ہو اٹھالو-- یاد رکھو ہماری زندگی اور دشمن کی موت کا سامان یہی ایمونیشن ہے---"

اس کے بعد ہینڈ گرنیڈ کا بکس کھولا۔

ایک ایک جوان کو اس کے حصے کے ہینڈ گرنیڈ ان پر کلمہ طیبہ پڑھ کر دیتے رہے۔ جس کے بعد قرآنی آیات کی تلاوت کی اور اللہ کے شیروں کو اذن رخصت عطا کیا--

اپنے ہاتھوں ان کی بندوقوں پر جمی برف صاف کرتے رہے۔ ہر ایک کی ایمونیشن کٹ خود چیک کی۔ ایک ایک جوان کے پاس جا کر اس کا حوصلہ دوچند کیا۔ ان کے دلوں میں قہر اور آنکھوں میں بجلیاں بھرنے کے بعد انہیں کلمہ طیبہ کا ورد کرنے کا حکم دیا اور اس ورد کے ساتھ ہی رخت سفر باندھا۔

O

رات آٹھ بجے کیپٹن اقبال کی کمان میں جانفروشوں کا یہ قافلہ جانب منزل چلا--
گھنٹوں کا فاصلہ منٹوں میں طے کرتے کیپٹن اقبال کے جانباز دشمن کی پوسٹ کے نزدیک ہوتے جارہے تھے---

پوسٹ کے نزدیک چاروں طرف موت اپنے پورے شباب پر رقصاں تھی۔ گولے سروں پر پھٹ رہے تھے اور گولیاں ساون کی بارش کی طرح برس رہی تھیں۔

خون منجمد کرنے والی سردی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا اوراب آسمان پر بادل بھی امنڈتے دکھائی دے رہے تھے جو اس بات کا اشارہ تھا کہ کسی بھی لمحے موسم مزید قہرناک ہو سکتا ہے---

اچانک برف باری کی شدت میں اضافہ ہو گیا---

کیپٹن اقبال سب سے آگے چل رہے تھے۔ برف ان کے قدموں تلے بچھتی چلی جارہی تھی اور ان کے قدموں سے جو راستہ بن رہا تھا اس راستے پر مجاہدین صف شکن کا سفر جاری تھا۔ کیپٹن اقبال چند گز چلنے کے بعد اپنے پیچھے قطار میں آتے ساتھیوں کا جائزہ ضرور لے لیتے جب کوئی جوان شدید برف باری یا ناہموار راستے کی وجہ سے ڈگمگاتا تو کیپٹن اقبال خود آگے بڑھ کر اسے سہارا دیتے اور اس کا حوصلہ بڑھاتے تھے---

انہوں نے ہموار راستہ طے کر لیا تھا اب پہاڑ کی عمودی چڑھائی شروع ہو گئی تھی--
زیادہ اونچائی پر آکسیجن کی کمی کی وجہ سے ان کے سانسوں کی آواز بھی صاف سنائی دینے لگی تھیں-- چند قدم چلنے کے بعد انہیں تازہ دم ہونے کے لئے رک کر ستانا پڑتا تھا عام حالات سے وہ بہر حال دگنی رفتار سے چلتے چلے جارہے تھے---

کیپٹن اقبال قدم قدم پر ان کا حوصلہ بڑھارہے تھے۔

ان کو آنے والے معرکے کے لئے ذہنی اور جسمانی طور پر تیار کر رہے تھے۔ ان کی باتوں اور قرآنی آیات نے غازیوں کے سینوں میں الاؤ دہکا دیئے تھے--

چڑھائی چڑھتے ہوئے ان کا سانس پھولنے لگا تھا۔ پیاس سے حلق میں کانٹے چبھنے لگے تھے۔
دو تین جانبازوں نے چاہا کہ اپنی بوتلیں کھول کر حلق میں پانی کے دو دو گھونٹ انڈیل لیں۔

لیکن---

ان کی بوتلوں میں پانی جم چکا تھا---

اس مرحلے پر ان کا میر لشکر کام آیا۔

کیپٹن اقبال نے اپنی جیکٹ کے اندر پانی کی ایک بوتل اسی خدشے سے محفوظ رکھی تھی کہ پانی جم نہ جائے۔ جیکٹ کی گرمی نے پانی جمنے نہیں دیا تھا۔

انہوں نے مجاہدوں کے حلق میں دو دو گھونٹ پانی انڈیلا لیکن خود ایک گھونٹ بھی نہیں پیا-- پھر اپنے جوانوں کے بضد ہونے پر دو گھونٹ پانی حلق میں انڈھیل لیا جس سے ان کے خشک حلق کو کچھ سکون نصیب ہوا---

دشمن کی گولہ باری میں شدت آتی جارہی تھی---

برف کی سفید چادر پر بارود کے کالے نشان رات کو بھی بڑے واضح دکھائی دے رہے تھے دشمن کی گولہ باری سے برف پر پھٹنے والے گولوں سے اندھی کھائیاں جنم لے رہی تھیں۔ یہ کھائیاں بارودی سرنگوں سے زیادہ خطرناک تھیں۔

ایک غلط قدم پڑنے کا مطلب تھا برف کی اندھی قبر میں زندہ دفن ہو کر اپنی موت کا انتظار کرنا۔

ایک ایک قدم احتیاط کا متقاضی تھا۔

O

ہراول دستے کی دوقتوں پلاٹونیں دشمن پر ٹوٹ پڑی تھیں۔

اقبال کی پلاٹون ابھی محفوظ تھی کیونکہ وہ عقب میں آرہے تھے۔ دشمن کو اب حملہ آور

دکھائی دینے لگے تھے اس نے اس ایریا میں ڈیپلائے اپنی تمام گنوں کا فائر یہاں گرانا
شروع کر دیا تھا۔
محفوظ اور مضبوط بنکروں میں اسلحے کے ڈھیر کے ساتھ موجود دشمن کے لئے یہ حملہ اتنا
اچانک تھا کہ اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے---
ان کے کمانڈروں کی وائرلیس پر مدد کے لئے جانے والی درخواستیں صاف سنائی دے
رہی تھیں--
بے پناہ فائرنگ کے باوجود وہ اپنے توپخانے کی بیٹریوں سے مزید فائر مانگ رہے تھے
جواب میں ان کے بیٹری کمانڈر انہیں گالیاں دے کر بتاتے کہ اتنا فائر تو ایک بریگیڈ کے
حملے کے لئے بھی زیادہ ہوتا ہے جتنا وہ ان مٹھی بھر حملہ آوروں کے لئے پہلے سے کر
رہے ہیں۔
دشمن کی بدحواسی بڑھتی جا رہی تھی۔
کیپٹن اقبال سے پلاٹون کمانڈر نے وائرلیس پر رابطہ کر کے رپورٹ مانگی۔ اس دوران
کیپٹن اقبال نے دیکھ لیا تھا کہ دائیں طرف سے حملہ کرنے والی پلاٹون دشمن کی مشین
گن فائرنگ کی زد میں آ گئی تھی اور تین کمانڈوز یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش کر
چکے تھے۔
"سر! ہم دائیں جانب سے آگے نہیں جا سکتے۔ دشمن کا بنکر ہم سے صرف تیس گز دور
رہ گیا ہے-- لیکن بنکر تک جانے والا واحد راستہ مشین گنوں نے کور Cover کر رکھا
ہے۔ میں دوسری طرف سے حملہ کرتا ہوں"---
کیپٹن اقبال نے رپورٹ دے کر اپنے جوانوں کو جنگی ترتیب میں اپنے پیچھے آنے کا حکم
دیا اور ایک چھوٹا سا چکر کاٹ کر دشمن کی طرف لپکے۔
اچانک ہی ایک گولا ان کے نزدیک پھٹا اور اس کے ٹکڑے کیپٹن اقبال کی ٹانگ میں آن

لگے---
کاری زخم لگا تھا۔ کیپٹن صاحب کی ٹانگ سے خون جاری ہو گیا--
یہ خون ان کے بوٹوں میں پہنچ گیا۔ ان کی ٹانگ خون میں بھیگی صاف دکھائی دے رہی
تھی۔
دشمن قیامت کی آگ برسا رہا تھا---
کیپٹن اقبال نے دیکھا ان کے دو اور جوان شہید ہو چکے تھے۔ کیونکہ بنکر کی طرف جانے
والے ہر راستے کے ایک ایک انچ پر دشمن گولہ باری کر رہا تھا۔
پھٹنے والے گولے کے ٹکڑوں نے شیر دل کپتان کی ٹانگ کو ایک طرح سے ناکارہ ہی کر
دیا تھا لیکن ان کی ایمانی قوت جسمانی کمزوری پر غالب آ گئی۔
کیپٹن صاحب نے للکار کر اپنے چار جوانوں کا حوصلہ بڑھایا اور راکٹ لانچر اپنے کندھے
سے لگائے چاروں جوانوں کے ساتھ بنکر کی طرف بڑھنے لگے۔
وائرلیس میں اچانک زندگی نے جنم لیا۔ متفکر کمانڈنگ آفیسر کرنل عتیق اعوان ان سے
تازہ صورتحال دریافت کر رہے تھے۔
"سر! سب اچھا ہے-- ہم آگے بڑھ رہے ہیں۔"
شدید زخم کی وجہ سے مسلسل بہنے والے خون نے شہید کی آواز میں نقاہت پیدا کر دی
تھی۔ کمانڈنگ آفیسر کا دل دہل گیا تھا۔
"اقبال تمہاری آواز صاف نہیں آ رہی--- تمہیں کچھ ہوا تو نہیں-- تم ٹھیک تو ہو--
اقبال تم ٹھیک تو ہو"---
ان کی تشویش بڑھنے لگی تھی۔
"سر! آپ بے فکر رہیں۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ یہاں فائرنگ بہت زیادہ ہو رہی ہے
ممکن ہے آپ کو آواز صاف سنائی نہ دے رہی ہو--- ہم آگے بڑھ رہے ہیں سر!"

کیپٹن اقبال نے کہا---

O

شدید گولہ باری اور ہر طرح کے اسلحے سے ان کی سمت ہونے والے فائر نے انہیں ایک چٹان کی اوٹ میں رکنے پر مجبور کر دیا۔

"سر! آپ کا زخم--- آپ کا خون بہت بہہ رہا ہے سر"

ان کے ساتھی کے لئے اپنے افسر کی حالت ناقابل برداشت ہو رہی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ ہم دشمن کے بنکر کو ختم کر لیں پھر اطمینان سے پٹی کر لیں گے۔"

انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے ان کے ہونٹوں پر جو ملکوتی حسن جاگا اس سے یہی محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کوئی آسمانی مخلوق ہیں---

رات ڈھلنے لگی تھی---

دشمن اور ان کے بنکر کے درمیان برف کی ایک عمودی دیوار حائل تھی-- سامنے کا منظر واضح ہو رہا تھا۔

شیر اچانک اپنی کچھار سے نکلا اور شکار پر لپکا---

کپتان صاحب نے اپنی کمر سے بندھا رسہ کھولا اور برف کی دیوار پر پھینک کر ہک پھنسالیا۔

ان کے ساتھی پھٹی پھٹی آنکھوں سے ان کی جرأت ایمانی کا مظاہرہ دیکھ رہے تھے ساری رات کیپٹن اقبال کی ٹانگ سے خون بہتا رہا تھا۔

لیکن---

کیا مجال جوان کے پائے ثبات میں ذرا سی بھی لغزش آئی ہو۔

دیوار پھلانگنے والے وہ سب سے پہلے کمانڈو تھے۔

اپنے شیر دل کمانڈر کے عقب میں دو کمانڈوز دیوار کی طرف بڑھے لیکن بمشکل پندرہ

گز دور موجود دشمن کے سیکر سے آنے والے مشین گن کے فائر نے انہیں مزید آگے بڑھنے کی مہلت نہ دی اور انہوں نے اپنی جانیں جان آفرین کو سونپ دیں۔

اقبال نے جواب بنکر سے پندرہ گز دور رہ گئے تھے اپنے ساتھی سے جو اوپر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا تھا راکٹ لانچر لے کر بنکر کی طرف راکٹ فائر کیا جس سے بنکر کا سامنے والا حصہ تباہ ہو گیا---

اقبال اور آگے بڑھ گئے---

دو اور جیالے ان سے آن ملے تھے۔ تینوں نے اپنے کپتان صاحب کی شیر دلانہ للکار پر دشمن کی طرف بڑھنا شروع کیا---

ایک اور غازی شہادت کے مرتبے پر سرفراز ہو گیا کیونکہ بنکر سے دوسری مشین گن نے ان پر آگ برسانی شروع کر دی تھی۔

اب اقبال اور ان کا ایک اور ساتھی باقی رہ گئے تھے۔ کیپٹن اقبال نے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے دشمن کے مورچے کی طرف بڑھا---

مورچے سے ان کا فاصلہ اب پانچ گز رہ گیا تھا۔

دونوں کمانڈوز شیروں کی طرح چنگھاڑتے ہوئے دشمن کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اقبال کا ساتھی دشمن پر گولیاں برسا رہا تھا اور اقبال راکٹ لانچر سے فائر کر رہے تھے عین ان لمحات میں جبکہ دو چار ہاتھ لب بام رہ گیا تھا دشمن پر بوکھلاہٹ طاری ہو گئی---

وائرلیس پر ان کے پوسٹ کمانڈر کی آواز سنائی دی۔

"پاکستانی ہمارے سروں پر پہنچ گئے ہیں۔ ہمارے چاروں طرف وہ دکھائی دے رہے ہیں ہم انہیں روک نہیں سکتے۔ ایس۔ او۔ ایس، ایس۔ او۔ ایس"۔

بزدل دشمن نے بوکھلاہٹ میں آخری پیغام نشر کر دیا تھا--- انہوں نے ہنگامی اور انتہائی مدد مانگ لی تھی۔

ایس۔ او۔ ایس کا مطلب تھا کہ ان کے مورچوں پر فائرنگ کی جائے۔ یہ انتہائی خطرناک فیصلہ ہوتا ہے اور کوئی بھی فوج آخری لمحات میں ایسا فیصلہ کرتی ہے---

شاید دشمن اپنے سروں پر گولہ باری کروا کر یہاں سے فرار ہونے کے لئے مدد مانگ رہا تھا

یونٹ کمانڈر کی اس اپیل نے ان کے فیلڈ کمانڈر کو بھی بوکھلا دیا اور اس نے اپنے بچے کھچے جوانوں کو بچانے کے لئے بالکل مورچوں کے اوپر فائر گرانا شروع کر دیا۔

اچانک ہی ایک گولہ مورچے سے بمشکل تین گز دور موجود کیپٹن محمد اقبال کے نزدیک پھٹا اور ان کے سارے بدن کو رنگین کر گیا---

اقبال رک گئے---

وقت کی نبضیں تھم گئیں---

وہ اپنے ابدی سفر پر روانہ ہو چکے تھے۔

روح قفس عنصری سے پرواز کر کے جنت کی طرف اپنے سفر کا آغاز کر چکی تھی۔

سیاچن گلیشیر سے آسمان کی وسعتوں تک ان کے لئے بنے استقبالی راستے پر کیپٹن محمد اقبال شہید اپنے سینے پر شہادتوں کے سرخ پھول سجائے۔ اپنے گلے میں کامرانیوں کی مالا ڈالے عازم سفر تھے---

لیکن---

ان کے راکٹ لانچر کا رخ اب بھی دشمن کے مورچے کی طرف تھا---

دشمن کی ائر برسٹ اس کے مورچوں پر پھٹ رہے تھے۔ مورچے خالی ہو رہے تھے۔

دشمن پسپائی اختیار کر رہا تھا---

اس کے آخری بنکر سے ایک کپکپاتی آواز وائرلیس پر سنائی دے رہی تھی۔

"سر! بنکر کے ہر طرف پاکستانی موجود ہیں۔ میرا یہاں رکنا ممکن نہیں رہا--میں......"

آواز خاموش ہو گئی---

یہ دلیرانہ حملہ پاکستانی ہی نہیں دنیا بھر کی جنگی تاریخ کا حصہ بن چکا ہے جب دنیا کی کسی فوج نے جس کے پاس کوئی باقاعدہ مونٹین ڈویژن بھی نہیں، نہ ہی جس کے جوانوں کو ماضی میں کبھی برفانی علاقوں اور اتنی بلندی پر لڑنے کی تربیت دی گئی ہو۔ ایک تربیت یافتہ اور اپنے سے آٹھ گنا زیادہ اسلحی اور عددی برتری رکھنے والی فوج پر اس وقت حملہ کر کے کامیابی حاصل کی جب دشمن محفوظ اور مضبوط بنکروں میں خود کو ناقابل تسخیر جان کر بیٹھا ہوا تھا۔

اس حملے میں حصہ لینے والا ہر جوان ساری قوم کی طرف سے تحسین کا مستحق ہے!

یوں تو اس جنگ نے جو دنیا کی سب سے اونچے پہاڑوں کی چوٹیوں پر منفی چالیس تا پچاس ڈگری سینٹی گریڈ میں لڑی جا رہی ہے انسانی شجاعت اور جواں مردی کی سینکڑوں مثالیں قائم کی ہیں۔

لیکن---

اس محاذ جنگ پر ہونے والی بعض لڑائیوں میں پاکستانی جوانوں اور افسران کے کارناموں نے دنیا بھر کے ماہرین حرب وضرب سے داد و تحسین حاصل کی ہے--

"بلافون" سیکٹر کے اس جہاد میں جس پامردی اور جرأت سے پاکستان آرمی کے ان دونوں کپتانوں نے جانوں کے نذرانے پیش کئے ایسی مثالیں دنیا کی جنگی تاریخ میں خال خال ہی ملتی ہیں۔

انہوں نے حملوں کی قیادت ہی نہیں کی ہر نازک مرحلے پر اپنے جوانوں کو آگے جھونکنے کی بجائے خود اس خطرناک مہم کو سر کیا۔

کیپٹن محمد اقبال شہید نے روانگی سے پہلے اپنی وصیت لکھ دی تھی جس سے بآسانی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ شہادت کی کس قدر تڑپ رکھتے تھے---

کیپٹن سالک جمیہ نے اپنے زخمی جوانوں کو جو دشمن کی فائرنگ میں پھنس چکے تھے اپنے

کندھوں پر اٹھا اٹھا کر انہیں محفوظ مقامات پر پہنچایا---

ان دونوں کپتانوں کو جتنا خراج تحسین پیش کیا جائے وہ کم ہے--

سلامتی ہو ان ماؤں پر کہ جن کے سپوت پاکستان آرمی ہی نہیں اس ملک کا فخر بن گئے۔

مبارک باد اور لکھ لکھ ودھائیوں کے حق دار ہیں وہ باپ جن کی تربیت نے ان پاکبازوں کو پروان چڑھایا۔

قوم کے ان قابل فخر فرزندوں کو لوریاں سنا کر شاہراہ حیات پر گامزن کرنے والی بہنوں کی منتظر آنکھیں اس دنیا میں تو انہیں نہیں دیکھ پائیں گی--

لیکن---

انہیں یہ تشفی ضرور حاصل ہے، یہ سکون ضرور ان کا اعزاز ہے کہ ان کے پیارے عظیم المرتبت عہدوں پر فائز ہو کر جنت مکانی ہوئے اور اب وہ سب وہاں اکٹھے ہوں گے۔

مارچ 89ء کی ایک سہ پہر---!

چھومک سیکٹر کے گیانگ گلیشیر پر قائم بھارتی انتظامی کیمپ سے آگے قریباً بائیس ہزار فٹ بلند چوٹی کے جنوب مشرقی پہلو میں موجود انڈین آرمی کے "گنگا بیس" پر ریڈ الرٹ ہو چکا تھا۔

اس وقت یہاں بھارتی فوج کے تمام سینئر افسران جمع تھے اور ان کی حفاظت کے پیش نظر بھارتیوں نے اردگرد اپنی پوسٹوں پر سنتریوں کی تعداد معمول سے تین گنا زیادہ کر دی تھی۔

سہ پہر کے چار بج رہے تھے۔

موسم کھلا تھا اور پرواز کے لئے انتہائی موزوں ہونے کی وجہ سے یہاں موجود افسران کو یقین تھا کہ چند منٹ کے اندر ہی ان کے کمانڈنگ افسر کا ہیلی کاپٹر یہاں پہنچنے والا ہے۔

گنگا بیس پر موجود ایک سولہ بائی سولہ کے کمرے کو جس کی دیواریں اور چھت لکڑی اور ٹین سے بنانے کے بعد اسے خاکی اور سبز رنگ کے جال سے کیموفلاج کیا گیا تھا کمانڈنگ افسر کی آمد سے پہلے ہی میٹنگ روم میں تبدیل کر دیا گیا---

بریگیڈئر چوہدری اپنے جونیئرز کے ساتھ کمرے کے باہر آسمان کی طرف نظریں اٹھائے دیکھ رہے تھے جب ان کے وائرلیس آپریٹر نے قریباً بھاگتے ہوئے ان کے

نزدیک پہنچ کر اس کی طرف اپنی کمر پر بندھے وائرلیس سیٹ کا فون پکڑا دیا۔

"سر---"

اس نے صرف ایک ہی لفظ کہا اور بریگیڈئر مسٹر چوہدری سب کچھ سمجھ گیا۔

اس نے فون اپنے کان سے لگایا دوسری طرف ہیلی کاپٹر کا پائلٹ لائن پر تھا---

اس سے بمشکل دو منٹ گفتگو کرنے کے بعد بریگیڈئر چوہدری نے فون واپس اپنے وائرلیس آپریٹر کی طرف بڑھا دیا۔

"جنرل آگیا ہے"---

اس نے انگریزی میں اپنے ماتحتوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

سب ماتحت خواہ مخواہ کھڑے کھڑے تن گئے۔

"ایزی جنٹل مین" Easy Jantelman

اس نے اپنے دائیں ہاتھ کھڑے کرنل ملہوترہ کی طرف مسکرا کر دیکھا جس نے جنرل کی آمد کے اعلان پر ہی اپنا سگریٹ جس کے وہ ابھی بمشکل دو تین کش لے پایا تھا زمین پر پھینک کر اپنے بوٹ کی ایڑی سے بجھا دیا۔

کرنل ملہوترہ جس کے اعصاب تن گئے تھے زبردستی مسکرا کر خود کو نارمل کر رہا تھا--

"جاؤ اور میٹنگ روم چیک کرو۔ مجھے ہر چیز اپنی جگہ پر موجود چاہئے۔ تمام نقشے مناسب جگہ موجود ہوں۔"

بریگیڈئر نے دوبارہ اسی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"یس سر"---

تن کر کھڑے ہوتے ہوئے کرنل ملہوترہ نے کہا اور چل دیا۔

وہ تقریباً بھاگ کر میٹنگ روم میں داخل ہوا تھا جس کے باہر ہر ممکن جگہ پر جنرل کی آمد کے پیش نظر مورچہ بند فوجی موجود تھے۔

بریگیڈئر چوہدری نے فسٹ کماؤں رجمنٹ کی ایک پوری کمپنی کو یہاں حفاظتی ڈیوٹیاں سنبھالنے کا حکم دیا تھا اور یہاں سے دور دور تک بھارتی جوان پہرہ دیتے دکھائی دے رہے تھے۔

آج صبح ہی سے "گنگا بیس" پر معمول کی سرگرمیاں ہو رہی تھیں البتہ کرنل ملہوترہ اب تک پانچ مرتبہ حفاظتی انتظامات چیک کر چکا تھا۔

کمرے میں داخل ہو کر اس نے وہاں موجود میجر اور دو کپتانوں کی طرف دیکھا۔ "ہر چیز آل رائیٹ ہے سر"

اس کا عندیہ بھانپتے ہوئے میجر نے کہا۔

کمرہ مکمل گرم تھا---

یہاں معمول سے دوگنا تعداد میں تیل سے جلنے والے ہیٹر رکھے گئے تھے اور دیواروں پر اس محاذ کی ایک ایک تفصیل کے ساتھ نقشے موجود تھے---

"او۔کے"---

کرنل ملہوترہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

اور---باہر آگیا۔

فضا میں ہیلی کاپٹر کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ دو ہیلی کاپٹروں کے درمیان تیسرے ہیلی کاپٹر میں کمانڈنگ افسر موجود تھا۔

O

بریگیڈئر چوہدری اور اس کے ساتھیوں کی نظریں ہیلی کاپٹر پر اس وقت تک ٹکی رہیں جب تک پہلا ہیلی کاپٹر لینڈ نہیں کر گیا۔

بریگیڈئر چوہدری اور اسکے ماتحت نزدیک قطار باندھے کھڑے تھے۔ دونوں ہیلی کاپٹر فضا میں چکر کاٹتے رہے۔

یہ گن شپ تھے جن کے پہلوؤں میں لگی گنیں واضح دکھائی دے رہی تھیں۔

جنرل اشوک مہتہ ہیلی کاپٹر سے برآمد ہوا اور اپنے استقبال کے لئے آنے والے بریگیڈئر چوہدری سے ہاتھ ملانے کے بعد دوسرے افسران سے بھی باری باری مصافحہ کرنے لگا۔

جنرل کے پیچھے پیچھے چلتے تمام افسران میٹنگ روم کی طرف جا رہے تھے۔ اس اثنا میں دوسرے گن شپ ہیلی کاپٹر بھی وہاں لینڈ کر گئے تھے۔

اس میٹنگ میں موجود ہر افسر کو اس بات کا شدت سے احساس تھا کہ آج جنرل مہتہ کی آمد کا مقصد کیا ہے۔

"بلافون لا" میں پاکستان کے جوابی حملے اور بھارتی بنکروں کی تباہی نے اس محاذ کے کمانڈنگ آفیسر کو ناراض اور پریشان کر رکھا تھا کیونکہ نتائج جنرل کی توقع کے بالکل برعکس برآمد ہوئے تھے---

اور---

اب اس حملے کو دو سال ہونے کو آئے تھے ابھی تک بھارتی سورمے کوئی جوابی کارروائی نہیں کر سکے تھے۔ جنرل مہتہ چاہتا تھا کہ کمانڈ چھوڑنے اور ریٹائرمنٹ سے پہلے اپنے ساتھ کوئی نہ کوئی اعزاز لے کر جائے جبکہ ابھی تک سوائے مایوسی کے اور کچھ ہاتھ نہیں آیا تھا۔

انہوں نے اس درمیان کچھ محدود حملے ضرور کئے تھے لیکن جواب بہت سخت موصول ہوا تھا اور اب صورتحال یہ تھی کہ فیلڈ کمانڈر پاکستانی پوسٹوں پر حملے سے کترانے لگے تھے۔

جس افسر کی پوسٹنگ سیاچن میں ہوتی وہ اس کوشش میں لگا رہتا کہ جلد از جلد اسے واپس بلا لیا جائے یا پھر اپنا عرصہ تعیناتی وہ خاموشی اور اطمینان سے گذار کر واپس چلا جائے۔ ممکن ہے جنرل مہتہ خاموشی سے وقت گزارتا۔

لیکن---

چھومک سیکٹر سے اسے بڑی تشویش ناک خبریں مل رہی تھی۔

چھومک گلیشیر دراصل بلافون گلیشیر ہی کی ایک شاخ تھی۔ یہ انتہائی دشوار گذار اور سارا سال شدید سردی کی زد میں رہنے والا برف سے ڈھکا ہوا گلیشیر "بلافون لا" کے دہانے سے قریباً تین کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے اور مشرق کی سمت قریباً پانچ کلومیٹر "کوہ سالتورو" تک اس نے اپنے دامن کو پھیلا رکھا ہے۔

"کندوس" اور "بلافون" کی طرح چھومک کے دونوں پہلوؤں پر دو ہزار سے چوبیس سو فٹ تک بلند، عمودی اور دشوار گذار پہاڑ اس طویل گلیشیر کے سینے پر مضبوط کیلوں کی طرح گڑے ہوئے ہیں۔

چھومک کو سالتورو کا مشہور پہاڑی سلسلہ "گیانگ لا" اور سیاچن گلیشیر سے الگ کرتا ہے۔ اس کے جنوب میں "گیانگ لا" کا اہم درہ ہے جہاں بھارتیوں نے اپنی دفاعی پوسٹیں قائم کر رکھی تھیں۔

ان پوسٹوں تک سپلائی پہنچانے کے لئے بھارتیوں کو "سیاچن گلیشیر" اور وہاں سے "گیانگ لا" گلیشیر کے اوپر سے گزرنا پڑتا تھا۔

اور--- گیانگ گلیشیر پر بھارتیوں کی نقل و حمل جس راستے سے ہوتی تھی وہ چھومک گلیشیر کے علاقے میں سالتورو کی پہاڑی چوٹیوں پر موجود پاکستانی پوسٹوں کی زد میں تھا---

O

جنرل مہتہ کے سامنے نقشے پر نشانات لگانے کے علاوہ ایک بڑی میز پر سرخ اور سبز رنگ کے چھوٹے چھوٹے بلاکس کے ذریعے ساری پوزیشنیں موجود تھیں۔

صورتحال واقعی پریشان کن تھی--- کیونکہ پاکستانیوں نے اس علاقے سے ان کی سپلائی کے راستے بند کر دیئے تھے۔

اب یہاں موجود پوسٹوں کو صرف ہوائی جہازوں کے ذریعہ سپلائی ممکن تھی۔
لیکن --- موسم کی عموماً خرابی کی وجہ سے اکثر ایسا ممکن نہیں ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ
جہاں ہوائی جہاز یا ہیلی کاپٹر سپلائی پھینکتے تھے وہ "ڈراپنگ زون" اکثر پاکستانی "دیدبانوں"
کی عقابی نظروں میں آجاتے تھے۔

ایسے متعدد واقعات ہوئے جب "ڈراپنگ زون" میں گرنے والا ان کا سامان اٹھانے
کے لئے جو بھارتی جوان وہاں تک پہنچے وہ پاکستانی توپوں کے گولوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔
بریگیڈئر ملہوترہ جنرل مہتہ کو ساری صورتحال سمجھا رہا تھا۔

"یس مسٹر ملہوترہ --- مجھے صورتحال کی سنگینی کا شدت سے احساس ہے۔ اسی لئے میں
آپ کی خدمت میں حاضر بھی ہوا ہوں۔ میری ناقص رائے میں ان پاکستانی پوسٹوں کو
ختم ہونا چاہئے" اس نے قدرے طنزیہ اور کاٹ دار لہجے میں میز پر رکھی لمبی چھڑی کو
بلاکوں کی مدد سے نمایاں کی گئی پاکستانی پوسٹوں پر رکھتے ہوئے کہا۔

بریگیڈئر ملہوترہ کٹ کر رہ گیا---

اس کا جی تو چاہتا تھا کہ ابھی دل کا غبار نکال لے کیونکہ وہ انتہائی نامساعدہ حالات میں
پاکستانیوں کی طرف سے ہونے والے حملوں کا مقابلہ کر رہے تھے جنرل صاحب ان
کے زخموں پر نمک پاشی کرنے آگئے تھے۔

"جوانوں کا مورال کیسا ہے"---

اچانک ہی جنرل مہتہ نے عجب سا سوال داغ دیا۔

اور---

بریگیڈئر ملہوترہ نے اسے مطمئن کرنے کے بجائے صحیح صورتحال بتانا ضروری سمجھا۔

"سر With all due Respect --- میں معذرت سے کہوں گا کہ صورتحال اچھی
نہیں ہمارے ڈراپنگ زون (Droping Zone) بھی ان کی گنوں کی زد میں ہیں۔ اب

تک ان پوسٹوں کا قائم رہ جانا اور جوانوں کا وہاں قائم رہنا ہی میرے نزدیک ایک بڑی
اہم کامیابی ہے"---

اس نے لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ دیا۔

"مجھے تمہارے جواب سے خوشی ہوئی مسٹر ملہوترہ --- ایک اچھے آفیسر کو واقعی صحیح
صورتحال اپنی ہائی کمان کے علم میں لانی چاہئے --- تمہارے خیال سے ان پوسٹوں کو
کیسے ختم کیا جاسکتا ہے" جنرل مہتہ نے قدرے سنجیدگی سے اگلا سوال بھی کر دیا۔

"سر! ہمارے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ پہلا طریقہ تو یہی ہے کہ ہم ان پر حملہ کریں اور
قائد۔ اوپی کی طرح قبضہ کرلیں --- لیکن یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ اب مستقبل
میں بھی انڈین آرمی اتنی زیادہ انسانی جانوں کی قیمت پر ایسا کوئی ایڈونچر نہیں کرسکتی۔
یہی وجہ ہے کہ اب تک ایسا نہیں کیا گیا --- دوسرا راستہ یہ ہے کہ ہم ان کے مقابل
نزدیک ترین پہاڑی چوٹیوں پر قبضہ کر کے اپنی پوسٹیں قائم کریں --- اس سلسلے میں ہم
نے یہ چوٹیاں مارک کی ہیں"--

کہتے ہوئے بریگیڈئر ملہوترہ نے پاکستانی پوسٹوں کے بالکل سامنے بائیس ہزار فٹ کی
بلندی پر موجود دو تین چوٹیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا---

جنرل مہتہ کی جہاندیدہ نظریں چشم تصور سے ان چوٹیوں کو حقیقی روپ میں دیکھ سکتی تھی۔

"ویل --- اگر ایسا ہو جائے تو ---؟"

اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑی --

"سر! اگر ایسا ہو گیا تو ہم نہ صرف "چھومک" بلکہ "بلافون" میں بھی پاکستانی پوسٹوں کے
عقب تک رسائی حاصل کرلیں گے۔"

بریگیڈئر ملہوترہ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

جنرل مہتہ جانتا تھا کہ پاکستانیوں نے اس علاقے کی اہمیت اور لاحق خدشات کا تدارک

آج سے تین سال پہلے 86ء میں کرتے ہوئے سالتورو پہاڑی سلسلے پر دو پوسٹیں قائم کرلی تھیں اور یہ کاروائی اچانک ہی نہیں بے حد خفیہ بھی تھی---۔

اس کی فوجوں کی اہلیت کا یہ حال تھا کہ 89ء تک انہیں چھومک گلیشیر پر قائم پاکستانی پوسٹوں اور ان پوسٹوں کو سپلائی پہنچانے کے لئے بنائے گئے بندوبستی اڈوں کا علم ہی نہیں ہو سکا تھا---

فروری 89ء کے آخری دنوں میں اچانک ہی ان کے ہیلی کاپٹروں نے یہ اطلاع دے کر انہیں پریشان کردیا جس کے بعد سے آئے روز یہاں ایک دوسرے کے ساتھ گولوں کا تبادلہ وہ کرتے رہتے تھے۔

O

"لک (Look) مسٹر ملہوترہ! مجھے ان دونوں پوسٹوں پر انڈین آرمی کا قبضہ ہر صورت چاہئے۔ بھلے اس کی کچھ بھی قیمت ادا کرنی پڑے"---

جنرل اشوک مہتہ نے دوبارہ دونوں پاکستانی پوسٹوں کے نشان پر رکھے بلاکس پر چھڑی مارتے ہوئے کہا۔

"آل رائیٹ سر"---

بریگیڈئر ملہوترا نے تن کر جواب دیا۔

"جنوب مشرق میں اس چوٹی کی بلندی 22ہزار فٹ ہے--- تمہیں اس چوٹی تک پہنچنا ہے---اس طرح تم شمالی حصے میں موجود ان کی اٹھارہ ہزار فٹ بلند پوسٹ کے سر پر بیٹھ سکتے ہو---"

جنرل نے اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانکتے ہوئے کہا۔

"Do it--(اسے کرو)"

اس نے آخر میں فیصلہ کن لہجے میں بات ختم کردی۔

بریگیڈئر ملہوترہ کا سٹاف آفیسر کونے کی ایک ٹیبل پر گرم مشروبات سجا چکا تھا۔

جنرل مہتہ اب اس طرف بڑھ رہا تھا۔

"میں تم سب کو فتح مند دیکھنا چاہتا ہوں"---

اس نے کافی کا مگ پکڑتے ہوئے وہاں موجود افسران کی طرف دیکھا۔

"You Got it سر"---

بریگیڈئر ملہوترہ نے کہا۔

شام تک کا وقت جنرل اشوک مہتہ نے ان کے ساتھ گزار کر انہیں ممکنہ بندوبست کی تفصیلات بتائیں۔

اور---

شام ڈھلنے پر وہ جس طرح آیا تھا اسی طرح دونوں گن شپ ہیلی کاپٹروں کے جلوس میں واپس چلا گیا۔

بریگیڈئر ملہوترہ نے اس رات سے جنرل اشوک مہتہ کے احکامات پر عمل کرنے کی ٹھان لی تھی۔

اور---

رات ڈھلنے پر اس نے پانچ بھارتی جوانوں کو ایک کیپٹن کی کمانڈ میں خصوصی ہدایات کے ساتھ جنرل اشوک مہتہ کے پلان کردہ منصوبے کے مطابق روانہ کردیا---

خرابی موسم اور برفانی طوفان جس کی وجہ سے پانچ دس فٹ دور تک بھی کچھ سجھائی نہیں دیتا تھا ایسے موسم کا فائدہ اٹھا کر بھارتی فوج نے اگلے تین چار روز میں "گیانگ لا گلیشیر" پر قائم اپنے انتظامی کیمپ سے آگے بائیس ہزار فٹ بلند چوٹی کے جنوب مشرق میں اپنا ایک کیمپ "گنگا" قائم کرلیا---

مارچ کے آغاز سے اپریل کے آخر تک بھارتی اس "گنگا کیمپ" میں پاکستان پر حملے کے

لئے سامان جنگ جمع کرتے رہے--

پاکستانی پوسٹوں پر حملے کے وقت کارگر اور امدادی فائر حاصل کرنے کے لئے وہ اپنی ایک "مارٹر بیٹری" اس علاقے میں لے آئے تھے۔

"گنگا بیس" میں موجود مارٹر بیٹری ہی پر انہوں نے انحصار نہیں کیا تھا وہ "گیانگ لا سیکٹر" میں موجود اپنی میڈیم توپیں اور "رنگ زولما" میں موجود سویڈن کی بڑی "بوفور توپیں" بھی اس حملے کے لئے مختص کر چکے تھے---

"گنگا بیس" اور پاکستانی پوسٹوں کے درمیان حائل پہاڑی سلسلے کی وجہ سے ان کی نقل و حرکت پاکستانی دیدبانوں کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ اس کمزوری کا فائدہ اٹھا کر انہوں نے ایک طرف تو پاکستانی پوسٹوں کو مصروف رکھنے کے لئے چھوکک گلیشیر پر قائم بند و بستی اڈوں پر توپخانے کی شدید گولہ باری شروع کروادی اور دوسری طرف "گنگا بیس" سے بائیس ہزار فٹ بلند چوٹی کی طرف بڑھنا بھی شروع کر دیا۔

O

دشمن کی مسلسل اور بھاری توپوں سے ہونے والی گولہ باری کو معمول کی گولہ باری نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ مارچ کے آخری ہفتے سے اپریل کے درمیانی ہفتے تک دشمن وقفے وقفے سے پاکستانی پوسٹوں اور بند و بستی کیمپوں پر گولہ باری کر رہا تھا جس سے اس کے عزائم واضح ہونے لگے اور یہ اندازہ لگایا گیا کہ بھارتی فوج پاکستانیوں کو مصروف رکھ کر کوئی خفیہ کارروائی اس گولہ باری کی آڑ میں کرنا چاہتی ہے۔

دھوکے کی اس چال کا جائزہ لینے کے لئے پاکستانی بریگیڈ کمانڈر نے انتہائی خطرناک فیصلہ کر لیا تھا۔

16 اپریل کو تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر پاکستانی بریگیڈ کمانڈر نے ہیلی کاپٹر کے ذریعے بائیس ہزار فٹ کی بلندی پر جا کر خود حالات کا جائزہ لینے کا فیصلہ کر لیا اور "گنگا

بیس" کے علاقے پر پرواز کرتے ہوئے بھارتیوں کی کارروائی نوٹ کر لی۔

پاکستانی بریگیڈ کمانڈر نے دیکھا بھارتیوں نے اس گولہ باری کی آڑ میں اور پاکستانی پوسٹوں کے درمیان پہاڑی سلسلے کی وجہ سے نقل و حرکت نظر نہ آنے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے چوٹی تک جانے والے پہاڑی سلسلے پر پانچ پوسٹیں گنگا، سادھو، آگرہ ون، آگرہ ٹو اور ایم جی پوسٹ قائم کر لی تھیں---

اور---

اب وہ ان پوسٹوں سے آگے پہاڑ کی سب سے اونچی چوٹی کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے--- انہوں نے بریگیڈ کمانڈر کے ہیلی کاپٹر پر مسلسل فائرنگ کی لیکن مشاق اور دلیر پائلٹ اپنا ہیلی کاپٹر بچا کر لے گیا---

صورتحال الارمنگ Alarming تھی---

بھارتیوں نے اپنی نقل و حرکت دکھائی نہ دینے کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے پوزیشن بڑی مضبوط کر لی تھی اور اب وہ بلند ترین چوٹی سے بمشکل چند گھنٹوں کی مسافت پر تھے۔

یہ وقفہ ایسا مختصر تھا کہ پاکستانی فوج کا بھارتیوں سے پہلے چوٹی تک پہنچنا ممکن دکھائی نہیں دیتا تھا۔ بریگیڈ کمانڈر کی رپورٹ نے صورتحال کی سنگینی کا سب کو شدت سے احساس دلا دیا ادھر دشمن کی جارحیت کو روکنے کے لئے فوری کارروائی کا فیصلہ کیا گیا کیونکہ ایک مرتبہ اگر وہ بائیس ہزار فٹ بلندی پر اپنی پوسٹ قائم کر لیتے تو انہیں وہاں سے واپس بھیجنا ممکن نہیں تھا---

اطلاع ملتے ہی کور کمانڈر لفٹیننٹ جنرل عمران پہنچ گئے---

فورس کمانڈر ناردرن ایریا میجر جنرل ایاز احمد اور بریگیڈئر ریاض بخاری کے ساتھ انہوں نے صلاح مشورے کے بعد فیصلہ کیا کہ بھارتیوں کو بائیس ہزار فٹ بلندی پر موجود اس چوٹی پر پہنچنے سے روکنے کے لئے فوری طور پر بھارتی پوسٹوں "سادھو" اور

"ایم۔جی" کے درمیان موجود "سیڈل" پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس طرح بھارتیوں کی پیش قدمی روکنا شاید ممکن ہو جائے۔

سیڈل تک پہنچنا بھی کاردارد تھا---

یہ راستہ انتہائی خطرناک، پیچیدہ اور بالکل اجنبی تھا۔ موسم کی ہولناکیاں اس سے سوا تھیں قدم قدم پر گہری اور اندھی کھائیاں انسانی وجود نگلنے کے لئے اپنے منہ پھاڑے موجود تھیں اور اس بات کا امکان بھی پایا جاتا تھا کہ بھارتیوں کو ان کی نقل و حرکت کی خبر ہو جائے گی اور دو پوسٹوں کے درمیان گھیرے میں آنے والے ان جانبازوں کے لئے پھر کوئی راہ باقی نہیں بچے گی۔

ان تمام خطرات کے باوجود اس مہم جوئی کا فیصلہ کر لیا گیا---

کیپٹن کوثر حبیب کی سرکردگی میں لفٹیننٹ نوید اور دس جوانوں پر مشتمل ایک جماعت کو حکم دیا گیا کہ وہ "سیڈل" کی طرف پیش قدمی کرے اور انتظامی کیمپ قائم کرلے---

16 اپریل کی شام کو اس انتہائی خطرناک سفر کا آغاز ہوا---

کیپٹن کوثر اور ان کے ساتھیوں نے اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر اپنے انتظامی کیمپ سے آگے 17 اپریل تک 17 ہزار فٹ کی بلندی پر ایک کے بعد ایک تین کیمپ "کوثرون، کوثر ٹو اور کوثر تھری" قائم کر لئے انسانی عزم و ہمت کی لازوال مثال قائم کر دی۔

کیمپ "کے تھری" سیڈل کے دامن میں قائم کیا گیا اور کیپٹن کوثر کو خراج تحسین ادا کرنے کے لئے ہی اس کیمپ کا نام ان کے نام سے منسوب کیا گیا---

اب ایک اور انتہائی خطرناک مہم کا آغاز ہوا---

اس کیمپ سے پہاڑ پر موجود "سیڈل" تک پہنچنے کے لئے اسی ڈگری کی انتہائی خطرناک اور عمودی چڑھائی تھی۔ یہ عمودی چڑھائی برف کی ایک دیوار تھی پاکستانی جوانوں نے برف کی اس دیوار پر کیل ٹھونک کر رسوں کی مدد سے "سیڈل" تک پہنچنا تھا انسانی اختیار

اور بس میں موجود تمام تر توانائیوں کو بروئے کار لا کر بھی اگلے تین دنوں میں "سیڈل" تک پہنچنا ممکن نہیں تھا جبکہ بھارتی فوجیں مسلسل چوٹی کی طرف بڑھ رہی تھیں--

O

حالات لحہ بہ لحہ نازک صورت حال اختیار کر رہے تھے۔

بے قراری بڑھ رہی تھی---

تشویش میں اضافہ ہو رہا تھا---

مضطرب افسران اور دشمن پر ٹوٹ پڑنے کے لئے بے چین جوان اس بات کا تصور بھی نہیں کرنا چاہتے تھے کہ دشمن انہیں زیر کرنے کی پوزیشن میں آجائے۔

"کے۔ تھری" سے ایک اور کوشش سیڈل تک پہنچنے کے لئے کی گئی اور پاک فوج کے تین سرفروش جیالے ناموس وطن پر قربان ہونے کے لئے عازم سفر ہوئے۔ ابھی وہ سیڈل سے دور ہی تھے جب اچانک "ایوالانچ" برفانی طوفان نے انہیں آلیا--- یہ طوفان اپنے ساتھ سینکڑوں من بھاری برف کے تودے بھی لے کر آیا تھا۔ قدرتی آفات کے آگے انسانی ہمت کی لازوال کہانیاں لکھ کر پاکستانی فوج کے تین شیر دل کپتان کیپٹن جاوید، کیپٹن فیاض اور کیپٹن جیلانی سینکڑوں من وزنی برفانی تودوں کے نیچے دب کر اپنی جان جان آفریں کو سونپ گئے--

راہ حق کے یہ شہید نوجوان تھے---

زندگی کی تمام رعنائیاں اپنے ساتھ لیے جی رہے تھے---

ان کی سجیلی جوانیاں دفاع وطن پر قربان ہو گئیں کیونکہ وہ دشمن کی برتری کا ایک لمحے کے لئے تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

زمینی راستے سے سیڈل تک پہنچنا ممکن نہیں تھا---

فضائی راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ ہوا اور ہیلی کاپٹر کے ذریعے جوانوں کو سیڈل پر

اتارنے کی کوشش کی گئی۔

لیکن---عذابناک موسم اور مناسب جگہ نہ ہونے کے سبب یہ کوشش بھی کامیاب نہ ہو سکی۔

19اپریل کو صورتحال انتہائی پریشان کن ہو گئی۔ لڑائی نتیجہ خیز مرحلے پر پہنچ گئی تھی اور پاکستانی جوانوں کو ابھی تک "سیڈل" تک پہنچانا بھی ممکن نہیں ہوا تھا---

اب جو کچھ بھی ہونا تھا صرف چند گھنٹوں میں ہو جاتا---

خاموش رہ کر صورتحال کو دیکھا نہیں جاسکتا تھا--ہر لمحہ قیمتی اور جان لیوا ہوتا جارہا تھا۔

اس مرحلے پر دنیا کی جنگی تاریخ کا انتہائی خطرناک فیصلہ کیا گیا۔

میجر جنرل ایاز، بریگیڈئر بخاری، لفٹیننٹ کرنل نقوی اور آرمی ایوی ایشن کے فلائٹ کمانڈر میجر حسنین مہدی کے درمیان اس نازک مرحلے پر ہونے والی میٹنگ میں ہیلی کاپٹر کی سیلنگ(Siling) سے باندھ کر جوانوں کو دوہزار فٹ کی بلندی پر اتارنے کا فیصلہ کیا گیا۔

نائن اے۔ کے رجمنٹ کے کمانڈنگ آفیسر لفٹیننٹ کرنل نقوی اور آرمی ایوی ایشن کے فلائیٹ کمانڈر میجر حسنین مہدی تھوڑی دیر بعد میجر جنرل ایاز سے احکامات وصول کرنے کے بعد پاکستان آرمی کی شجاعتوں، کامرانیوں اور پاکبازیوں کی ایک نئی تاریخ رقم کرنے کا عزم بالجزم لئے "گیاری" پوسٹ سے باہر آگئے۔

تاریخ نے اس نازک مرحلے پر ان کا انتخاب جس کارہائے نمایاں کے لئے کیا تھا بظاہر وہ انسانی اختیار سے باہر کی بات تھی--

اس بات کا علم ان پیشہ ور افسران کو بھی تھا کہ گوشت پوست کے انسان اپنے تجربہ۔ طاقت اور تربیت کی بنیاد پر ایسے کام نہیں کر سکتے البتہ یقین کامل اور قوت ایمانی سے ایسے کرشمے ضرور انجام پاجاتے ہیں۔

کرشماتی قوتوں کے حامل یہ افسران ایک ایسا ہی کارہائے نمایاں انجام دینے جارہے تھے نائن اے۔ کے رجمنٹ کے کرنل نقوی نے اپنے جوانوں کو اکٹھا کیا اور ہائی کمان کے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا کہ جنرل آفیسر کمانڈنگ کے اس فیصلے کو انہیں ہر قیمت پر عملی جامہ پہنانا ہے---

وہاں موجود تمام افسران اور جوانوں نے آگے بڑھ کر اپنے نام رضاکارانہ طور پر اس جان کن مہم کے لئے پیش کر دیئے۔

شاندار عسکری روایات کی حامل نائن اے۔ کے رجمنٹ کے شیر دل جیالے ذوق جہاد اور شوق شہادت سے متوالے ہوئے جاتے تھے---

ان کے پاس فاتحانہ مہمات کی ایک تاریخ تھی---

71ءاور72ءمیں انہوں نے وادی لیپامیں بھارتیوں کے دنت کھٹے کئے تھے۔ آج پھر وہ اپنی روایات دھرانے جارہے تھے۔

کمانڈنگ افسر کاانتخاب تواور تھالیکن اس سے پہلے سیڈل تک زمینی راستے سے جانے کی کوشش کرنے والے لفٹیننٹ نوید کے حصے میں یہ سعادت کاتب تقدیر نے پہلے سے لکھ دی تھی۔ان کاجذبہ ایثار سب پربازی لے گیا---

لفٹنٹ نویداور نائیک یعقوب جو سپیشل سروسز گروپ سے تھے اس مہم کے لئے سرفراز ہوئے آرمی ایوی ایشن کے کیپٹن سہگل اور کیپٹن ضیاء کودوسری طرف سے منتخب کیاگیا اور بظاہر انسانی عقل کے احاطے میں نہ آنے والے عظیم ترین کارنامے کی انجام دہی کے لئے تیاریاں شروع ہو گئیں۔

دشمن فوج کی موجودگی میں آرمی ایوی ایشن کے پائلٹ ان جیالوں کواپنے ہیلی کاپٹروں کی سلنگ سے باندھ کر بائیس ہزار فٹ کی بلندی پراتارنے جارہے تھے---

O

19اپریل کی صبح نوبج کر تیس منٹ پر---

دل کی گہرائیوں سے نکلتی،لرزتے ہونٹوں سے عرش معلیٰ تک پہنچتی دعاؤں کے جلو میں کمانڈر کیپٹن سہگل اور معاون پائلٹ کیپٹن ضیاء نے اپنے "چاپر" کی سلنگ سے لفٹنٹ نوید کو باندھااور فضامیں بلند ہونے لگا---

درجہ حرارت منفی40ڈگری سینٹی گریڈ تھا---

بریفلی ہاؤس کا سینہ چیرتے ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کرتے ہیلی کاپٹر سے رسی سے بندھے لفٹیننٹ نوید کو بریفلی ہواؤں کے تھپیڑے منجمد کئے جارہے تھے۔ کیپٹن سہگل کوایک ہی فکر دامنگیر تھی کہ اس عذابناک موسم میں کیاپاکستان آرمی کا یہ نوجوان لفٹین زندہ رہ پائے گا---

چند سیکنڈ گزرنے پر وہ اپنے ہیلی کاپٹر کے (Siling Miror) سے لفٹیننٹ نوید کو دیکھ لیتا تھا۔ایک مرحلے پر تو اس کادل دھک سے رہ گیاجب اس نے عقبی شیشے میں دیکھاکہ نوید بے حس وحرکت ہے۔

سہگل تب یہی سمجھے کہ خدانخواستہ نوید منجمد ہوگیاہے---

لیکن---

یہاں صرف فوج کا نہیں دلوں کا مضبوط رشتہ بھی قائم تھا۔ سہگل کے اس قلبی اضطراب کو سلنگ سے بندھے نوید نے محسوس کرتے ہوئے اپنے چہرے سے جیکٹ کا ہڈ(Hod) اٹھانے کے لئے ہاتھوں کو حرکت دے کر مطمئن کردیا۔

نوبج کر35منٹ پر لفٹیننٹ نوید کواکیس ہزار آٹھ سوفٹ کی بلندی پر موجود اس چوٹی کے دامن میں ایک بڑی چٹان کے نزدیک اتار دیاگیا---

پانچ منٹ بعد ایس۔ایس۔جی کے نائیک یعقوب کو بھی ان کے نزدیک اتار دیاگیا---

دونوں جانبازوں کو سولہ ہزار فٹ بلندی سے اٹھاکر قریباً بائیس ہزار فٹ بلندی پر اتارا گیاتھا۔ آٹھ ہزار فٹ بلندی کافرق فوراًان کے جسم اور دماغ پراثرانداز ہونے لگا---

آکسیجن کی کمی اور اچانک اتنی زیادہ بلندی پر اترنے سے ان کو شدید سر درد کا عارضہ لاحق ہوگیا---

لیکن وہ تمام انسانی جذبات اور تکالیف سے مبراتھے---

پہاڑ کی بلند ترین چوٹی یہاں سے مزید ساڑھے تین سو فٹ بلند تھی۔ یہ ایک عمودی برفیلی دیوار تھی جسے عبور کر کے پہاڑ کی چوٹی کو سر کیا جا سکتا تھا۔

O

برفیلی اور نوکدار چٹانوں پر اپنے قدم جمانے کے بعد دونوں نے خود کو نارمل کرنے کے لئے انسانی بساط کی حد تک ہر ممکن کوشش کر ڈالی۔

دونوں نے آدھے گھنٹے کی مساعی سے ایک چٹان کی اوٹ میں اپنی پوزیشن بنائی اور لفٹیننٹ نوید نے آنکھوں سے دوربین لگا کر سامنے حالات کا جائزہ لیا۔

انہیں چوٹی تک پہنچنے کے لئے ایک خطرناک برفانی دیوار عبور کرنی تھی۔ یہاں سے بھارتیوں کی پوزیشنیں تو دکھائی نہیں دیتی تھیں۔

لیکن---

وہ بھارتی ضرور دکھائی دے رہے تھے جو چوٹی پر قبضہ کرنے کے لئے اوپر آ رہے تھے۔

نوید نے اندازہ لگالیا کہ ان کا فاصلہ چوٹی سے قریباً چالیس پچاس میٹر ہی رہ گیا ہے۔

یہ صورتحال اس کے لئے ناقابل برداشت تھی---

وہ یہاں اس لئے نہیں آئے تھے کہ دشمن کو آسانی سے چوٹی پر قابض ہونے دیں۔

انہیں دشمن کو روکنا تھا خواہ اس کے لئے اپنی جان کی قیمت ہی کیوں نہ چکانی پڑے۔

ابھی نوید یہ کچھ سوچ ہی رہے تھے جب اچانک تیز ہوائیں چلنے لگیں---

دونوں نے سامنے چوٹی کی طرف دیکھا جہاں سفید آسمان اب سیاہی مائل ہو رہا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اگلے چند منٹ بعد ہی یہاں شدید برفانی طوفان آنے والا تھا۔

دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

آنکھوں پر سیاہ عینکیں ہونے کے سبب وہ ایک دوسرے کے جذبات کو نہ جان سکے لیکن

ایک دوسرے کے اضطراب کو محسوس کر سکتے تھے۔

نوید نے اندازہ لگایا انہیں یہاں پہنچے ابھی بمشکل چالیس منٹ ہی گذرے تھے جب موسم اپنی تمام تر قہرناکیوں کے ساتھ ان پر حملہ آور ہو رہا تھا---

دونوں سنبھل کر بیٹھ رہے---

برفانی طوفان نے شدت اختیار کر لی تھی---اور اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا تھا۔

دونوں کو اس صورتحال میں یہ اطمینان ضرور حاصل تھا کہ اب اگر وہ آگے نہیں بڑھ سکتے تو اس طوفان میں دشمن کے لئے بھی اپنی جگہ سے جنبش کرنا ممکن نہیں رہا۔

انہیں اب زندہ رہنے کے لئے اپنے آپ سے ایک طویل جنگ لڑنی تھی اور اس جنگ کا آغاز ہو چکا تھا-

لفٹیننٹ نوید نے اپنے ساتھی کا حوصلہ بڑھایا۔

دونوں کو اپنی ذمہ داری اور اس مشن کی عظمت کا احساس تھا جس کے لئے وہ ہی نہیں ہیلی کاپٹر کے پائلٹ بھی جان پر کھیل گئے تھے۔

ان کی آمد کے پون گھنٹہ بعد ہی قدرت نے انہیں آزمائش میں ڈال دیا تھا۔ اس لمحے لفٹیننٹ نوید کو وہ بات یاد آگئی جو اسے بچپن میں کہیں کسی بزرگ نے کہی تھی کہ آزمائش اللہ کی سنت ہے۔

لاشعور کے کسی گوشے میں محفوظ اس بات نے اس کا حوصلہ دو چند کیا۔ نائیک یعقوب کمانڈو تھے ان کو تربیت ہی ایسے خطرناک حالات میں اپنے حواس قائم رکھنے کے لئے دی گئی تھی۔ دونوں نے خود کو نارمل رکھنے کے لئے ایک دوسرے کا حوصلہ بڑھانا شروع کیا۔

دونوں احساس ذمہ داری سے زندگی اور موت کا معرکہ لڑ رہے تھے---اور طوفان کی شدت بڑھتی چلی جا رہی تھی--

سارادن اور ساری رات طوفان کی نذر ہو گئی---

امید تھی کہ اگلا دن نارمل ہو گا۔

لیکن---

اگلے دن برفانی طوفان کا قہر اور بڑھ گیا اور بڑھتا چلا گیا۔ یہ طوفان دو دن مسلسل جاری رہا۔

ان چھتیس گھنٹوں میں ان کا زندہ رہنا کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ اسی دوران ان دونوں نے آنکھ نہیں جھپکی تھی۔

وہ تھے، ایک برفیلی چٹان تھی، ان کے ناقابل تسخیر عزائم تھے اور اللہ کی نصرت جو ان کے ساتھ شامل حال تھی۔

نوید کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس تھا۔

وہ اپنے پاس موجود چاکلیٹ زبردستی اپنے ساتھی کو کھلاتے رہے۔ بار بار اس کی خیریت دریافت کرتے رہے حالانکہ نائیک یعقوب کو خود سے زیادہ ان کی فکر دامن گیر تھی کیونکہ جسمانی طور پر وہ زیادہ مضبوط تھے۔

لیکن---

دھان پان سے اس لفٹین نے جس پامردی سے چھتیس گھنٹے بسر کئے وہ نائیک یعقوب کی زندگی کا کبھی نہ بھولنے والا تجربہ بن چکا تھا۔

ان کے برعکس بھارتی فوجیں یہاں چھ دن سے قیام پذیر تھیں۔

بھارتیوں نے خود کو موسمی حالات کے مطابق چھ دنوں میں ڈھال لیا تھا اور اپنے حفاظتی خیمے بھی گاڑ رکھے تھے ان خیموں میں موجود گرم بستروں میں دبک کر وہ زیادہ آسانی اور سہولت کے ساتھ حالات کا مقابلہ کر سکتے تھے۔

بھارتیوں نے پاکستانی ہیلی کاپٹر سے انہیں اترتے تو ضرور دیکھا تھا۔

لیکن---

وہ اس بات کا تصور نہیں کر سکتے تھے کہ چھپن گھنٹے کے طویل طوفان کے بعد دونوں زندہ بچے ہوں گے۔ کیونکہ ان چھتیس گھنٹوں میں ان تک کسی بھی مدد کا پہنچنا ممکن نہیں تھا۔

ہیلی کاپٹر کی پرواز کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا اور پہاڑ کی جس اونچائی تک انہیں ہیلی کاپٹر نے 35 منٹ میں پہنچادیا تھا وہاں پیدل فوج کا اگلے ایک ہفتے میں پہنچنا بھی ممکن نہیں تھا---

بھارتی ہراول دستوں کے کمانڈر نے جب اپنے کمانڈنگ آفیسر کو وائرلیس پر بتایا کہ دو پاکستانی ان کے سامنے بائیس ہزار فٹ کی بلندی پر ہیلی کاپٹر کے ذریعے اتر چکے ہیں تو انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

"معلوم ہوتا ہے موسمی حالات نے تمہارے ذہن پر بھی اثر ڈالا ہے۔"

اطلاع ملنے پر بھارتی کمانڈنگ آفیسر نے ہراول دستوں کے کمانڈر سے ہنستے ہوئے کہا۔

"نو سر---ابھی تک تو ایسا کچھ نہیں"---

ہراول دستے کے کمانڈر کو نجانے کیوں اس مرحلے پر اپنے کمانڈنگ آفیسر کا یہ لطیفہ پسند نہیں آیا۔

"آل رائیٹ فکر نہ کرو---تم اپنا کام جاری رکھو اور جب ان کا "چارپر" دوسرے جوانوں کو لے کر آئے تو مجھے ضرور اطلاع دینا"---

کمانڈنگ آفیسر کے لہجے کا طنز برقرار تھا۔

ہراول کے کمانڈر نے بڑے غصے سے "او۔کے سر"-- کہا تھا۔

اس کا خون کھولنے لگا تھا کہ اس کے کمانڈنگ آفیسر نے اس کی بات پر یقین کرنے کے بجائے اسے مذاق سمجھا اور اس کا تمسخر اڑایا۔

لیکن---

جلد ہی وہ نارمل ہو گیا--

اس نے سوچا اگر وہ خود کمانڈنگ آفیسر کی جگہ ہوتا اور ان حالات میں اسے کوئی ایسا پیغام ملتا تو وہ بھی پیغام دینے والے کی اس حالت پر ضرور شک کرتا کیونکہ ایسے برفانی علاقے میں اتنی بلندی پر جہاں ہر دوسری چٹان انسان اور اس کی بنائی ہر مشین کو نگلنے کے لئے منہ پھاڑے کھڑی تھی یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی ہیلی کاپٹر بائیس ہزار فٹ کی بلندی پر کسی جوان کو اپنی "سلنگ" سے باندھ کر اتار دے۔

اس علاقے میں گزشتہ تین ماہ سے خدمات انجام دینے والے کماؤں رجمنٹ کے اس کپتان کو علم تھا کہ ستر میل فی گھنٹہ کی رفتار سے اڑنے والے ہیلی کاپٹر سے اگر کسی انسان کو منفی چالیس درجے سنٹی گریڈ برفیلے موسم میں باندھ کر پرواز کی جائے اور وہ انسان گوشت پوست کا بنا ہو تو اس بات کا سوال ہی نہیں اٹھتا تھا کہ اس کی رگوں میں سردی نے خون منجمد نہ کر دیا ہو۔

لیکن---

انہوں نے اپنی آنکھوں سے دونوں کو چٹان پر اترتے دیکھا تھا---

ہراول کے کمانڈر کی تشویش بڑھنے لگی تھی---

ماضی کا تجربہ یہ بتانے کے لئے کافی تھا کہ جہاں یہ لوگ آگئے ہیں وہاں سے تب تک واپس نہیں جائیں گے جب تک ان کے جسموں میں زندگی کی رمق باقی ہے۔

وہ "قائد او۔پی" پر حملہ کرنے والے دستوں میں شامل تھا اور "سیالا" محاذ کی وہ جنگ اس کو آج دو سال گزرنے کے بعد بھی اچھی طرح یاد تھی۔

اس نے "بلافونڈلا کی لڑائی تو نہیں دیکھی تھی۔

لیکن--- اپنے ان دوستوں سے ملا ضرور تھا جو اس لڑائی کے بعد سے اکثر آرمی ہسپتالوں کے مستقل مریض بن گئے تھے۔ انہوں نے کماؤں رجمنٹ کے اس جاٹ کو

بتایا تھا کہ حملہ آور انسان نہیں کسی اور مخلوق سے تعلق رکھتے تھے---

انہوں نے قسمیں کھا کر اسے بتایا تھا کہ جو باتیں وہ مہابھارت میں کوروں اور پانڈوں سے متعلق اپنے بزرگوں سے سنتے آرہے تھے وہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے سچ ہوتے دیکھی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ اسے یقین کرنا پڑا اور اب اس کی تشویش میں اضافہ ہونے لگا تھا اسے بہترین لڑاکا فورس کے ساتھ پہاڑ کی اس چوٹی پر قبضے کا حکم دے کر روانہ کیا گیا تھا اور اب وہ چوٹی سے بمشکل چالیس میٹر کی دوری پر اس طوفان میں پھنس کر رہ گئے تھے۔

○

بریگیڈ کمانڈر آصف ریاض بخاری کو دونوں کی فکر سب سے زیادہ دامن گیر تھی---

دونوں کو "نوید ٹاپ" پر اتارنے کے فوراً بعد ہی موسم کے ایسے تیور بدلے تھے کہ ان سے اب کوئی رابطہ ہی ممکن نہیں تھا۔

دونوں کے پاس کوئی وائرلیس سیٹ نہیں تھا کیونکہ ان کے بعد اور جوانوں کو بھی ان کے ساتھ ہی اتارنے کی جنگی حکمت عملی بنائی گئی تھی---

بیس کیمپ میں موجود ہر جوان اور آفیسر متفکر تھا---

ان کے اور ان کے پیاروں کے درمیان قدرت حائل ہو گئی تھی۔ وہ بھارتی فوجیوں سے تو لڑ سکتے تھے لیکن قدرت سے جنگ مشکل تھی۔

دونوں کے لئے مسلسل دعائیں کی جارہی تھیں۔

دونوں کی سلامتی کے لئے ہر جوان اور افسر اللہ کے حضور التجائیں کر رہا تھا۔

اور---

ان کی التجائیں رنگ لے آئیں---

21 اپریل کو موسم کھل گیا---

بریگیڈ کمانڈر آصف ریاض بخاری نے تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھیں اور وہ خود اپنے
جوانوں کی خیریت جاننے کے لئے ہیلی کاپٹر میں سوار ہو گئے۔

پائلٹ ہی کو نہیں خود بریگیڈ صاحب کو بھی اس بات کا علم تھا کہ دشمن نے اس سے پہلے
ہیلی کاپٹر کو یہاں جوانوں کو اتارتے دیکھ لیا ہے اور بھارتیوں نے اب ان کے استقبال
کے لئے مناسب بندوبست کیا ہوگا۔

اس بات کے یقینی چانسز موجود تھے کہ وہ دشمن کی فائرنگ کی زد میں آ جاتے ان حالات
میں بریگیڈ کمانڈر کا خود صورتحال کا جائزہ لینے کے لئے ایسا خطرناک سفر اختیار کرنا ان کا
اپنے جوانوں سے بے پناہ محبت کا شاخسانہ ہی نہیں اس احساس ذمہ داری کا بھی عظیم
مظاہرہ تھا جو قوم نے ان کے کندھوں پر ڈال دی تھی۔

نو بجے بریگیڈئر بخاری کا ہیلی کاپٹر بلند ہوا---

بیس کیمپ میں دھڑکنے والے دل دعا بن گئے---

بڑے نازک لمحات تھے---

بڑے اعصاب شکن مراحل سے گزر رہے تھے میر لشکر اور لشکریان صف شکن--
گذشتہ بہتر گھنٹوں سے لفٹننٹ نوید اور نائیک یعقوب زندگی اور موت کی جنگ لڑ رہے
تھے فکرمند میر لشکر نے اپنی آنکھوں سے دوربین لگائی ہوئی تھی اور وہ برف کے اس
منجمد سمندر پر نظریں جمائے ہونٹوں پر دعائیں لئے اپنے افسر اور جوان کی سلامتی کے
لئے اللہ کے حضور عاجزی کر رہا تھا۔

ہیلی کاپٹر اب سفید منجمد سمندر پر موجود اس سیاہ چٹان تک پہنچ گیا تھا جو ان دونوں کا
ممکنہ ٹھکانہ ہو سکتا تھا۔

اچانک ہی برفیلی فضائیں توپوں کی گڑگڑاہٹ سے گونجنے لگیں---

ہیلی کاپٹر پر فائرنگ شروع ہو گئی تھی---

مشاق پائلٹ نے اپنے حواس برقرار رکھے۔ مضبوط قوت ارادی اس کا بہترین ہتھیار
تھی۔ اس نے اپنی بہترین تربیت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہیلی کاپٹر کو گھمایا---

پوزیشن بدلی---

اور---

اب وہ اس چٹان کے بالکل اوپر آ گیا تھا جہاں ان دونوں جانبازوں نے پچھلے بہتر گھنٹے
موت سے ایک طویل اور تھکا دینے والی جنگ لڑی تھی۔

"سر---وہ زندہ ہیں"---

اچانک ہی بریگیڈئر بخاری کو پائلٹ کی زوردار آواز سنائی دی۔

"الحمدللہ"---

انہوں نے کہا۔

اور---

پائلٹ ہیلی کاپٹر خطرناک حد تک نیچے لے آیا--

بریگیڈئر بخاری کے روئیں روئیں میں طمانیت سما گئی جب انہوں نے اپنی آنکھوں سے
لفٹننٹ نوید اور نائیک یعقوب کو ہاتھ ہلاتے دیکھا۔

"ویل ڈن---ویل ڈن"

بے ساختہ انہوں نے کلمات تحسین ادا کئے۔

بریگیڈئر بخاری نے فوراً دو وائرلیس سیٹ ہیلی کاپٹر سے "نوید ٹاپ" پر گرائے اور اپنے
جانبازوں کی جراتوں کو نذر عقیدت گذار کر واپس لوٹ آئے۔

پائلٹ کی طرف سے بیس کیمپ کو یہ اطلاع مل چکی تھی کہ دونوں بخیریت ہیں۔ اس
اطلاع نے یہاں زندگی کی ایک نئی لہر دوڑا تھی۔

تمام غازی دیوانہ وار نعرہ مستانہ بلند کرنے لگے۔

○

21 اپریل صبح 10 بجے---!

بیس کیمپ سے ہیلی کاپٹر بلند ہوا جس کی سلنگ سے کیپٹن کامران بندھے تھے--!

کیپٹن کامران کا استقبال نوید ٹاپ پر لفٹننٹ نوید اور نائیک یعقوب نے کیا۔ جس کے بعد آٹھ اور جانبازوں کو بھارتیوں کی مسلسل فائرنگ کے دوران "نوید ٹاپ" پر کامیابی سے اتار دیا گیا---

کیپٹن کامران نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر صورتحال کا بغور جائزہ لیا---

ان کی تقلید میں بھارتی بھی اپنے جوانوں کو ہیلی کاپٹر کے ذریعے اتارنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن پاک فوج کو بائیس ہزار فٹ کی بلندی پر مورچہ بند ہوتے دیکھ کر ان کے حوصلے دم توڑنے لگے تھے---

اب چوٹی تک پہلے پہنچنے کی دوڑ لگ گئی---

کیپٹن کامران نے جان لیا تھا کہ اگر بھارتی ان سے پہلے چوٹی تک پہنچے تو ساری محنت اور یہاں بہتر گھنٹے جان لیوا موسمی حالات میں گزارنے والوں کی قربانیاں ضائع جائیں گی

انہوں نے فوراً سپاہی سید جان اور نائیک اسلم کو چوٹی پر قبضہ کرنے کے لئے روانہ کر دیا۔ دونوں شیر دل غازوں نے اپنے ناقابل تسخیر عزم کے ساتھ رسوں کی مدد سے اپنے سامنے موجود سد سکندری کو بالآخر پاٹ لیا--

چوٹی پر اب پاکستانی فوج قابض ہو چکی تھی---

نائیک اسلم اور سپاہی سید جان نے دیکھا پہاڑ کے دوسری طرف سے بھارتی فوجی چوٹی سے بمشکل پچیس تیس میٹر دور رہ گئے تھے۔

دونوں نے ایک لمحہ ضائع کئے بغیر اپنے ہتھیار سیدھے کئے اور دشمن پر آتش و آہن برسانے لگے اس اچانک فائرنگ سے بھارتیوں کے دل دہل گئے۔

پہلے ہی حملے میں ان کے دو جوان مارے گئے اور کئی زخمی ہو گئے تھے۔ بھارتی فوجی فوراً چٹانوں کی اوٹ میں دبک گئے۔

انہوں نے اندازہ کر لیا کہ وہ چوٹی فتح کرنے کی جنگ ہار چکے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی کیپٹن کامران نے دو اور جوانوں کے ساتھ چوٹی کی طرف اپنے سفر کا آغاز کیا اور انتہائی جرأت ایمانی سے برف کی اس نوکیلی دیوار پر چڑھ کر اپنے ساتھیوں تک پہنچ گئے۔

کیپٹن کامران نے یہاں پہنچ کر بائیس ہزار فٹ کی بلندی پر "کامران پوسٹ" قائم کر دی۔ انہوں نے دشمن کی رہی سہی امیدوں پر برف جما دی۔

ایک کے بعد ایک جانباز کو "کامران پوسٹ" پر اترتے دیکھ کر بھارتی کمانڈر بوکھلا گیا۔
اس کے لئے اب چوٹی پر پہنچنا تو ناممکن تھا اسے اپنی اور ساتھیوں کی سلامتی کی فکر دامنگیر ہونے لگی۔

دوسرے ہی لمحے وہ وائرلیس پر کمانڈنگ افسر سے مخاطب تھا۔

"سر! ٹاپ تک کوئی راستہ نہیں جاتا۔ ہیلی کاپٹر سے بھی پہنچنا ممکن نہیں۔ پاکستانی بھی وہاں نہیں پہنچ سکتے --- ہمیں واپس آنے کی اجازت دی جائے"---

○

ناممکن کو جانبازوں نے ممکن کر دکھایا تھا---

دنیا بھر کی جنگوں میں اتنی اونچائی پر ہونے والے اس معرکے کے فاتحین نے عسکری تاریخ کی ناقابل یقین مثال قائم کر دی تھی۔

کیپٹن کامران اور ان کے ساتھیوں نے بھارتیوں کو پسپا کر کے واپس دھکیل دیا تھا اور

اب وہ انتہائی غیر یقینی کے حالات میں یہاں پوسٹ قائم کرنے جارہے تھے---

اس چوٹی پر---

بائیس ہزار فٹ کی بلندی پر فوجی پوسٹ قائم کرنا انسانی گمان سے باہر کی بات ہے۔ چوٹی تک راشن، ہتھیار، کیروسین آئل کے جیری کین، ٹینٹ اور دیگر ضروریات زندگی پہنچانا بظاہر ممکن دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

لیکن---

ناممکن کو ممکن کر دکھانے والے ان جانبازوں نے چھ گھنٹے کی جان لیوا مشقت کے بعد یہ کارنامہ بھی کر دکھایا۔

اس دوران وہ بہت سی قدرتی آفات کا شکار ہوتے رہے--

کئی جوانوں کو "فراسٹ بائٹ" ہو گیا---

کچھ غازیوں کو شدید سر درد High Altitude Skiness نے جکڑ لیا۔ اس موذی مرض کا علاج سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ مریض کو ایک لمحہ ضائع کئے بغیر پہلے سے کم بلندی پر لایا جائے۔

لیکن--- آہنی اعصاب رکھنے والے ان گوشت پوست کے انسانوں نے کوئی شکایت نہیں کی۔ کسی اضطراب کا مظاہرہ نہیں کیا۔

وہ اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ اپنے کام میں جتے رہے---

O

بھارتیوں کا جوابی حملہ کسی بھی لمحے متوقع تھا---

وہ ٹھنڈے پیٹوں اس شکست کو ہضم نہیں کر سکتے تھے۔

اور--- یہاں سب دشمن کے حملے کے منتظر اور تیار تھے-- اپنی جسمانی کمزوریوں کے باوجود وہ حرف شکایت لبوں پر نہیں لاتے تھے۔

ان نازک حالات میں کامران پوسٹ پر ایک تجربہ کار افسر کی ضرورت اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔ جو وہاں جاکر نہ صرف دشمن کی متوقع کارروائی کا منہ توڑ جواب دے بلکہ جس کی آمد سے جوانوں کا مورال اور زیادہ بڑھ سکتا---

اس مرحلے پر بریگیڈ ہیڈ کوارٹر میں بریگیڈ میجر عبدالرحمٰن بلال نے رسم بلالی نبھانے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں۔

ان کے ساتھ ہی 78 فیلڈ رجمنٹ کے کیپٹن ظفر "دیدبان" بن کر آگے پہنچے-- کیپٹن ظفر کو سلنگ کے ذریعے نوید ٹاپ پر اتارا گیا۔ جنہوں نے یہاں بیٹھ کر اپنے توپخانے کا کارگر فائر دشمن کی ارد گرد موجود پوسٹوں پر گرانے شروع کر دیا۔

میجر بلال 29 اپریل کو ہیلی کاپٹر کی سلنگ کے ذریعے "نوید ٹاپ" پر اترے اور وہاں سے کٹھن راستہ سر کر کے کامران ٹاپ پر پہنچے اور کمان سنبھال لی---

بھارتیوں کی آگرہ پوسٹ پر کامران پوسٹ غالب ہو گئی تھی، کیپٹن ظفر نے کامران ٹاپ پر پہنچ کر توپخانے سے فائرنگ کروائی بھارتیوں کے "گنگا بیس" "سادھو" اور "آگرہ II" کو ملیامیٹ کروادیا۔

اس دوران نوید ٹاپ سے بھارتیوں کی گنگا بیس اور سادھو پوسٹ کے درمیان چلنے والی پارٹیوں کی کمبختی آ گئی۔

اس راستے پر سفر کرنے والی بھارتی فوجی چھوٹے ہتھیاروں اور راکٹ لانچر کی زد میں آ چکے تھے اور ان کے لئے یہاں سفر کرنا ممکن نہیں رہا تھا--

غازیوں نے جرأت ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دنیا کی عسکری تاریخ کا ہمیشہ زندہ رہنے والا باب رقم کیا تھا۔

انہوں نے اس محاذ پر دشمن کی دم اور سر دونوں اپنے قدموں تلے کچل ڈالے تھے اب دشمن بے بس ہو چکا تھا۔

اس نے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارے۔
بے پناہ آتش و آہن برسا کر اپنی عددی اور اسلحی برتری کے بل بوتے پر چاہا کہ اپنی
شکست کا داغ دھو ڈالے--
لیکن---
ایسا ممکن نہیں رہا تھا---
پاکستانی دیدبان نے انتہائے مہارت سے توپخانے کا فائر گرا کر "گنگا بیس" کو تباہ کروا دیا
تھا---
شکست خوردہ بھارتی بڑی تیزی سے راہ فرار اختیار کر رہے تھے--
"گنگا بیس" خالی ہو گیا تھا---

کرنل چڈھا کا پارہ مسلسل چڑھتا جا رہا تھا--
غصے سے اس کے چہرے کی رگیں کھنچ گئی تھیں اور وہ کھا جانے والی نظروں سے کبھی ان
فائلوں کی طرف دیکھتا اور کبھی پاسوان کی طرف---
"حیرت ہے-- حیرت ہے کہ گزشتہ تین سال سے اس لونڈے نے ہمیں پاگل بنا رکھا
ہے۔ اس کے پرنٹ تمہارے پاس محفوظ ہیں۔ اس سکھ کے بچے نے اس کی مکمل تصویر
ڈیزائن کروا دی تھی-- اس کی بیوی نے تصدیق کی تھی-- اس کے ہمسایوں نے
تصدیق کی تھی کہ یہی وہ لڑکا ہے جس نے پرائم منسٹر ہاؤس کے باورچی گورجیت سنگھ کو
بے وقوف بنا کر اپنے کام پر لگا رکھا تھا-- اور تم لوگ ابھی تک اسے تلاش نہیں
کر سکے"---
اس نے انگارہ ایسی آنکھیں پاسوان کے چہرے پر گاڑتے ہوئے کہا۔
پاسوان کو یوں لگا جیسے اس کی آنکھوں سے نکلنے والے شعلے کسی بھی لمحے پاسوان کی
آنکھوں کے راستے اس کے سارے بدن میں اتر جائیں گے---
جب بھی وہ کرنل چڈھا سے آنکھیں ملاتا نجانے کیوں اسے اپنے اندر کچھ جلنے کا احساس
ہونے لگتا--
"لک مسٹر پاسوان-- مجھے رزلٹ چاہئے-- رزلٹ-- اور وہ بھی پازیٹو۔ مجھے یہ لڑکا

چاہئے--ہر صورت"---

اس نے اپنے سامنے دھری پردیپ سنگھ کی تصویر پر نفرت سے اپنی چھڑی کی نوک رکھتے ہوئے کہا۔

"رائیٹ سر! میں اپنی جان لڑادوں گا سر! بس ایک الجھن ہے"---

پاسوان نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا

"کیا"---

کرنل چڈھا کا لہجہ پھاڑ کھانے والا تھا۔

"سر--بریگیڈئر کول کی مسز اور بیٹی--تینوں کی الگ الگ تفتیش ضروری ہے" پاسوان نے ہمت کر کے کہہ ہی دیا۔

"اس میں رکاوٹ کیا ہے"---

چڈھا نے اس کی طرف عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے یوں سوال کیا جیسے اسے پاسوان کی ذہنی حالت پر شک رہا ہو---

"آرمی سر! ہیڈ کوارٹر والے بریگیڈئر کول سے---"

"ڈیم اٹ--پاسوان تمہاری عقل کیا گھاس چرنے گئی ہے---تم کسی فرم کے اکاؤنٹنٹ نہیں۔ "را" کے آفیسر ہو---تمہیں کسی "دیس دروھی" (ملک دشمن) کی تفتیش کے لئے آرمی سے اجازت لینا پڑے گی--اور پھر میں کیا ہوں--میں کیا ہوں--میں آرمی نہیں---"

اس نے جنونیوں کی طرح اپنے کندھے پر سجے سٹارز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

پاسوان کے لئے اس کا رویہ اب اجنبی نہیں رہا تھا۔

کرنل چڈھا کو آرمی سے یہاں "ڈیپوٹیشن" پر آئے ہوئے چار ماہ ہو گئے تھے۔ اس دوران اس نے اپنی حد تک "را" کے اس تفتیشی سیل کو "گٹاپو" بنا کر رکھ دیا تھا۔

آج تک اس نے کوئی کام رولز اینڈ ریگولیشن کے مطابق نہیں کیا تھا۔ کسی بھی مشکوک کو اس کے گھر یا راستے سے اغوا کر لینا اور شک یقین میں بدلنے پر اذیت ناک موت مارنے کے بعد اس کی لاش لاوارث پھینک دینا اس کے بائیں ہاتھ کا کھیل بن چکا تھا۔

حیرت تو اس بات پر تھی کہ کوئی اسے پوچھنے والا نہیں تھا---بلکہ جوں جوں اس کی دہشت بڑھ رہی تھی اس کا احترام بھی بڑھتا جا رہا تھا۔

ابھی پچھلے ہی دنوں اس نے جموں کشمیر سے آئے ایک مسلمان ڈی ایس پی کو جب وہ دہلی ایئرپورٹ کی طرف جا رہا تھا راستے سے اٹھا لیا تھا---

کرنل چڈھا کے کسی "سورس" Source نے اسے اطلاع دی تھی کہ اس ڈی ایس پی کے کشمیری مجاہدین سے انڈر گراؤنڈ روابط ہیں---

کشمیری پولیس کے اس ڈی ایس پی کو اس نے حکومت جموں کشمیر سے مخالفت مول لے کر اذیت ناک تفتیشی مراحل سے گذارا اور اس پر اتنا تشدد کیا کہ وہ مر گیا---

اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملا تھا کہ اس ڈی ایس پی کے کشمیری مجاہدین سے کوئی روابط ہیں---

لیکن---

وہ مارا گیا---

اور---مزے کی بات تو یہ تھی کہ کرنل چڈھا کو معمول کی سرزنش بھی نہیں کی گئی تھی--اب تو اس کے ساتھی بھی اس سے ڈرنے لگے تھے۔

اس نے "را" کے اس سیف ہاؤس کو جہاں وہ لوگ اپنا جعلی سا دفتر بنا کر بیٹھے تھے "سلاٹر ہاؤس" میں تبدیل کر دیا تھا۔

دہلی کے پوش علاقے میں بنی اس کوٹھی کے تہہ خانے کے کمرے اس نے ساؤنڈ پروف کروالئے تھے اور یہاں اپنے سامنے مشتبہ ملزموں کی تفتیش کروایا کرتا تھا۔

اس نے انسانوں کے لئے وحشیانہ تشدد کے ایسے ایسے طریقے ایجاد کئے تھے کہ بسا
اوقات اس کے ساتھی حیران رہ جاتے اس کا تعلق واقعی انسانوں کی نسل سے ہے؟

○

پاسوان بھی کوئی ایسا شریف آفیسر نہیں تھا۔

اسے پولیس سے یہاں بھیجا گیا تھا۔

پولیس میں اس کا ریکارڈ اس لحاظ سے تو شاندار تھا کہ اس نے بعض لاینحل کیسوں کی
گتھیاں سلجھادی تھیں۔

لیکن --- تھرڈ ڈگری ٹارچر میں وہ بھی کسی سے کم نہیں تھا۔

پردیپ کے لئے اسے دوسری مرتبہ کرنل سے ڈانٹ پڑی تھی اور اس نے دل ہی دل
میں قسم کھائی تھی کہ اگر پردیپ اس کے قابو زندہ آگیا تو اس کو پورے جسم کے ساتھ
کبھی کرنل کے سامنے پیش نہیں کرے گا۔

لیکن ---

سب سے پہلے تو یہ سوال اٹھتا تھا کہ وہ اسے گرفتار کیسے کرے گا؟

کہاں ہوگا وہ کمبخت پردیپ یا پرمود" ---

اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔

کرنل کے کمرے سے باہر آکر اس نے اپنے چاروں ماتحتوں کو ہنگامی میٹنگ کے لئے
طلب کر لیا تھا۔

"تمہارے پاس سو سے زیادہ تربیت یافتہ نفری موجود ہے -- سب کو ایکٹو کر دو --- یہ
تصویر ملک کے ہر اہم "پوائنٹ" پر پہنچ جانی چاہئے -- اسے ڈھونڈھو -- اسے پاتال کی
تہہ سے نکال لاؤ -- مجھے ہر صورت یہ لڑکا چاہئے -- اس کی وجہ سے میری بہت
رسوائی ہوئی ہے" ---

اس نے پردیپ کی تصاویر کا بنڈل ان کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا۔

"ہم اسے زمین کے اندر سے نکال لائیں گے سر! اگر یہ بھارت میں ہے تو بچ نہیں سکے
گا" ناگرک نے کہا۔

"ٹھیک ہے -- مجھے باتیں نہیں کام چاہئے -- ماسٹر کمپیوٹر سے اس کی تصویر کی نقلیں
تمام سٹیشنوں کے کمپیوٹرز کو فیکس کر دو -- میری طرف سے تمام سٹیشنوں کو سختی سے
ہدایت جاری کر دو کہ سب کچھ چھوڑ کر اس کے پیچھے لگ جائیں -- اس لڑکے نے
ہمیں بہت نقصان پہنچایا ہے -- اس نے ہمارے دیس کو بہت ذلیل کروایا ہے -- فوج
والے سالے اپنا سارا غصہ ہم پر نکال رہے ہیں وہ "ٹرائی ڈنٹ" Trident کی ناکامی کا
الزام ہمیں دے رہے ہیں -- جیسے ہم نے اس سالے بریگیڈئر کے بچے سے پلان لے
کر سرحد کے پار پہنچایا ہے -- (اس نے فوجیوں کو بڑی سی گالی دی) سالوں سے اپنی
لڑکیاں اور بیویاں سنبھالی نہیں جاتیں ان کے یارانوں کے نوٹس نہیں لیتے -- اور ہمیں
گالیاں دیتے ہیں" ---

اس نے اپنے فقرے کا اختتام بھی گالی کے ساتھ کیا تھا ---

اپنے چاروں ماتحتوں کو ہدایات دے کر اس نے میٹنگ برخاست کر دی اور اب اپنے
"انٹرکام" پر اس نے اپنے سب سے زیادہ قابل اعتماد ماتحت کو طلب کیا تھا ---

تھوڑی دیر بعد ہی اس کے کمرے کا دروازہ کھلا اور راہول اس کے سامنے کھڑا تھا ---

"یس سر" ---

راہول جانتا تھا کہ اس کے کمرے میں داخل ہونے کے بعد پاسوان نے کمرے کا دروازہ
اندر سے لاک کیوں کیا ہے۔

"راہول --- ایک ضروری کام آن پڑا ہے" ---

یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی دراز سے رادھیکا کول کی تصویر نکال کر اس کے سامنے رکھ

دی اور اسے بریفنگ دینے لگا---

دس منٹ تک اس نے راہول کو سارا مشن اس کی مکمل جزئیات سمیت سمجھا دیا تھا---

اور---

اب اس کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا--

"ہو گیا سر"---

راہول نے معمول کے مطابق اسے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

یہ اس کا خاص انداز تھا--

جب وہ کوئی اہم ذمہ داری اٹھاتا تو اسی طرح مسکرا کر اپنے "صاحب" کو بڑے تیقن سے کامیابی کی پیشگی اطلاع دیا کرتا تھا۔

"معاملہ فوج کا ہے--بڑے اعتماد والے اور سمارٹ لڑکے ساتھ رکھنا"---

"سر! کل دوپہر کے بعد "ڈرائنگ روم میں ملاقات ہو گی"---

اس نے بے تکلفی سے اپنا ہاتھ پاسوان کی طرف بڑھایا۔

"گڈلک" Goodluck۔

پاسوان نے کہا اور اسے پر جوش مصافحے کے بعد رخصت کر دیا۔

"ڈرائنگ روم" ان کا کوڈ تھا۔

اس کا مطلب وہ خاص جگہ ہوتی تھی جہاں انہوں نے اپنے "شکار" کو پہنچانا ہوتا۔

O

اگلے روز---

رادھیکا کول آج پہلے دن ہی اس حادثے کے بعد معمول کی سیر کے لئے گھر سے نکلی تھی۔ اس نے پردیپ کے ہاتھوں انجام پانے والے اس "کارنامے" کے لئے لاشعوری طور پر خود کو ذمہ دار سمجھنا شروع کر دیا تھا کیونکہ پردیپ اس کے ذریعے اس کے گھر

تک پہنچا تھا۔

ابھی تک اسے صرف یہ بتایا گیا تھا کہ پردیپ نے اس کے باپ کے کچھ اہم کاغذات چرا لئے تھے اور وہ غیر ملکی جاسوس تھا۔

اسے ان کاغذات کی تفصیلات کا علم نہیں تھا---

بریگیڈئر کول نے اسے یقین دہانی کروائی تھی کہ وہ قطعاً رادھیکا کو اس کا ذمہ دار نہیں سمجھتے ہمسایہ ملک میں [illegible] کے جاسوس بھی ایسے ہی کام کرتے ہیں اور یہ رادھیکا کی نہیں ان کی اپنی غلطی ہے کہ انہوں نے بلا سوچے سمجھے آنکھیں بند کر کے پردیپ کی ہر بات پر یقین کر لیا---

لیکن---

رادھیکا مطمئن نہیں ہو سکی تھی--

سات آٹھ روز وہ اپنے کمرے میں بند رہی--بس کبھی کبھی خاص ضرورت کے تحت گھر کے باہر کا چکر لگا لیتی۔

سات آٹھ روز تک بریگیڈئر کول بھی ہیڈ کوارٹر میں مصروف رہا۔ اس دوران ان کے گھر پر مختلف ایجنسیوں کے لوگ آتے اور رادھیکا سے انٹرویو کرتے رہے ان میں سے بھی کسی نے اسے احساس نہیں ہونے دیا تھا کہ اس واردات کی ذمہ داری کسی طرح اس پر عائد ہوتی ہے۔

دو تین روز وہ لوگ آتے جاتے رہے جس کے بعد انہوں نے آنا جانا بند کر دیا لیکن رادھیکا کی پریشانی ختم نہیں ہوئی تھی۔

اس روز جب بریگیڈئر کول نے اسے بتایا کہ ایک جنرل کے ساتھ بھی حال ہی میں ایسا واقعہ ہوا ہے جب ان کا ڈرائیور اس کے اہم کاغذات لے کر فرار ہو گیا تو اسے قدرے تسلی ہو گئی اور اس نے اس کاروائی کو بھی لڑائی کا ایک حصہ سمجھ لیا۔

بریگیڈیئر کول تو رات ہی ایک خصوصی فلائیٹ سے لداخ روانہ ہو گیا تھا جس کے فوراً بعد اس کی ماں کے دو تین دوست آ گئے تھے جن کے ساتھ شراب پی کر وہ آدھی رات تک ہذیان بکتی رہی۔

لیکن---رادھیکا اپنے کمرے سے نکل کر باہر نہیں آئی--

صبح اس نے معمول کے مطابق اپنا ٹریک سوٹ پہنا اور گراؤنڈ کی طرف نکل گئی۔

ساری کالونی پر سکوت طاری تھا---

اتوار کا دن ہونے کی وجہ سے چونکہ چھٹی تھی اس لئے صبح دم جو دو چار گاڑیاں دکھائی دے جاتی تھیں وہ بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔

رات کی بارش کے اثرات ابھی باقی تھے۔ اس نے معمول کا راستہ اختیار کیا اور اب وہ اپنے بلاک کے آخری کونے والی گلی مڑ رہی تھی--

ابھی وہ چند قدم ہی چلی تھی جب ایک آرمی کی جیپ اس کے نزدیک آ کر رکی--

"معاف کیجئے---"

جیپ میں ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر میجر کی وردی پہنے ایک نوجوان نے اسے مخاطب کیا۔

"یس"---

رادھیکا رک گئی۔

"فورٹی فائیو ایف میں جانا ہے"---

اس نے بڑے ادب سے رادھیکا سے پوچھا۔

رادھیکا کے گھر کے سامنے والے بنگلے کا نمبر 45۔ ایف تھا۔ جہاں کموڈور صاحب رہتے تھے جن کا ان کے گھر آنا جانا لگا رہتا تھا۔

وہ ہاتھ کے اشارے سے میجر کو ایڈریس سمجھانے لگے---

جیپ کا پچھلا دروازہ کب کھلا؟

اس سے وہ لمبا تڑنگا صوبیدار کی وردی والا نوجوان کب باہر نکلا؟

اس نے اپنے ہاتھ میں موجود رومال کو رادھیکا کے منہ پر کب رکھا؟

میجر نے کیسے اس کی مدد کی؟

رادھیکا کو کسی بات کا علم نہ ہو سکا۔

اسے صرف اتنا یاد تھا کہ کسی نے اس کے دونوں بازو جکڑ کر اس کے ناک پر رومال رکھا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔

جس کے بعد اس کی آنکھ یہاں اس کمرے میں کھلی تھی۔

O

رادھیکا کو ہوش آیا تو وہ ایک بیڈروم میں موجود تھی لیکن یہ اس کے گھر کا بیڈروم نہیں تھا البتہ کمرہ بڑی نفاست سے سجایا گیا تھا۔

گھبراہٹ میں اچانک وہ ہڑبڑا کر اٹھی لیکن چکرا کر دوبارہ بستر پر گر گئی۔ اس کا سر بہت بھاری ہو رہا تھا۔ شاید بے ہوش کرنے والی دوا اس نے کچھ زیادہ مقدار میں سونگھ لی تھی۔ خوف کے مارے اس کی گھگھی بندھ گئی۔ کیونکہ ہوش میں آنے کے بعد اس پر پہلا انکشاف یہی ہوا تھا کہ اسے اغوا کیا گیا ہے--

اور---

اپنے گھر پر چند روز پہلے گزرنے والی اس قیامت کے بعد اس کا یوں اچانک اغوا ہونا اس کی جان نکالنے کے لئے کافی تھا۔

اچانک ہی اس کے سامنے کا دروازہ کھلا اور ایک خوبصورت خاتون اندر داخل ہوئی---

"رادھیکا اٹھ کر بیٹھ گئی--

"کون ہو تم--میں کہاں ہوں؟"

اس نے غصے اور خوف کے ملے جلے تاثرات لئے بڑی مشکل سے دو فقرے ادا کئے تھے۔

"آپ جہاں بھی ہیں بالکل محفوظ ہیں--خود کو نارمل رکھیں--مطمئن رہیں اور یہ پی لیں آپ کی طبیعت ٹھیک ہو جائے گی"---

اس نے اطمینان سے اپنے عقب میں دروازہ لاک کرنے کے بعد رادھیکا کی طرف تازہ کافی کا مگ بڑھایا جو شاید ابھی وہ اس کے لئے بنا کر لائی تھی--رادھیکا نے دیکھا کمرے کی ایک دیوار پر "شری گنیش" کی پینٹنگ موجود تھی یہ بات اس کے لئے قدرے باعث اطمینان بنی کم از کم اب وہ اس بات کا تصور کر سکتی تھی کہ وہ اپنے ہی "دیش" میں ہے۔

"دیکھو تم جو کوئی بھی ہو-- تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں بریگیڈئر کول کی پتری ہوں اور میں تم سب کو کتے کی موت مروادوں گی"---

اس نے لڑکی کو قریباً روہانسی آواز میں گالیاں دینی شروع کر دیں۔

"دیکھئے مس! آپ جتنی دیر نارمل ہونے میں لگائیں گی اتنا ہی آپ کے لئے برا ہو گا اس سے آپ کی جسمانی اور دماغی دونوں طرح کی صحت کو خطرہ رہے گا--میں نے آپ کو بتادیا ہے کہ آپ جہاں بھی ہیں خیریت سے ہیں۔ اس کے بعد آپ کی مرضی"---

یہ کہتے ہوئے اس نے کافی کا مگ اس کے سرہانے دھری ایک میز پر رکھا اور جس طرح اطمینان سے آئی تھی اسی طرح اطمینان سے باہر چلی گئی۔

رادھیکا اس کے عقب میں اس کی طرف لپکی لیکن دروازہ سے زور آزمائی کے بعد واپس نڈھال ہو کر بستر پر گر گئی کیونکہ دروازہ باہر سے لاک ہو گیا تھا--

رادھیکا چند منٹ تک بچوں کی طرح آنسو بہاتی رہی پھر اس نے بادل نخواستہ وہ کافی جو اب قدرے ٹھنڈی ہو گئی تھی پی لی---

یہ اس کی عادت تھی---

شاید اسے اغوا کرنے والوں کو اس کی اس عادت کا بھی علم رہا ہو گا۔

اس نے سوچا۔

کافی پینے کے بعد وہ قدرے پر سکون ہو گئی تھی۔

اس نے دروازے سے کے بعد کسی کھڑکی پر قسمت آزمائی نہیں کی تھی کیونکہ یہ اندازہ وہ بخوبی لگا سکتی تھی کہ یہاں کوئی دروازہ یا کھڑکی اس کی مرضی اور زور لگانے سے نہیں کھلے گی اور نہ ہی یہ لوگ جو اسے لے کر آئے ہیں اسے اس طرح آسانی سے فرار ہونے دیں گے۔

دروازے پر آہٹ ہوئی اور دوسرے ہی لمحے دروازہ کھلا---

اس مرتبہ چار آفیسر اندر آئے تھے۔ ان سب نے فوجی افسروں والی وردیاں پہن رکھی تھیں رادھیکا پریشان تو تھی ہی اب حیران بھی ہونے لگی تھی کہ آخر فوج کے افسر اسے یہاں اغوا کر کے کیوں لائے ہیں۔

"کون ہیں آپ لوگ۔ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے"---

"Realex (آرام سے) مس رادھیکا کول---ہم آپ کو سب کچھ بتاتے ہیں"--

ان میں سے پاسوان نے جو کرنل کی وردی پہنے ہوئے تھا اسے ہاتھ کے اشارے سے مطمئن ہوتے کے لئے کہا اور سامنے دھرے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ہم آرمی کے لوگ ضرور ہیں۔ لیکن تمہارے باپ کی طرح مہذب نہیں۔ اس لئے چپ چاپ ہمارے سوالوں کے جواب دو ورنہ یاد رکھنا---"

پاسوان نے اسے جھڑکنے والے لہجے میں کہا۔

"شپ اپ"---

رادھیکا نے چیختے ہوئے کہا۔

لیکن---

دوسرے ہی لمحے اس کی چیخ سے زیادہ بلند آواز اس کے منہ پر لگنے والے زوردار تھپڑ

سے پیدا ہوئی تھی۔

یہ تھپڑ اس کے منہ پر پاسوان کے ساتھ آئے ایک کیپٹن نے مارا تھا۔

رادھیکا چکرا کر دوبارہ پلنگ پر جا پڑی۔

دوسرے ہی لمحے اس پر پاسوان چھلانگ لگا کر سوار ہو گیا۔

اس نے وحشیوں کی طرح رادھیکا کو پیٹنا شروع کر دیا۔

رادھیکا دیوانہ وار چلّا رہی تھی۔

لیکن---

اس کی چیخ و پکار سے زیادہ وہ قہقہے تھے جو ان شیطانوں کے حلق سے بر آمد ہو رہے تھے۔

"چپ"---

اچانک پاسوان نے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

اور---

رادھیکا سہم کر چپ ہو گئی۔

اس کے حلق سے گٹی گٹی سسکیاں ابھی تک جاری تھیں لیکن آنکھیں خوف سے پھٹنے کو آئی تھیں۔

"کب سے تیرا یارانہ تھا اس مُسلے کے ساتھ"---

اچانک ہی پاسوان نے اس کے دماغ پر ہتھوڑا مارا۔

رادھیکا سمجھ گئی کہ یہ ملٹری انٹیلی جنس کے لوگ ہیں اور اس سے تفتیش کر رہے ہیں--

"ہماری ملاقات اسی روز ہوئی تھی"---

اس نے سہم کر بمشکل یہ فقرہ ادا کیا۔

"سالی جھوٹ بولتی ہے"---

پاسوان نے پھاڑ کھانے والے لہجے میں اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

"نہیں-- بھگوان کی سوگند میں جھوٹ نہیں بولتی"---

اس نے بچوں کی طرح روتے ہوئے ہاتھ باندھ دیے۔

لیکن---

ابھی وہ لوگ اس کی زبان پر اعتبار کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

قریباً ایک گھنٹہ انہوں نے گھما پھرا کر اس سے عجیب و غریب قسم کے سوالات کئے پھر کسی نتیجے پر پہنچنے کے بعد باہر نکل گئے۔

"سالا بڑا چالاک نکلا---ایک ہی ملاقات میں ہاتھ صاف کر گیا"---

پاسوان نے باہر آ کر اپنے ساتھیوں سے کہا۔

"یس سر"

اس کے ساتھیوں نے ہاں میں ہاں ملائی۔

"کیا خیال ہے"؟

پاسوان نے ان کی طرف استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

"جانے دیں سالی کو--فوج والے جان کو آ جائیں گے"---

پاسوان کے ایک ساتھی نے جواب دیا۔

"او۔کے"---

کہہ کر پاسوان آگے بڑھ گیا۔

O

رادھیکا کو خوف اور احساس ذلت سے کپکپاتے چند منٹ ہی گذرے تھے جب دروازہ پھر کھلا اور وہی خاتون اندر آ گئی جس نے اسے پہلے کافی دی تھی---

"ناشتہ کر لو---اور اس بات کو بھول جاؤ-- کبھی زندگی میں بھول کر بھی کسی سے آج کے واقعے کا ذکر نہ کرنا-- یاد رکھنا تمہیں ان لوگوں سے کوئی نہیں بچا سکے گا-- تمہارا

باپ بریگیڈیئر کول بھی نہیں"---اس نے چائے بنا کر ٹرالی اس کی طرف دھکیلتے ہوئے کہا۔

رادھیکا خاموش رہی---

اسے ڈر تھا اگر کوئی لفظ زبان سے نکالا تو اس کی پہلے کی طرح شامت نہ آجائے۔ اپنی سسکیاں روکتے ہوئے اس نے کسی نہ کسی طرح چائے زہر مار کی اور ابھی بمشکل چائے ختم ہی کی تھی جب اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

وہ منہ کے بل بستر پر جا گری---

اس کے بعد اسے ہوش نہیں رہی۔

اس مرتبہ اسے ہوش آیا تو وہ اپنے گھر کے نزدیک ایک چھوٹے سے پارک کے بنچ پر لیٹی تھی۔ خیریت گزری کے دوپہر کے اس وقت وہاں کوئی اور موجود نہیں تھا ورنہ اچھا خاصا تماشا لگ جاتا--

آنکھیں ملتے ہوئے وہ اٹھی اور خود کو نارمل کرنے کے بعد تیز تیز قدموں سے چوروں کی طرح اپنے گھر کی طرف چل دی۔

گھر کے برآمدے میں اس کی پریشان ماں اپنے نوکروں کے ساتھ چکر کاٹ رہی تھی۔

"بے بی--تم کہاں تھی سویٹی"---

اس کی شکل پر نظر پڑتے یہ مسز کول اس کی طرف لپکی۔

اور---

اپنی ماں کی بانہوں میں سمٹ کر رادھیکا نے بچوں کی طرح چیخ چیخ کر رونا شروع کر دیا۔

بدقت تمام مسز کول نے اسے نارمل کیا۔

اور---جب اس نے مسز کول کو اپنے ساتھ گزرنے والی قیامت سے آگاہ کیا تو اس نے غصے سے بے قابو ہو کر زور زور سے گالیاں دینی شروع کر دیں۔

اگلے ہی لمحے وہ ٹیلی فون پر بریگیڈیئر کول سے رابطہ کر رہی تھی--رابطہ ہونے پر اس نے مغلظات کے ساتھ بریگیڈیئر کول کو ساری کہانی سنا دی جس نے یہ کہانی ہیڈ کوارٹر میں اپنے جنرل تک پہنچا دی---

شام گئے تک یہ بات ثابت ہو چکی تھی کہ آرمی کی کسی ایجنسی نے رادھیکا کو اغوا نہیں کیا جس کا سیدھا مطلب یہی تھا کہ اسے اغوا کرنے والے اور کوئی نہیں "را" کے لوگ ہی تھے جنہوں نے رادھیکا کو دھوکہ دینے کے لئے آرمی کی یونیفارم پہن رکھی تھیں۔

ہیڈ کوارٹر کی طرف سے سخت احتجاج "را" تک پہنچایا گیا جہاں سے حسب معمول اس واقعہ سے "لاعلمی" کا جواب آ گیا۔

لیکن---

بریگیڈیئر کول اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ حرکت "را" کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔

O

"سر---لڑکی کا بیان صحیح ہے۔"

پاسوان نے اس روز سہ پہر کرنل کو رپوٹ پیش کی۔

"حیرت ہے۔ ایک ہی روز میں یہ کارنامہ انجام پا گیا"---

کرنل نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

"سر! مجھے خود اس بات پر یقین نہیں آ رہا تھا لیکن یقین کرنا پڑا۔ اگر وہ جھوٹ بولتی یا اس گھرانے سے متعلق کوئی بھی شک ہمیں پیدا ہو جاتا تو ہم لڑکی کو زندہ گھر تک نہ پہنچا کر آتے۔" پاسوان نے بڑے فخر سے کہا۔

کرنل جانتا تھا پاسوان صحیح کہہ رہا ہے---

اس سے پہلے اس نے گزشتہ دو تین ماہ میں ہی پاسوان کے ہاتھوں تین چار ایسے قتل کروا

دیے تھے وہ لوگ عدالتی فیصلوں کا انتظار کرنے کے کبھی قائل نہیں رہے تھے اور کسی بھی ملزم پر شک گزرنے کی صورت میں انصاف بھی خود ہی کر دینے کے قائل تھے۔

"پاسوان---ائرپورٹ سے آغاز کرو---اس روز کی تمام فلائٹوں کا شیڈول لو---ان کے کنکشن تلاش کرو--ہر مشتبہ شہر میں پھیل جاؤ--مجھے یہ لڑکا ہر صورت میں چاہئے زندہ یا مردہ-میں کوئی شرط عائد نہیں کر رہا"---

کرنل نے غصے سے بے قابو ہو کر کہا۔

"میں نے آج یہ کام شروع کر دیا ہے سر"---

پاسوان نے چاپلوسی کے انداز میں کہا۔

"ویل ڈن---"

کرنل نے اسے شاباش دی۔

اور --- پردیپ کی گرفتاری سے متعلق ایک تفصیلی پروگرام طے کرنے کے بعد پاسوان باہر آگیا۔ اب وہ ایک "کریش پروگرام" شروع کرنے جا رہا تھا۔

O

"را" نے اگلے تین روز کے بعد اپنے درجنوں ایجنٹوں کے ذریعے ہر ممکن معلومات حاصل کرنے کے بعد یہ اندازہ لگالیا تھا کہ ان کا شکار مدراس یا لکھنؤ دونوں میں سے کسی ایک شہر میں غائب ہوا تھا اور اب ان کے سینکڑوں ایجنٹ جن میں باقاعدہ اور بے قاعدہ دونوں طرح کے لوگ شامل تھے اسکی تلاش میں شکاری کتوں کی طرح در در کی خاک چھان رہے تھے۔

اس آپریشن کا دائرہ بڑھاتے ہوئے "را" نے "سی بی آئی" (سنٹرل بیورو آف انٹیلی جنس) اور "آئی۔ بی" (انٹیلی جنس بیورو) کی خدمات بھی حاصل کر لی تھیں۔ اب یہ ایک "جوائنٹ آپریشن" تھا جس کی کمانڈ کرنل چڈھا اور اس مشترکہ سرچ آپریشن کو

پاسوان "کوارڈی نیٹ" کر رہا تھا۔

پردیپ کی سینکڑوں تصاویر کے ساتھ یہ لوگ روبہ عمل تھے اور ہر لمحے کی رپورٹ دہلی میں کرنل کے سامنے پہنچ رہی تھی---

تیسرے روز شام گئے "را" نے تصدیق کر لی کہ چند روز پہلے اس شکل و صورت جیسے ایک نوجوان نے لکھنؤ کے ایک ہوٹل میں قیام کیا تھا۔

لیکن--اس کی قیام کی مدت بمشکل تیس گھنٹے تھی---

ہوٹل کے کاؤنٹر والی لڑکی اور اس بہرے نے یقین کے ساتھ کہا تھا کہ انہوں نے ایسی ہی شکل صورت کے نوجوان کو دیکھا ہے۔ اس کے کوائف ہوٹل کے رجسٹر سے حاصل کئے گئے تو تمام جعلی ثابت ہوئے اور ان سے کسی قسم کا کلو نہیں ملتا تھا۔

لیکن---"را" نے ہمت نہیں ہاری انہوں نے یوپی اور اس کے ہر قابل ذکر شہر اور قصبے تک اپنا آپریشن پھیلا دیا تھا۔

O

مان سنگھ سہگل ٹیکسٹائل میں کام کرتا تھا---

لکھنؤ کے نواحی علاقے میں واقع اس مل میں اس نے دو ماہ پہلے ہی نوکری حاصل کی تھی اور اپنی تربیت کے بل بوتے پر لکھنؤ شہر میں "را" کے نیٹ سے دوستی بھی کر لی تھی--

انسپکٹر شام سے اس کی پندرہ بیس روز میں ہی گاڑی چھننے لگی تھی دونوں اکثر شام کے بعد لکھنؤ شہر میں "لچھمن نواس" جایا کرتے تھے کیونکہ کلاسیکل میوزک دونوں کی کمزوری تھی اور مان سنگھ کو اس پر بڑا عبور حاصل تھا وہ ہارمونیم اچھی طرح بجالیتا تھا اور تھوڑا بہت گا بھی لیتا تھا--

اس روز جب شام سے اس کی ملاقات قریباً تین روز کے وقفے سے ہوئی تو شام کچھ پریشان دکھائی دے رہا تھا۔

"خیریت مہاراج -- تین دن کہاں غائب رہے"---

مان سنگھ نے چھٹتے ہی پوچھا۔

"بس یار کچھ نہ پوچھو ہمیں تو دلی والوں نے تین روز سے بری طرح نچار کھا ہے"---

شام نے بددلی سے کہا۔

"کیا مطلب"؟

مان سنگھ کا تجسس بڑھا۔

"یار کیا مطلب بتاؤں -- ایک پاکستانی جاسوس دلی میں ہاتھ کر گیا ہے ان سالوں کے ساتھ -- وہاں تو کچھ کر نہیں سکے اب ہماری جان کو آ گئے ہیں -- تین دن سے مصیبت ڈال رکھی ہے کہ یہ جاسوس یہاں لکھنؤ میں چھپا ہے -- جانے سالا کہاں سے آ گیا یہاں ---"

شام نے بیزاری سے کہا۔

"بھئی وہ صحیح بھی تو ہو سکتے ہیں --- ابھی پچھلے دنوں اخبار میں خبریں تو شائع ہوئی تھیں --" مان سنگھ نے لقمہ دیا۔

"یار مان سنگھ جانے دے میرا پہلے ہی دماغ چلا ہوا ہے --- آج کچھ وقت نکال کر آیا ہوں۔ یہاں اس شہر میں شام کی نظروں سے کیا بچ سکتا ہے -- شہر کا کون سا "مافیا" ہے جس سے ہم واقف نہیں کس امام باڑے یا مزار تک ہماری رسائی نہیں -- سالے یونہی ہانک رہے ہیں"---

شام نے کہا۔

"یار کوئی تصویر وغیرہ ہے اس کی ہم بھی تیرے مخبر ہیں پیارے"

مان سنگھ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یہ لے تو بھی شوق پورا کر لے"---

کہتے ہوئے انسپکٹر شام نے ایک تصویر جو کمپیوٹر نے تیار کی تھی اور جس کی سینکڑوں

کاپیاں کروائی گئی تھیں اسے دکھا دی۔

تصویر پر ایک نظر ڈالنے سے ایک مرتبہ تو اس کے دل کی دھک دھک کچھ بڑھی لیکن کیا مجال جو اس کے چہرے کے تاثرات ذرا بھی بدلے ہوں۔

"تو یہ ذات شریف ہیں -- یار شکل سے تو بڑا سیدھا سادا دکھائی دے رہا ہے"--- مان سنگھ نے اسے کریدتے ہوئے لقمہ دیا۔

"لعنت بھیج یار --- ہمیں کیا لینا دینا ہے -- ہاں وہ فیض علی خان کے طبلے کا پروگرام کب ہو رہا ہے۔"

شام نے ڈائری بند کر کے اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے پوچھا۔

اور ---

مان سنگھ نے بھی زیادہ گفتگو اس موضوع پر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

دونوں موسیقی کی باتیں کرتے رہے۔ رات کا کھانا انہوں نے حسب سابق ایک مسلم ہوٹل میں کھایا۔ دونوں کو یہاں کے کباب بہت پسند تھے اور دونوں اپنے دھرم کو "بھرشٹ" کر کے یہ کباب کھایا کرتے تھے۔

رات گئے شام اس سے اگلے روز ملاقات کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا---

مان سنگھ اس کی موٹر سائیکل پر بیٹھ کر نزدیکی مارکیٹ تک گیا تھا جہاں سے اس نے کچھ سودا سلف خریدنا اور اس کے بعد اپنے کوارٹر پر جانا تھا۔

شام نے اسے کوارٹر تک پہنچانے کی فراخدلانہ پیشکش کی تھی لیکن اس نے انکار کر دیا کیونکہ اس کے مطابق شام کو پہلے ہی خاصی دیر ہو گئی تھی۔

O

شام کی روانگی کے پندرہ بیس منٹ بعد تک وہ ادھر ادھر خوامخواہ گھومتا رہا پھر ایک "پی سی او" میں گھس گیا جہاں سے اس نے ایک اور ملک کا نمبر ملایا اور دوسری طرف

"لائن" ملنے پر بڑے جوش و خروش سے خیریت دریافت کی۔

"انکل! یہاں بڑی تشویش ہے۔ سنا ہے "اجو میاں" بڑے بیمار ہیں"

اس نے فوراً بعد ہی کہہ دیا۔

دوسری طرف ذرا خاموشی کے بعد پوچھا گیا۔

"اچھا! ہمیں تو خبر نہیں تھی"---

"آپ انہیں فوراً بڑے ہسپتال پہنچائیں۔ یہاں تو کوئی ڈھنگ کا ہسپتال نہیں رہا۔"

اس نے نارمل لہجے میں کہا۔

"اللہ خیر کرے گا-- تم زیادہ تشویش نہ کرنا، میں ابھی تمہارے چچا کو کہے دیتا ہوں"--

دوسری طرف سے جواب آیا۔

"بس ایک لمحے کی تاخیر نہیں ہونی چاہئے۔"

مان سنگھ نے بالکل لکھنوی انداز سے بات کی تھی۔

"خدا حافظ"---

دوسری طرف سے سلسلہ کٹ گیا۔

اس فون کے دوسرے روز رات کو اس کی فیکٹری میں اس کے "ماموں" کا فون آیا جو ہفتے میں ایک آدھ مرتبہ اس سے فون پر "خیریت" دریافت کر لیا کرتے تھے۔

انہوں نے مان سنگھ کو بتایا کہ "اجو میاں" کو "بڑے ہسپتال" میں داخل کر دیا گیا ہے اور وہ بالکل خیریت سے ہیں۔

"شکر ہے بھگوان کا"---

مان سنگھ کو یوں لگا جیسے اس کے سر سے بوجھ اتر گیا ہو---

پردیپ سنگھ نے اجو میاں کے نام سے یہاں قیام کیا تھا اور اب وہ "محفوظ ہاتھوں" میں پہنچ چکا تھا جہاں کرنل صاحب نے اسے کہہ دیا تھا کہ اب وہ لمبے عرصے تک سرحد پار نہیں جائے گا کیونکہ بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کیا جا رہا ہے۔

نوید ٹاپ اور کامران ٹاپ دو مضبوط کیلوں کی طرح دشمن کے تابوت میں ٹھونک دیئے گئے۔

بائیس ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ان پوسٹوں کا قیام اس بات کا اعلان تھا کہ ہم ناقابل تسخیر ہیں-- ایوی ایشن کی مدد سے "نوید ٹاپ" پر اپنے جوانوں کو اتارنے کے بعد مطمئن ہو کر نہیں بیٹھا جا سکتا تھا۔

ان پوسٹوں کے قیام سے اس محاذ پر پاکستانی پوزیشن تو بہت مضبوط ہو گئی تھی لیکن صرف ہیلی کاپٹروں کے ذریعے "نوید ٹاپ" تک آنا جانا کار دارد تھا کیونکہ یہاں موسم کبھی قابل اعتبار نہیں ہوتا اور دشمن اپنا توپخانہ بھی اب زیادہ بہتر پوزیشن میں لا کر خطرات پیدا کر سکتا تھا---

نوید ٹاپ تک زمین سے راستہ بنانا ناگزیر تھا---

اس راستے کے ذریعے یہاں موجود جوانوں کو راشن اور کمک پہنچائی جا سکتی تھی۔

زمینی راستہ بنانے کی سعادت کیپٹن طارق حسین کا نصیب بنی انہیں اپنی پلاٹون کے ساتھ نوید ٹاپ کے شمال سے دشمن کی آگرہ ون پوسٹ کی طرف یلغار کا حکم ملا---

22 اپریل کی شام کیپٹن طارق حسین اپنی پلاٹون کے ساتھ عازم سفر ہوئے یہ راستہ بڑا خطرناک اور جان لیوا تھا۔ خنجر جیسی تیز دھار والا پہاڑی راستہ جہاں قدم قدم پر نیزے

کی انی کی طرح چٹانیں ان کی منتظر تھیں---
برفیلی کھائیاں اور موت کے غار صدیوں سے اپنا منہ پھاڑے موجود تھے---
لیکن---
کیپٹن طارق حسین اور ان کے جیالوں کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔
رات کے اندھیرے میں دشمن کی نظروں میں دھول جھونک کر اس راستے پر سفر کرنا دنیا کے کسی بھی ذی شعور کے نزدیک خودکشی کے مترادف تھا۔ لیکن انہیں یہ سفر کرنا تھا۔
وہ دنیا کی عسکری تاریخ کا ایسا باب رقم کر رہے تھے جس کی نظیر آنے والی صدیوں میں بھی شاید قائم نہ ہو۔
اپنی پیٹھ پر تیس کلو گرام کا وزن اٹھائے ہر صف شکن کمال ہمت سے رسوں اور کوہ پیمائی کے سامان کے ساتھ اللہ کی نصرت کے بھروسے پر بڑھتا چلا گیا---
22 اپریل کی شام کو انہوں نے پہلا معرکہ سر کیا اور طارق ون کیمپ قائم کر دیا---
23 اپریل کی شام تک طارق ٹو کیمپ قائم ہو چکا تھا---
اور---
یکم مئی تک وہ دشمن کی پوسٹ آگرہ ٹو سے بمشکل تین سو فٹ کے فاصلے پر اپنا آخری کیمپ طارق تھری قائم کر چکے تھے۔
یہ دشمن کے لئے ناقابل یقین سرپرائز تھا---
تیز برفانی طوفان میں اللہ کے ان پراسرار بندوں نے یہ سفر کیسے طے کیا؟ انسانی عقل اس سوال کا جواب کبھی نہیں دے پائے گی۔
ان کے خاکی جسموں میں کیا قوت سما گئی تھی---
انسانی ادراک اور فہم سے بالاتر ہے---
بظاہر کسی گوشت پوست کے انسان سے ایسے کارناموں کی توقع عبث ہے لیکن توسط

ایمانی اور مادر وطن کے عشق سے سرشار ان سرخروشوں کے سامنے موسم کی تمام عذابناکیاں مفتوح ہو گئیں---
وہ فاتحوں کی طرح آگے بڑھے--اور دشمن کو دو اطراف سے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا--
نوید ٹاپ اور اب طارق پوسٹ کے درمیان دشمن پھنس گیا تھا۔ اب اس کے لئے حملہ کرنا تو ناممکن تھا ہی اپنی جان بچانا بھی ممکن نہیں رہا تھا---
چھومک سیکٹر میں بھارتی اس "سرپرائز" سے بالکل بوکھلا گئے۔
ان کی وائرلیس سیٹوں سے خوفزدہ آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ پاکستانی جوانوں کا مافوق الفطرت جان رہے تھے---
ان کی آوازیں شکست کی آئینہ دار تھیں---
ان کا مورال تباہ ہو چکا تھا۔ جن امیدوں کے ساتھ انہیں اس محاذ پر بھیجا گیا تھا ان پر مکمل برف جم چکی تھی۔
انہیں بھی بتایا جاتا تھا کہ ان کا دشمن عددی لحاظ سے ہی نہیں۔ اسلحی لحاظ سے بھی ان کا ہم سر نہیں اور وہ جب چاہیں اسے زیر کر لیں گے۔
لیکن---
اس کے برعکس یہاں صورتحال ہی مختلف تھی---
اپنے گرم خیموں میں مقیم بھارتی ہر خود کو محفوظ خیال یہاں کرتے تھے۔ ان کی پوسٹیں ہزاروں فٹ کی بلندیوں پر مبنی ہوتی تھیں۔ بظاہر پاکستان کی سمت سے ان تک رسائی کا کوئی راستہ بھی دکھائی نہیں دیتا تھا۔
لیکن---
اچانک ایک روز انہیں اپنی پوسٹوں کے سامنے۔ دائیں، بائیں، آگے پیچھے، کہیں نہ کہیں پاکستانی دکھائی پڑتے تھے۔

اور---وہ سہم جاتے تھے--

انہیں پہلے تو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آتا تھا کہ یہ کیسے ممکن ہو گیا یقین کے بنا چارہ ہی نہیں تھا۔

وہ افراتفری میں، گھبراہٹ میں اپنے افسران تک یہ معلومات پہنچاتے تو افسران غصے سے بل کھا کر رہ جاتے۔ انہیں سمجھ نہیں آتی تھی کہ حالات کے سانپ نے ان کے منہ میں جو چھپکلی پھنسادی ہے اسے نگل جائیں یا اگل دیں---

"نوید ٹاپ" پر پاکستان کے قبضے کے بعد آگرہ ٹو کے سامنے طارق پوسٹوں کے قیام نے بھارتیوں کو چکر کر رکھ دیا۔

O

کامران پوسٹ سے اس محاذ پر پاکستان کی پوزیشن تب محفوظ ہوتی جب وہ سامنے والی ایک سو پچاس فٹ چوٹی پر اپنا جھنڈا گاڑتے---

کیونکہ چوٹی کے دوسری جانب کے دوسری جانب بھارتیوں کے اجتماع میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا محفوظ راستہ اور رسائی ہونے کی وجہ سے وہ یہاں جدید ترین اسلحہ اور ضروریات زندگی آسانی سے پہنچا رہے تھے۔

شاید اس مرتبہ وہ بہترین تیاری کے ساتھ کامران پوسٹ پر حملہ آور ہونا چاہتے تھے۔ دشمن کے عندیہ کو بھانپتے ہوئے اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اسے ایک اور زبردست "سرپرائز" دیا جائے اور جتنی جلدی ممکن ہو چوٹی پر قبضہ کر کے دوسری طرف موجود دشمن کے سر پر عذاب مسلط کر دیا جائے---

ایسا سوچا تو جا سکتا تھا لیکن یہاں پہاڑ کی ترچھی نوکدار اور منجمد برف کی سطح پر چل کر چوٹی تک پہنچنا جوئے شیر لانے کے مترادف تھا۔

میجر عبدالرحمٰن بلال نے اس انتہائی مشکل مہم پر خود جانے کا فیصلہ کر لیا---

وہ دشمن پر آخری اور کاری ضرب لگانا چاہتے تھے---

30 اپریل کو جب موسم انتہائی خراب ہو رہا تھا اور بھارتی فوجی اپنے مورچوں میں دبک کر موسم کی تباہ کاریوں کے مقابلے کی تیاریاں کر رہے تھے۔

اس انتہائی خراب موسم میں، انتہائی نامساعد حالات میں پھر عبدالرحمٰن بلال، کیپٹن ظفر، کیپٹن کامران اور کیپٹن رفاقت اور سات جوانوں کو ساتھ لے کر نکل پڑے---

برفانی طوفان اور بادلوں کی وجہ سے ہونے والے اندھیرے میں ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا تھا۔

ہر قدم پر موت مختلف روپ دھارے موجود تھی---

ان حالات میں میجر بلال کی کمان میں جانبازوں کا یہ قافلہ برفیلے اور منجمد پہاڑ کی اس عمودی بلندی کو چاٹ رہا تھا۔

ایک ایک قدم پر انہیں اپنی اپنی تمام تر توانائیاں مجتمع کر کے اگلا قدم اٹھانا ہوتا تھا۔ شاید قدرت کو ان کی استقامت بھا گئی---

نامہربان موسم کے باوجود ان کا مشن کامیاب رہا۔

بھارتیوں کو ان کی آمد کا علم تب ہوا جب ان کے مورچوں سے بمشکل پندرہ گز کے فاصلے پر انہوں نے پوزیشن لے لی---

اس اچانک اور انتہائی کامیاب "ریڈ" (Raid) نے دشمن کو بوکھلا کر رکھ دیا اس سے پہلے کہ وہ سنبھل پاتے۔

میجر بلال، نائیک اسلم اور سپاہی سید جان نے دشمن پر موت کا دہانہ کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی سپاہی اشرف کے راکٹ لانچر نے بھارتیوں کو برفیلے جہنم میں دھکیل دیا۔ انتہائی کارگر فائر نے ان کی پوسٹ کے پرخچے اڑا دیئے تھے---

غیرت ایمانی سے للکارتا ہوا سپاہی اشرف نے اپنے راکٹ فائر کرنے کے بعد دشمن کی

پوسٹ پر یلغار کی۔

وہ دشمن کی پوزیشن پر آخری حملہ کر رہا تھا جب سامنے کی سمت سے مشین گن کا پورا برسٹ اس کے سینے پر شہادتوں کے درجنوں کنول بکھیر گیا---

دشمن پوسٹ سے صرف پندرہ گز کے فاصلے پر اس نے جام شہادت نوش جان کیا شہید کا جسم مبارک پتھریلی برف پر پھسلتا ہوا گہری کھائی کی نذر ہو گیا---

قدرت نے اسے اپنی آغوش میں سمالیا تھا۔

○

یہاں سے بھارتی پوسٹ تک برف کی چمکیلی سطح پر اس کے خون کی لکیر جم گئی تھی--

یہ خون نشان منزل تھا---

اس راستے پر اس کے ساتھیوں نے سفر آغاز کیا اور تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ کر دشمن کے مورچے پر لپکے---

مورچے میں دشمن کا ایک آفیسر اپنے چار جوانوں سمیت چند منٹ بعد ہی واصل جہنم ہو گیا--

فتح آ گئی---

فاتحوں نے کاری ضرب لگائی تھی---

دشمن کی کمر ہمت ٹوٹ چکی تھی---

اس کے درجنوں جوان برف پر اپنے زخم چاٹ رہے تھے۔ ان کا کوئی زخمی وائرلیس آپریٹر اپنے کمانڈنگ آفیسر کو چیخ چیخ کر بتا رہا تھا۔

"سر! پاکستانیوں نے تمام مورچے تباہ کر دیے۔ "کیژلٹی" بہت زیادہ ہے۔ ہم سب زخمی ہیں--- کوئی چارہ باقی نہیں رہا-- ہم پسپائی اختیار کر رہے ہیں"---

"اپنے رستے کاٹ ڈالو-- خیموں کو آگ لگا دو-- پوسٹ چھوڑ دو---"

دوسری طرف سے شکست خوردہ آواز سنائی دی۔

اور---

گہرائیوں کی طرف بھارتی واپس بھاگنے لگے۔

○

30 نومبر 1995ء کی ایک شام---!

کیپٹن اخلاق فاروقی کی پوسٹنگ حال ہی میں این ایل آئی کی ایک بٹالین میں ہوئی تھی اور وہ اس وقت بٹالین کے ریڈ جوئنٹ آفس میں بیٹھے تھے۔

کیپٹن فاروقی تھوڑی دیر پہلے ہی ایک "ریکی مشن" سے واپس لوٹے تھے ان کے ہمراہ اس مشن پر جانے والے جوان بہت تھکے ہوئے تھے لیکن کیپٹن فاروقی ہمیشہ کی طرح تازہ دم تھے۔ اور کچھ دیر کے لئے یہاں ریڈ جوئنٹ آفس میں ستانے کے لئے بیٹھ گئے تھے جب ریڈ جوئنٹ نے وہاں موجود کیپٹن کیانی سے کہا کہ وہ کچھ جوانوں کو لے کر "عارف پوسٹ" کی ریکی کے لئے جائیں۔

کیپٹن کیانی بھی ابھی واپس لوٹے تھے اور وہ بہت تھکے ہوئے تھے۔

لیکن---

40 ایف ایف یونٹ سے حال ہی میں یہاں پوسٹ ہونے والے کیپٹن اخلاق فاروقی ہمیشہ کی طرح تازہ دم تھے۔

انہوں نے دوران سروس اور نیٹرنگ۔ اسالٹ اور کمانڈو پلاٹون کمیشن جیسے جواں ہمتوں والے کورس بڑی کامیابی سے پاس کئے تھے--

ان کی قائدانہ صلاحیتیں یونٹ کے لئے باعث فخر تھیں۔

وہ قائدانہ صلاحیتوں کے ساتھ دنیا میں آئے تھے۔ ایثار ان کی رگ رگ میں سمایا تھا اور کچھ کر گزرنے کے لئے وہ ہمیشہ تیار رہتے تھے۔

انہوں نے فوراً خود کو رضاکارانہ طور پر پیش کر دیا جوانوں کو تیار کروانے کے بعد انہیں ساتھ لے کر راہ شہادت پر گامزن ہوئے۔

کیپٹن فاروقی کو دیکھ کر کوئی جوان سوچ ہیں سکتا تھا کہ چند گھنٹے پہلے ان کا کمانڈر ایک خطرناک اور انتہائی مشکل مہم سے واپس لوٹا ہے۔

بڑے اعتماد سے وہ سوئے منزل رواں دواں تھے۔

"عارف پوسٹ" بیس ہزار فٹ کی بلندی پر قائم کی گئی تھی اور یہاں تک جانے کے لئے راستہ انتہائی دشوار گزار تھا۔

پوسٹ تک جانے والے تمام راستے دشمن کی توپوں کی زد میں تھے اور ایک قدرے محفوظ راستہ جو تیار کیا گیا تھا وہ بظاہر ناقابل عبور دکھائی دیتا تھا۔

اس راستے پر "ریپلنگ" کے ایک سو دس مضبوط رسوں کو جوڑ کر "عارف ٹاپ" تک پہنچا جاتا تھا---

کیپٹن فاروقی نے آپریشن ایریا کی "ریکی" کرنا تھی۔

اپنے جوانوں کو لیڈ کرتے وہ دشمن کے عین درمیان سے کامیابی سے نکال کر لے گئے اور اپنا مشن مکمل کرنے کے بعد اپنے جوانوں کو کامیابی سے واپس بھی لے آئے---

واپسی کا سفر ہی ان کی شہادت کا سفر تھا۔

برف کی چادر میں لپٹے گلیشیر کی عمودی سطح سے سو سے زیادہ رسوں کی مدد سے اب انہیں نیچے اترنا تھا اور برف باری کا طوفان جاری تھا۔

پلاٹون کمانڈر ہونے کے ناطے انہیں پہلے کسی جوان کو ان رسوں سے آگے بڑھانا تھا کیونکہ رسوں پر تازہ برف جمی تھی اور ہر لمحے اس بات کا خطرہ موجود تھا کہ برف سے ہاتھ پھسل کر نیچے گرنے پر فوراً موت آ لے گی---

کیپٹن فاروقی قائدانہ صلاحیتیں لے کر دنیا میں آئے تھے۔

قائد ہونے کی وجہ سے ان کی غیرت ایمانی نے گوارانہ کیا کہ وہ کسی جوان کی جان کو خطرے میں ڈالیں جبکہ رسوں پر سب سے پہلے گزرنے والے نے ہی برف صاف کرنی تھی جس کے بعد دوسروں کے لئے آسانی سے گزرنا ممکن ہوتا۔

قائد کیپٹن فاروقی اپنے جوانوں کی ضد کو نظر انداز کرتے ہوئے خود آگے بڑھے اور "ٹاپ" سے نیچے اترنے لگے---

سینکڑوں فٹ گہرائی میں برفیلی چٹانیں دیکھ کر بڑے بڑے بہادروں کا پتہ پانی ہونے لگتا تھا۔

لیکن---خوف اس مرد مجاہد کو چھو کر نہیں گزرا تھا۔

انہوں نے اپنا خاصا سفر طے کر لیا اور ان لمحات میں کہ جب منزل کچھ زیادہ دور نہیں تھی قدرت کو ان کی جرأت ایمانی اتنی پسند آئی کہ اللہ نے انہیں بڑے مرتبے سے سرفراز کرنے کے احکامات جاری کر دیئے---

بے خوف قائد---اخلاق فاروقی کا ہاتھ رسوں پر جمی برف سے پھسلا اور وہ سر کے بل چوٹی سے نیچے برف کی پتھریلی چٹان سے ٹکرائے---

چند لمحوں بعد ہی جام شہادت فرشتہ اجل نے ان کے پاکیزہ ہونٹوں سے لگا دیا---

وہ سرخرو ہو گئے---

وہ بامراد ہو گئے---

سکھو چک شمالی کے کھیتوں پر شام اتر رہی تھی ماسٹر نوردین نے بھینس کے سامنے کھرلی میں اپنے ہاتھوں "گتاوا" تیار کر کے ڈالا تھا اور اب اس کی کمر پر ہاتھ پھیرنے کے بعد مسجد کی طرف جا رہے تھے---

مسجد کی طرف جانے سے پہلے انہوں نے ایک نظر اپنے مکان کی چھت پر نصب جھنڈے پر ڈالی اور سر جھکا لیا۔

کل 14 اگست تھا اور ہر یوم آزادی پر وہ خود اپنے ہاتھوں اپنے مکان کی چھت پر ہلالی پرچم لہرایا کرتے تھے---

مسجد سے عصر کی اذان کی آواز بلند ہونے لگی تو ماسٹر صاحب بھی چونک کر ادھر متوجہ ہوئے اور گھر سے بمشکل سو گز دور مسجد کی طرف چلے دیے۔ نماز سے فراغت پر وہ حسب معمول گاؤں کے دوسرے راستے سے گھر کی طرف جا رہے تھے۔ یہ ان کا معمول تو نہیں تھا۔

لیکن---گذشتہ تین چار ماہ سے یہ معمول بن گیا تھا اور اس کا سبب تھا بابا مست۔

بابا مست کہاں سے آیا تھا؟

کون تھا؟ کسی کو علم نہیں تھا---

سکھو چک کے لوگوں کو صرف اس بات کی خبر تھی کہ بابا مست گذشتہ پندرہ بیس سال

سے نزدیک دور کے دیہاتوں میں موجود خانقاہوں میں یا کسی پرانی قبر کے سرہانے "دھونی دمایا" کرتے ہیں---

حال مست باباجی شاید مہینوں بعد کسی سے ایک آدھ بات کیا کرتے تھے ورنہ ان پر جذب کی کیفیت ہی طاری رہا کرتی تھی۔ گاؤں کی عورتیں بابا مست کے لئے خوان نعمت سجا کر لے جاتیں جو وہ ان کے سامنے وہاں بیٹھے لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے

ماسٹر نوردین کو بابا مست صرف اس لئے پسند تھا کہ حال مست ہونے کے باوجود وہ پابندی سے نماز کرادا کرتے تھے۔

خانقاہ کے ایک کونے میں بنی چھوٹی سی مسجد میں جیسے ہی اذان کی آواز بلند ہوتی بابا مست اپنی جگہ سے اٹھتا اور وضو کرنے کے بعد نمازیوں کی صف میں کھڑا ہو جاتا۔ نماز پڑھنے کے بعد پھر وہ اپنی جگہ پر خاموشی سے گردن جھکا کر بیٹھ جاتا۔

ماسٹر نوردین عصر کی نماز کے بعد چند منٹ کے لئے ضرور اس کے پاس بیٹھا کرتے اور باقی لوگوں کی طرح ان کی خواہش بھی یہی ہوتی تھی کہ بابا مست انہیں مخاطب کر کے کوئی بات کہے-- لیکن باقی لوگوں کی طرح ابھی تک ان کی خواہش پوری نہیں ہوئی تھی--

اس روز بھی ماسٹر صاحب معمول کے مطابق خانقاہ کی طرف جا رہے تھے جب راستے میں انہیں گاؤں کے چوکیدار پیراں دتے نے روک لیا۔ چونکہ وہ ایک فوجی افسر کے والد اور گاؤں کے سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے اس لئے سارا گاؤں انہی کو تمام مسائل کا حل سمجھ کر اپنے دکھڑے ان کے آگے رو دیتا تھا۔

ماسٹر صاحب حسب توفیق اور ہمت ان کے کام بھی آتے رہتے تھے۔

اس روز انہیں بابا مست تک پہنچنے میں چند منٹ کی تاخیر ہو گئی جب اچانک ہی باباجی کے سامنے موجود ان کے عقیدت مند چونک پڑے۔

باباجی آہستہ سے کچھ بڑبڑائے تھے۔

نمبر دار حمید خاں نے فوراً اپنی گردن آگے بڑھائی اور باباجی کی طرف عقیدت سے دیکھا شاید وہ ان کی بات سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔

"ماسٹر جی نہیں آئے"؟

تین ماہ بعد باباجی نے اچانک ہی ایک فقرہ کہہ دیا۔

"ماسٹر نوردین کو بلاؤ-- باباجی یاد کر رہے ہیں"

نمبر دار حمید خاں نے فوراً گردن گھما کر اپنے پیچھے بیٹھے لوگوں سے کہا۔ دو تین بزرگ اٹھ کھڑے ہوئے کہ باباجی کے حکم کی تعمیل ہو لیکن اچانک ہی سامنے سے ماسٹر نوردین آتے دکھائی دیئے--

"ماسٹر جی، ماسٹر جی باباجی نے آپ کو یاد کیا ہے"---

غلام محمد نے تیزی سے ماسٹر جی کے نزدیک پہنچ کر کہا۔

"الحمد للہ"---

ماسٹر نوردین نے کہا اور تیز قدموں سے باباجی کی طرف بڑھے۔

لیکن--- حیرت انگیز طور پر باباجی خود اٹھ کر کھڑے ہوگئے۔ انہوں نے خانقاہ کے دروازے پر لٹکے گیندے کے تازہ پھولوں کے ہاروں میں سے دو ہار جو جمعرات کا دن ہونے کی وجہ سے آج ہی وہاں گاؤں والوں نے لٹکائے تھے نکال لئے اور ماسٹر نوردین کی طرف بڑھے---

"ماسٹر جی لکھ لکھ "وداھیاں""---

کہتے ہوئے باباجی نے دونوں ہار ان کے گلے میں ڈال دیئے---

ماسٹر صاحب کو سمجھ نہیں آرہی تھی کہ باباجی کو کیا ہوگیا--- تمام لوگ حیرت سے یہ منظر دیکھ رہے تھے۔

سورج خانقاہ پر اپنی آخری روشنیاں بکھیر رہا تھا---

ماسٹر صاحب کو کچھ سمجھ نہیں آرہی تھی لیکن ایک عجیب سی روحانی خوشی کا احساس ضرور ہو رہا تھا۔ گاؤں کے لوگ ان کی طرف رشک بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"ڈھولئے بلاؤ--ڈھولئے بلاؤ"---

اچانک ہی باباجی نے گاؤں والوں کی طرف دیکھ کر کہنا شروع کر دیا۔

"جاؤ جاؤ بشر سے کہو ڈھول لے کر آئے"---

نمبر دار حمید خاں نے چلا کر کہا وہ باباجی کی ہر خواہش کو ثواب سمجھ کر پورا کرنے جا رہا تھا۔ لیکن وہ بھی حیران ہو رہا تھا آج بابا مست کو کیا ہوگیا ہے۔

"ہٹ جاؤ---ہٹ جاؤ ماسٹر جی کو بیٹھنے دو---"

باباجی کا اگلا حکم موصول ہوا اور گاؤں والے اس طرح درمیان سے پھٹ گئے جیسے قطاریں بنا کر ماسٹر نوردین کو اپنے درمیان سے گزار رہے ہوں---

"یہاں بیٹھ---یہاں بیٹھ"---

باباجی نے باقاعدہ ماسٹر نوردین کا ہاتھ پکڑا اور انہیں عین اس جگہ بٹھا دیا جہاں وہ خود بیٹھا کرتے تھے۔

ماسٹر صاحب کسی سحر زدہ معمول کی طرح باباجی کے احکامات کی تعمیل کر رہے تھے۔ جو ان کے سامنے بیٹھ گئے تھے۔

"ماسٹر جی حکم آگیا---ماسٹر جی تم "مراوند" ہوگئے"---

باباجی نے اچانک ہی ماسٹر صاحب کی طرف دیکھ کر کہا ان کی حالت دیدنی تھی ایسا جلال ان کے چہرے پر آج تک کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

اس اثناء میں بشیر ڈھول والا اپنے ڈھول سمیت باباجی کے پاس پہنچ گیا تھا۔

"ڈگالا--ڈگا---"

باباجی کی آواز میں جانے کہاں سے ایسا جلال سما گیا تھا--انہوں نے بشیر کی طرف دیکھ

کر حکم دیا۔

بشیر ڈھول والے نے ڈگا لگا دیا---

ڈھول بجنے لگا---سارا گاؤں ڈھول بجنے کی آواز سے گونج رہا تھا اور بابا مست ماسٹر نور دین کو اپنے سامنے بٹھا کر "حال" کھیلنے لگا---

اچانک وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر دھمال ڈالنے لگا کسی کی جرأت نہیں تھی کہ اس "دھمال" میں اس کا ساتھ دے۔

سب لوگ مجسم حیرت تھے۔

اچانک باباجی کا ہاتھ بلند ہوا اور انہوں نے بشیر ڈھول والے کو روک دیا۔ پسینے سے ان کے سارے کپڑے بھیگ رہے تھے۔

"صفائیاں کرو---صفائیاں کرو"---

انہوں نے اگلا حکم جاری کیا--

اور---

خانقاہ کے دروازے پر دھری جھاڑوں میں سے ایک جھاڑو اٹھا کر خانقاہ سے ملحقہ قطعہ اراضی پر پھیرنے لگے---

ان کی دیکھا دیکھی گاؤں کے باقی لوگ بھی اس کام میں شامل ہو گئے۔ ماسٹر نور دین نے اٹھ کر چاہا کہ وہ بھی خانقاہ کا صحن صاف کر دیں لیکن اچانک ہی باباجی اس سے لپٹ گئے۔

"ناں۔ ناں تو نہیں--تو نہیں--تیرا منصب اور ہے"---

انہوں نے حیران پریشان ماسٹر صاحب سے کہا اور باقی لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔

"بس کرو---جاؤ شاباش۔ جاؤ اپنے اپنے گھروں میں جاؤ---تیاریاں کرو--تیاریاں کرو--دولہا راجا آ رہا ہے--"

یہ وہ آخری فقرہ تھا جو بابا مست نے کہا اور اپنی جگہ خاموشی سے جا کر بیٹھ گیا پھر وہ دولہا

راجا کی آمد تک کچھ نہ بولا۔

○

تھوڑی دیر بعد اس نے ہاتھ کے اشارے سے ماسٹر صاحب کو جانے کے لئے کہا تھا۔

ماسٹر صاحب اپنے گھر کی طرف چل دیئے۔ آٹھ دس لوگ ان کے تعاقب میں یوں آ رہے تھے جیسے اچانک انہیں ماسٹر صاحب کو ملنے والی "ولایت" کا علم ہو گیا ہو---

ماسٹر صاحب نے ہار گلے سے اتار کر ہاتھ میں پکڑ لئے تھے جب گاؤں والوں کو سامنے کچے راستے دو فوجی جیپیں اس طرف آتی دکھائی دیں۔

ماسٹر صاحب کا دل دھک سے رہ گیا---

باباجی کی ساری بات انہیں سمجھ آ گئی--

جیپیں ان کے نزدیک آ کر رک گئیں۔ اگلی جیپ سے ایک کرنل صاحب باہر آئے۔ انہوں نے اونچی آواز میں "السلام علیکم" کہہ کر ماسٹر نور دین صاحب سے متعلق دریافت کیا۔

"میرا نام نور دین ہے"---

ماسٹر صاحب نے دھڑکتے دل سے کہا

اس اثناء میں دونوں جیپوں سے باقی افسر اور جوان اتر کر کرنل صاحب کے پیچھے کھڑے ہو گئے تھے۔

"میں نے آپ سے کچھ بات کرنی تھی"---

کرنل صاحب نے اپنی ٹوپی سر سے اتار کر ہاتھ میں پکڑ لی تھی---

"میں وہ بات جان گیا ہوں بیٹا---تم بے فکر ہو کر کہہ ڈالو"---

ماسٹر صاحب کو اچانک ہی کسی غیر مرئی قوت نے بوڑھے ماسٹر سے جواں مرد بنا دیا تھا۔

کرنل صاحب اور ان کے ساتھی ان کے احترام میں سر جھکائے کھڑے تھے۔ چند ثانیے کی ہچکچاہٹ کے بعد کرنل صاحب نے بڑے مضبوط لہجے میں کہا۔

"ہمارا تعلق تھرڈ کمانڈو بٹالین سے ہے۔ آپ کے صاحبزادے شاہد اقبال صاحب دشمن کے خلاف دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہو گئے ہیں---"

"الحمد للہ---انا للہ وانا الیہ راجعون---"

ماسٹر نور دین کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

اور---

کرنل صاحب کے ساتھی انتہائی احترام سے صبر و رضا کے اس پیکر کی طرف دیکھ رہے تھے انہیں اس بات کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ ماسٹر صاحب کو کپتان صاحب کی شہادت کا علم ان سے پہلے کیسے ہو گیا؟

"کرنل صاحب اور ان کے ساتھیوں کے لئے چائے پانی کا بندوبست کرو---"

ماسٹر نور دین نے اپنے ساتھ آئے گاؤں والوں کی طرف دیکھ کر کہا جن کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں اور خود بڑے پروقار قدموں پر اپنے گھر کی طرف چل دیئے---

کرنل صاحب اور ان کے ساتھی ماسٹر صاحب کے پیچھے اس طرح چل رہے تھے جیسے پریڈ گراؤنڈ میں جوان اپنے افسر کے پیچھے مارچ کیا کرتے ہیں۔

نمبردار حمید خاں نے دو لڑکے ماسٹر صاحب کی حویلی کی طرف دوڑا دیئے جہاں ان کے پہنچنے پر چارپائیاں اور موڑھے دھرے جا چکے تھے۔

"تشریف رکھیں"---

ماسٹر نور دین نے بڑے فخر سے ان کی طرف دیکھ کر ہاتھ کے اشارے سے کہا اور کرنل صاحب اپنے ساتھیوں سمیت وہاں بیٹھ گئے۔ گاؤں کے لوگ ان کے گرد اکٹھے ہونے

لگے تھے۔

نمبردار حمید خاں بڑھ بڑھ کر ان غازیوں کی پذیرائی کر رہا تھا جو اس گاؤں کی سرخروئی کا پیغام لے کر آئے تھے۔

O

حویلی کے دروازے سے ماسٹر صاحب گھر کے آنگن میں داخل ہوئے تو حشمت بی بی ہاتھ میں سرخ جوڑا پکڑے دکھائی دی---

"لو ماسٹر جی آپ کہتے تھے دیر ہو گئی۔ عیداں نے آج ہی جوڑا تیار کر دیا میں ناپ کر آئی ہوں۔ شاہد اقبال کی دلہن کو بالکل فٹ بیٹھتا ہے"---

ان کی بیگم نے ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ان سے کہا۔ شاہد اقبال کی شادی کو دس روز باقی تھے اور وہ اگلے پانچ روز کے بعد آنے والا تھا۔

"حشمت بی بی---تیرا دولہا راجا جلدی آ گیا"--

ماسٹر جی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

حشمت بی بی نے پھٹی پھٹی نظروں سے ماسٹر نور محمد کی طرف دیکھا جن کی ڈاڑھی آنسوؤں سے بھیگ رہی تھی لیکن جو صبر و رضا کا پیکر بنے اس کے سامنے کھڑے تھے۔

"ماسٹر جی......"

حشمت بی بی کے منہ سے صرف دو لفظ نکلے اور وہ چکرا کر گریں لیکن ماسٹر جی نے انہیں تھام لیا سامنے کمرے میں کیپٹن شاہد اقبال کی بیگم کا "داج" (جہیز) تیار کرتی اس کی بہنیں بھاگ کر باہر آئیں--

اور---

ماسٹر نور دین کی حویلی پر شام غریباں اتر گئی۔

O

پچاس سال پہلے 13 اگست کو وہ اس گاؤں میں غم واندوہ کی ایک طویل شاہرہ پر سفر کرتے ہوئے داخل ہوئے تو انہیں شدت سے اپنے لٹنے کا احساس ہوا تھا--

لیکن---

آج وہ سرخرو ہوئے تھے---

انہوں نے اپنی بھیگی آنکھوں سے سامنے برآمدے کی چھت پر لہراتے سبز ہلالی پرچم پر نگاہ ڈالی اور نجانے کیوں ایک مسکراہٹ انکے ہونٹوں پر ٹھہر گئی۔

"صبر کرو بچیو! صبر کرو-- شہید کے درجات کم نہ کرو-- حشمت بی بی آج کوئی نہ روئے۔ آج رونے کا نہیں-- فخر کرنے کا دن ہے-- حشمت بی بی تیرے بیٹے نے ہمارا قد اونچا کر دیا-- ہوش کر- تو شہید کی ماں ہے-- جا گاؤں والوں سے مبارکبادیاں وصول کر--"

خدا جانے اس لمحے ماسٹر صاحب کی آواز میں کیا رعد کڑک رہی تھی۔ حویلی میں چیخ وپکار تھم گئی---

"ماں جی--ابا جی ٹھیک کہتے ہیں۔ شہیدوں کی مائیں رویا نہیں کرتیں"---

شاہد اقبال کی بہن۔ تھرڈ ائر کی طالبہ زینب نے اپنے دوپٹے کا پلو ڈھنگ سے سر پر رکھتے ہوئے اپنی ماں کو حوصلہ دیا۔

حویلی کے باہر سارا گاؤں اکٹھا ہو رہا تھا۔

نمبردار حمید خاں کے آدمیوں نے زمین پر چادریاں بچھانی شروع کر دی تھیں۔ ماسٹر صاحب کو دیکھ کر سب احتراماً کھڑے ہو گئے---

سارے مجمع پر سکوت طاری تھا---

"مبارک ہو ماسٹر جی---"

اچانک ہی صوبیدار محمد خاں کی آواز نے سکوت توڑا وہ ماسٹر صاحب کے ساتھ ہی گرداسپور سے ہجرت کر کے آیا تھا۔

"محمد خاں---یار تیرا شاگرد بازی لے گیا"---

ماسٹر نوردین حیرت انگیز حد تک نارمل ہو چکے تھے۔

"میں نے کہا تھا--- میں نے کہا تھا ناں نوردین- تجھے پندرہ سال پہلے کہا تھا یہ سب کا نمبر کاٹ دے گا-- دیکھ لیا-- ہم فوجی بوڑھے بھی ہو جائیں تو ہماری عقل قائم رہتی ہے"---

محمد خاں کی آواز بھرا گئی---

وہ شاہد اقبال کو حساب پڑھایا کرتا تھا۔ ریٹائرمنٹ کے بعد اس نے گاؤں کے بچوں کو اپنے گھر مفت پڑھانے کا سلسلہ شروع کیا تھا جس روز شاہد اقبال نے سارے ضلع میں ٹاپ کیا اس نے ماسٹر نوردین سے کہا تھا۔

"ابھی تو نے دیکھا ہی کیا ہے۔ دیکھنا ایک روز میرا شاگرد سب کا نمبر کاٹ دے گا-- بڑا آیا ہے ماسٹر-- ہم فوجیوں سے زیادہ حساب کسی کو نہیں آتا"---

اور---

آج اس کا شاگرد ٹاپ کر گیا---

سب کے نمبر کاٹ گیا---

ساری رات گاؤں کی فضائیں قرآن کی تلاوت سے گونجتی رہیں---

علی الصباح گاؤں کے باہر حمید خاں کی زمینوں پر ہیلی کاپٹر اترا اور ماسٹر نوردین کا دولہا سکھو چک کا راجا---!

کیپٹن شاہد اقبال شہید پاکستانی پرچم میں لپٹ کر باہر آ گیا---

کرنل صاحب اور ان کے ساتھی ساری رات وہاں موجود رہے تھے۔ ہیلی کاپٹر میں شہید کے لاشے کے ساتھ بریگیڈئر صاحب خود آئے تھے۔

ساری رات کرنل صاحب گاؤں والوں کو شاہد اقبال کی کہانیاں سناتے رہے۔ "بالا فون لا" سیکٹر میں دشمن کے خلاف اس کی فتح کا قصہ دہراتے رہے---

ساری رات بابا مست خانقاہ کے پہلو میں خالی قطعہ اراضی پر صفائی کرتا رہا۔ اس نے اپنے ہاتھوں شاہد اقبال کی قبر کھودی تھی-- صبح جب ہیلی کاپٹر سے سبز ہلالی پرچم میں اس کو باہر نکالا گیا تو بابا مست وہاں موجود تھا۔ شاہد اقبال کے ساتھیوں نے گاؤں والوں سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے ساتھی کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر اس کے گھر تک لے جائیں گے۔

مجسم عقیدت اس کی یونٹ کے افسروں نے اپنے جواں سال شہید کو کندھوں پر اٹھا رکھا تھا۔ اردگرد دیہاتوں کے سینکڑوں لوگ ان کے پیچھے پیچھے احترام سے چل رہے تھے اور بابا مست سب کے آگے آگے---

اس نے اپنے ہاتھ میں چھڑی پکڑ رکھی تھی۔ ٹریفک پولیس کے سارجنٹ کی طرح اپنے آگے سے راستہ صاف کروا رہا تھا۔

"ہٹ جاؤ---ہٹ جاؤ---دولہا راجہ آ گیا---دولہا راجہ آ گیا"---

بڑی مستعدی سے وہ بار بار یہی دہرا رہا تھا۔

جنازہ گاؤں کی بڑی گلی سے گزر رہا تھا---

سارے گاؤں کی عورتیں مکانوں کی چھتوں پر کھڑی کیپٹن شاہد اقبال شہید کا استقبال کر رہی تھیں گلی کے کونے والے مکان کی چھت پر لہو روتی آنکھوں والی سائرہ بی بی کو اس کی سہیلیوں اور شاہد اقبال کی بہنوں نے تھام رکھا تھا--- جنازہ مکان کے سامنے

آیا تو بابا مست تن کر کھڑا ہو گیا-- جنازہ بردار ٹھٹھک کر رک گئے۔ بابا مست نے چھڑی سے اوپر کی سمت اشارہ کیا۔ بھیگی آنکھوں سے لوگوں نے دیکھا ایک سبز رنگ کا دوپٹہ اڑتا ہوا نیچے آ رہا تھا--اس کے ساتھ ہی بابا مست پھر "ہٹ جاؤ--ہٹ جاؤ-- دولہا راجا آ گیا، پکارتا جنازے کے آگے آگے چلنے لگا۔

سائرہ نے اپنے سر سے دوپٹہ اتار کر اپنے شہید دولہے پر پھینکا تھا۔

لیکن --- ایک سائرہ ہی نہیں--- گاؤں کی ہر لڑکی اپنے ویر کیپٹن شاہد اقبال کے حضور اپنی آنکھوں سے موتیوں کا نذرانہ پیش کر رہی تھی---

اس کا جسد خاکی ان دوپٹوں پھولوں اور ہاروں سے ڈھک گیا تھا جو گاؤں کی عورتیں اس پر پھینک رہی تھیں-- ماسٹر صاحب کے گھر کے دروازے پر بابا مست ایک طرف ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ جنازہ اندر چلا گیا۔

ظہر کے بعد بابا مست کی تیار کردہ قبر میں ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں سکھو چک کے گبھرو پتر کو اتار دیا گیا-- لحد میں اتارتے ہوئے شاہد اقبال کو اس کے ہمراہیوں نے گن سیلوٹ دے دیا۔

مولوی محمد عمر نقشبندی نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے تو سارا گاؤں سسکیاں بھر رہا تھا--

لیکن ---ماسٹر نوردین مجسم صبر و رضا بنے اپنی جگہ کھڑے تھے--

ماسٹر صاحب شاہد اقبال کے ساتھیوں کی معیت میں گھر پہنچے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ شہید کے ساتھی کھانا کھائے بغیر واپس نہیں جائیں گے---

ماسٹر صاحب گھر پہنچے تو اندر برآمدے کے ایک کونے میں حشمت بی بی کو زینب اور گاؤں کی عورتیں سہارا دیئے بیٹھی تھیں۔

ماسٹر صاحب کو دیکھ کر حشمت بی بی استقبالیہ انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ماسٹر جی میرے دولہے بیٹے کو رخصت کر کے آ گئے"---

ماسٹر صاحب نے ایک نظر اپنے پیچھے احتراماً کھڑے شاہد اقبال کے ساتھیوں پر ڈالی جو

اپنے شہید ساتھی کی عظیم ماں کو نذر عقیدت گذار نے ان کے ساتھ اندر آگئے تھے پھر حشمت بی بی کی طرف دیکھا۔

"جھلیئے---ادھر دیکھ تیرے بیٹے کو کتنے بڑے بڑے لوگ رخصت کرنے آئے ہیں۔

حشمت بی بی اتنے لوگ اس کی شادی پر کہاں آتے---"

احساس تفاخر---ماسٹر نور دین کی آواز سے نمایاں تھا---

o

شام سکھو چک پر اتر آئی تھی---بابا مست شہید کی قبر کے قریب براجمان تھا---

اس نے چپ سادھ لی تھی۔

صوبیدار محمد خان اور اس کے ساتھی دیے روشن کر رہے تھے۔ نزدیک دور دیہاتوں کے لوگ اپنی "حاضری گذار" رہے تھے۔

عین انہی لمحات میں سیاچن کے "بلافون لا" سیکٹر کی ایک پوسٹ پر کیپٹن شاہد اقبال کی جگہ اس کی یونٹ کے ایک اور کپتان صاحب اپنے جوانوں کے ساتھ ہزاروں فٹ بلندی پر منفی تیس درجے سنٹی گریڈ یخ بستہ ہواؤں کے درمیان اپنے شہید کے لئے دعائے خیر کر رہے تھے۔

برف بارش کی صورت میں ان پر اتر رہی تھی---موسم کے تیور بدلنے لگے تھے---

یخ بستہ ہواؤں کی رفتار اچانک ساٹھ کلو میٹر فی گھنٹہ ہو گئی تھی---لیکن---

غازیان صف شکن اپنے کوہ شگاف عزائم کے ساتھ اپنی پوسٹ پر برفانی چیتوں کی طرح چوکس تھے۔ کسی بھی لمحے دشمن کے چیلنج کا جواب دینے کے لئے---

اس کی جارحیت پر قہر الٰہی کی طرح ٹوٹ پڑنے کے لئے---

اپنے پیشرو کیپٹن شاہد اقبال شہید کی طرح---!

رمضان المبارک ۱۹۹۸ء

لاہور